

جلد نمبر ۱۰

10

آئینہ رموزِ خدا مشعلِ حیات  
شرح بیانِ قصہ تخلیقِ کائنات  
مہرِ علومِ آلِ محمد ہے ضوفشاں  
جلوہِ نام ہے اس میں ہر اک خشک و ترکیبات

ایاتِ بینات کا نکھرا ہوا چمن  
طرزِ بیاں میں حین نگارش کا بانگِ چمن  
اپنے جلو میں روحِ تقدس لئے ہوئے  
گلدستہٴ حدیقہ انوارِ پنج تن

ادریب و دیارِ نجف و شتِ کربلا  
از گنجِ کائنات و خراسان و سامرا  
زیبِ نگارخانہ تفسیر کے لئے  
یک جا کہاں کہاں سے کئے در بے بہا

آراستہ کیا ہے محلِ اعتقاد کا  
نکھتا ہے اسبِ زیبا سے صحیفہ مفاد کا  
قبلہ حسین بخش کو روزِ جنتِ ضرور  
قدت عطا کرے گی صلہ اس جہاد کا



# فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۹	اقبال و ادبار کا معنی	۵۵	ضروری تہنیه	۶	سورہ حج کے فضائل
۱۰۰	عقل کی عظمت	۵۶	علامات مومن	۷	رکوع نمبر ۸ ہول محشر
۱۰۲	نور و بشر	۵۸	انسان کی پیدائش	۱۰	انسانی تخلیق
۱۰۵	نور و عصمت	۵۹	حمل کا خون بہا	۱۳	رکوع نمبر ۹
۱۰۷	فن منطوق میں نئے باب کا اضافہ	۶۰	احسن الخالقین	۱۶	محشر کین کو تہنیه
۱۰۹	مخلوق اول کی نوع مفرد	۶۳	طور سینار	۱۸	عذاب جنہم
۱۱۰	رکوع ۷ - شان نزول	۶۴	رکوع نمبر ۲ - حضرت فرج کا ذکر	۱۹	رکوع ۱۰ جنت کا تصور
۱۱۱	نہ کی شرعی نثر اہم اور اس کے احکام	۶۶	نکتہ لطیفہ	۲۰	مسجد الحرام کی عظمت
۱۱۳	لحق خلافت	۶۷	رکوع ۳ - رسالت و بشریت	۲۱	رکوع نمبر ۱۱ تطہیر کعبہ
۱۱۶	قدوس کی نثر اور اس کے احکام	۶۷	مریم و عیسیٰ دونوں معجزات	۲۲	اعلان حج
۱۲۱	رکوع ۸ - قصہ اہک	۶۹	امری مخلوق	۲۵	فرائض حج
۱۲۳	غیبت اور بہتان میں فرق	۷۱	موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ	۲۸	قول زور سے بچنے کا حکم
۱۲۵	رکوع نمبر ۹	۷۴	ایک جہل سے گفتگو	۳۱	آدم و حوا کی جائے ملاقات
۱۲۷	غیبت مروغیبت عورتوں کیلئے	۷۵	رکوع نمبر ۴	۳۲	رکوع ۱۲
"	رکوع نمبر ۱۰	۸۱	رکوع نمبر ۵ - ذکر توحید	۳۳	قرآنی
۱۲۹	دوسروں کے گھروں میں داخلے کی ممانعت	۸۲	الاکا معنی	۳۵	رکوع نمبر ۱۳
۱۳۲	پردہ کا حکم	۸۵	دلیل تائید و تمانح	۳۶	گذشتہ اقوام سے عبرت
۱۳۵	شادی کرنے کا حکم	"	رکوع نمبر ۶	۳۹	رکوع نمبر ۱۴
۱۳۵	مکاتب مطلق و مشروط	۸۷	اخلاق نبویہ	۴۰	شیطان سازش
۱۳۶	مفہوم مخالفت کی حیثیت	۸۸	برزخ	"	نبی و رسول میں فرق
۱۳۷	رکوع نمبر ۱۱	۸۹	نسخ صورت	۴۳	رکوع نمبر ۱۵
"	آیت نور	۹۰	نکات علمیہ	۴۴	رکوع نمبر ۱۶
۱۴۰	تاویل آیت	۹۳	سورہ نور کے فضائل	۴۷	رکوع ۱۷ دعوت توحید
۱۴۱	دوسری تاویل	۹۴	نور کی حقیقت	۵۰	پاہ ۱۸
"	تیسری تاویل	۹۶	قرآن میں نور کا استعمال	۵۱	سورہ مومنوں کے فضائل
۱۴۲	چوتھی تاویل	۹۷	نور بہی اور رحمت	۵۲	بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد
"	پانچویں تاویل	۹۸	اول مخلوق	۵۴	نور سے اعراض کرنا

۲۲۳	رکوع نمبر ۱۶	۱۸۰	بارش کا پانی اور اس کے احکام	۱۴۲	چھٹی تاویل
۲۲۴	حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۸۲	رکوع نمبر ۴	۱۴۳	بیوت کی تفسیر
۲۲۶	رکوع نمبر ۱۷ حضرت سلیمان کا قصہ	۱۸۶	اللہ کے بندوں کی صنعتیں	۱۴۵	کافر کے اعمال سراب کی مثل ہیں
۲۲۸	وراثت انبیاء کا مسئلہ	۱۸۹	سورہ شعراء	۱۴۶	لطیفہ لاشی کا معنی
۲۳۱	حضرت سلیمان کی حکومت	۱۹۰	رکوع نمبر ۵	۱۴۷	رکوع نمبر ۱۱
۲۳۲	واوی نمل کا ذکر	۱۹۱	رکوع نمبر ۶	۱۴۸	عظمت پروردگار
۲۳۴	ہر ہر کا غیر حاضر ہونا	"	حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۵۰	ایمان کا امتحان
۲۳۷	ہر ہر کی تیز پروازی پر اعتراض و جواب	۱۹۵	رکوع نمبر ۷	۱۵۱	رکوع نمبر ۱۳
۲۴۰	حضرت سلیمان کا خط ملکہ سبا کے نام	۱۹۷	رکوع نمبر ۸	۱۵۲	آمد مہدی کی پیشین گوئی
۲۴۱	رکوع نمبر ۱۸	۲۰۰	رکوع نمبر ۹	۱۵۳	آیہ استخلاف
"	ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو	"	حضرت ابراہیم کا ذکر	۱۵۴	رکوع نمبر ۱۴
۲۴۲	وفد کی روانگی	۲۰۳	رکوع نمبر ۱۰	"	آداب معاشرہ
۲۴۵	ملکہ سبا کی آمد	"	حضرت نوح کا ذکر	۱۵۹	حدیث مواعظ
۲۴۶	تخت بلقیس کی آمد	۲۰۵	رکوع نمبر ۱۱	"	رکوع نمبر ۱۵
۲۴۷	اسم اعظم	"	حضرت ہود کا ذکر	۱۶۰	حضرت ظلمہ کی شہادت
۲۵۰	ملکہ بلقیس کا اسلام	۲۰۷	رکوع ۱۲	"	حضور کو بلانے کے آداب
۲۵۲	رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالح کا ذکر	"	حضرت صالح کا ذکر	۱۶۲	سورہ فرقان
۲۵۵	حضرت لوط کا ذکر	۲۰۸	بشریت و رسالت	۱۶۳	رکوع نمبر ۱۶
۲۵۶	پارہ ۲۰	۲۱۰	رکوع نمبر ۱۳	"	توحید کا بیان
۲۵۷	رکوع نمبر ۱	"	حضرت لوط کا ذکر	۱۶۵	رسول کی بشریت پر کافروں کا اعتراض
"	بیان توحید	"	رکوع نمبر ۱۴	۱۶۷	بشریت و رسالت
۲۵۹	غلم غیب	"	حضرت شعیب کا ذکر	۱۶۹	شرک کا سبب
۲۶۰	رکوع نمبر ۲	۲۱۳	رکوع نمبر ۱۵	۱۷۲	پارہ ۱۹
۲۶۲	دبابة الارض کی تشریح	"	ولایت علی	۱۷۳	رکوع نمبر ۱
۲۶۴	رکوع نمبر ۳ آمد قائم علیہ السلام	۲۱۵	دعوتِ عشیرہ	۱۷۴	بڑے قویں سے بڑا
۲۶۵	نفعِ صمد	۲۱۸	آپائے نبی کا اسلام	۱۷۶	رکوع ۲
۲۶۷	حرمتِ مکہ	۲۲۰	شعراء کے معنی کی وضاحت	"	اصحاب رس کا واقعہ
		۲۲۲	سورہ نمل	۱۷۸	مشرکین مکہ کا شرک
			تمت بالخیر		

## سورۃ الحج

اس سورہ کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس سے اس کا مکی ہونا اور حسن سے مدنی ہونا منقول ہے۔ اس کی چند آیتیں نہ مکی ہیں نہ مدنی بلکہ سفری ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد مشہور قرأت کی بنا پر اٹھتر ہیں اور بسم اللہ کو ملا کر ۷۹ بنتی ہیں۔

① جناب رسالت اکرمؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گذشتہ اور آئندہ کے تمام حاجیوں کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔ (مجمع)

② حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اس سورہ کو ہر تیسرے دن پڑھتا ہے تو سال کے اندر اس کو حج نصیب ہوگی۔ اور اگر دوران سفر میں مرجائے تو داخل جنت ہوگا۔ (مجمع۔ برہان۔ صافی)

③ کسی نے سوال کیا کہ اگر حج کرنے والا مخالفت ہو تو وہ آپ نے فرمایا اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

(برہان۔ صافی)

④ کافر ظالم اور ڈاکو اگر کشتی میں سوار ہوں۔ پس بہرہ کی جھلی پر اس سورہ کو لکھ کر اس کشتی میں رکھا جائے تو وہ کشتی ان کافروں کو لے ڈوبے گی اور ایک نہ بچے گا۔

⑤ اگر پانی سے دھو کر ظالم حکمران کی نشست گاہ پر چھڑکاؤ کیا جائے تو اس کا اقتدار حکم پر دودگاہ جلدی زائل ہو جائیگا۔ عن الصادق علیہ السلام (برہان)

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

## يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝۱

اے لوگو! اور اپنے رب سے تحقیق قیامت کا زلزلہ بڑی شے ہے

## يَوْمَ تَرُودُهَا تَدْحَلُ كُلُّ مَرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتٍ

جس دن دیکھو گے کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانیا والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو اور گرا دے گی ہر حمل والی

رکوع نمبر ۸۔ ہول محشر | تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق عمران بن حصین اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ سورہ حج کی پہلی دو آیاتیں اس رات کو اتریں جب کہ مسلمان غزوہ بنی مصلطین کے لئے روانہ

سفر تھے۔ حضورؐ نے آواز دی تو سب مسلمان سواریوں سے پیدل ہو کر آں حضرتؐ کے ارد گرد ہر دوازوار جمع ہو گئے۔ آپ نے یہ دو آیاتیں پڑھیں یہ سنتے ہی صحابہ پر اس قدر گرہ طاری ہو کہ اس سے زیادہ گریہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ رات بھر اسی حالت میں گذر گئی اور دن ہوا تو گھوڑوں سے زمین اتارنے اور خیام نصب کرنے کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا۔ کچھ رو رہے تھے اندر کچھ غناک صبح محشر کی فکر میں دم بخود نظر آتے تھے کہ پھر ایک بار حضورؐ نے زبان وحی ترجمان کو جنبش دی اور دریافت فرمایا کیا جانتے ہو کہ یہ آیتیں کس دن کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اُس دن کا ذکر ہے جب خدا حضرت آدم کو حکم دے گا کہ اپنی اولاد کو جہنم کے لئے روانہ کر دو تو آدمؑ نے عرض کر میں گئے اے پروردگار کس نسبت سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ہر ہزار سے ۹۹۹ جہنم کی طرف اور ایک بہشت کی طرف بھیجو۔ یہ سنتے ہی صحابہ پر دوبارہ سخت گریہ کا عالم طاری ہوا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے کسی نے عرض کی اے آقائے نامدار! ایسی حالت میں نجات کون پائے گا؟ تو آپ نے فرمایا تم کو خوشخبری ہو کہ یا حرج و ماجرج کے مقابلہ میں تم اس طرح ہو جس طرح پورے سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں تمہاری نسبت سے ہو گے تب صحابہ کی ڈھارس بندھی اور ہوش ٹھکانے آئے۔ پس سب نے مل کر نعت بکیر بلند کیا پھر آپ نے فرمایا شاید تم اہل جنت میں تمہاری نسبت سے ہو گے۔ تو صحابہ نے خوشی کے مارے پھر نعت بکیر بلند کیا۔ پس آپ نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ تم لوگ باقی اہل جنت میں تمہاری نسبت سے ہو گے۔ کیونکہ اہل جنت کی کل ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی ہزار صفیں صرف میری امت کے لئے مخصوص ہوں گی اور میری امت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ عمر بن خطاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! بس ستر ہزار؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے ہمراہ ستر ہزار ہوں گے فوراً حکاشہ بن محسن نے عرض کی حضور! میرے حق میں دعایا کجیے کہ ان میں سے ہو جاؤں۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔

کہ اللہ اس کو ان میں سے قرار دے تو ایک انصاری نے بھی یہی التجا کی تو آپ نے فرمایا بس عکاشہ کی پہل ہے۔ ابن عباس کہتا ہے چونکہ وہ انصاری منافق تھا اس لئے حضور نے اس کو ٹھال دیا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے ابو اسحق ہمدانی کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے محمد بن ابوبکر کو جب مصر کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو اس کو ایک چٹھی لکھی کہ تمام اہل مصر کو سنائی جائے۔

اس میں سے چند فقرے یہ ہیں:-

”اے اللہ کے بندو! قبر سے اٹھنے کے بعد کا منظر قبر سے سخت تر ہے۔ جس دن بچہ دن کے طول اور اس کی سختی سے بوڑھا ہو جائیگا۔ ہوش مند بہوش نظر آئے گا۔ حاملہ ماؤں کے شکم سے بچے ساقط ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیوں کو دودھ پیتے بچوں کا خیال نہ رہے گا۔ ایسا سخت دن جس کی سختی پورے عرصہ محشر کو اپنی پیٹ میں لے لے گی۔ معصوم فرشتوں میں سنسنی طاری ہوگی۔ آسمان زمین اور پہاڑ کانپتے ہوں گے۔ آسمان پھٹ کر پراگندہ ہوگا۔ پہاڑ ذرہ ذرہ ہو کر سراب دکھائی دیں گے۔ لغغ صورتیں ہی زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق گھبراہٹ سے بدحواس ہو جائے گی۔ حوائے ان کے جو مستثنیٰ ہیں۔ بس اس آدمی کی کیا حالت ہوگی۔ جو کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور جملہ اعضاء سے اپنے رب کی نافرمانی کر چکا ہوگا۔ اگر اللہ اپنے رحم و کرم سے اس کو بخش نہ دے تو اس دن کی سختی سے اس کو کون بچائے گا؟

جہنم کی گہرائی دوڑ تک، گرمی سخت، پینے کو پیپ، عذاب تازہ بہ تازہ اور سر کے اوپر لوہے کے گزہائے گراں کی سنگ تار مار نہ اس میں وقفہ ہوگا، نہ جلنے والے پر موت آئے گی جہاں رحم کا نام نہیں اور چیخ و پکار کو کوئی سننے والا نہیں۔ اور یقین کرو۔ اللہ کے بندو۔ دوسری طرف اللہ کی رحمت بھی ہے جنت جزینوں اور آسمانوں کے برابر وسیع ہے۔ جس میں متقی جائیں گے۔ دکھ نہ ہوگا۔ اس کی لذات کے استعمال سے اکتانہ ہوگا۔ وصال کے بعد فراق نہ ہوگا۔ رہنے والے اللہ کی رحمت کے سایہ میں بسیں گے۔ ان کے سامنے نوجوان لڑکے خوشبوئیں اور میوہ جات شہری پلیٹوں میں نہایت دل کش انداز و اچھے سلیقے سے رکھ کر تابع فرمان کھڑے ہوں گے۔“

اسی طرح بروایت قاضی شریح حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے ایک بے خطبے میں موت اور اس کے بعد محشر کا ہولناک منظر پیش فرمایا۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:- ”اے شاہانہ ہیبت و جلال کے مالک نازک مزاج، تو نے ایک کچے مکان اور غبار آلود ٹھکانے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ تجھے ایسی جگہ خضارہ ٹیک کر سونا ہوگا جہاں ملنے والے کم جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد جب قبریں شقی ہوں گی اور تجھے میدان محشر کی طرف بھیجا جائے گا۔ تو اگر تیرا خاتمہ نیک ہو تو سرور و انبساط، حکومت و سلطنت اور امن و آرام کا گھر ملے گا۔ موتیوں کی طرح خوبصورت لڑکے شیریں و شفاف پانی کے بھری جام ہاتھ میں لے کر غلامی کیلئے پیش ہوں گے۔ اہل بہشت عیش و عشرت میں بسر کریں گے اور اہل جہنم آگ کا عذاب لیں گے۔ یہ ریشم و اطلس کے لباس میں ملبوس ناز و داد سے ٹھیلیں گے۔ اور وہ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پیچ و تاب کھائیں گے۔ ان کے ناک

# حَمَلٌ حَمَلًا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ

اپنا حمل اور دیکھو گے لوگوں کو بے ہوش حالانکہ وہ بیہوش نہ ہونگے بلکہ

## عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ

اللہ کا عذاب سخت ہے اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بے علمی

بہشت کے مشک و عنبر سے معطر ہوں گے اور وہ آتشِ جہنم میں لوہے کے وزنی گرزوں کے ساتھ پیٹے جائیں گے۔ سیاہ چشم خوبصورت عورتیں خوشی خوشی ان سے معاف کر دیں گی اور ان کی گردنوں میں دوزخ کے طوق و زنجیر ڈالے جائیں گے۔ ان کی گھبراہٹ کا کوئی دفاع نہ ہوگا۔ اور ان کی بیماری کا کوئی علاج نہ ہوگا۔

اے وہ انسان جس نے کیڑوں کا ڈوں کے سپرد ہونا ہے تو سن اور دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ آنکھ سے ہو کر نیند کی لذت کو خیر باد کہہ دے اور خوفِ خدا میں آنسوؤں کے ڈول بہائے کیونکہ تیرا قبر کا مکان خطرناک اور ہولناک جگہ ہے۔ اے جیسا کہ انسان تیرا انجام موت ہے۔ اے غافل و سر بھرا انسان نصیحت حاصل کرنے والے کی بات کو سن۔ حشر کا دن باز پرس اور جزا و سزا کا دن ہے۔ اس دن لوگوں کے اعمال کھلیں گے۔ گناہ گنے جائیں گے۔ گرمی کی شدت سے آنکھوں کے ڈھیلے پگھلتے نظر آئیں گے اور اس کی شدت سے حاملہ ماؤں کے بچے سا قحط ہو جائیں گے۔ دوست دوست سے جدا ہوگا۔ اس دن کے ہول سے دانشمند بجز حیرت میں غوطہ زن ہوگا۔ زمین آبادی کے بعد خیر ہوگی۔ اُس کی دل کشی اور سرسبزی تغیر و انقلاب کا محل ہوگی۔ کلام کو جا ہی رکھے ہوئے فرمایا کئے ہوئے اعمال میں سے صرف حرف کا سوال ہوگا۔ آنکھیں جھکی ہوں گی۔ سامنے حساب ہوگا اور پیچھے جہنم کا عذاب ہوگا اس کی ہونک آواز کانوں سے ٹکارا ہی ہوگی۔ آنکھیں اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی ہوں گی وہاں نہ کوئی مددگار و معاون ہوگا اور نہ کوئی غمگسار اور جائے پناہ ہوگا اور تمام لوگ موافقتِ حساب کی طرف تیزی سے روانہ کئے جائیں گے۔

پل صراط پر پہنچیں گے تو دلوں میں لرزہ ہوگا اور جان لیں گے کہ اب سچا و مشکل ہے۔ بولنے کی اجازت نہ ہوگی، عذر مقبول نہ ہوگا، زبانوں پر مہر ہوگی۔ پس ہاتھ اور پاؤں اپنے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے۔ ہائے کس قدر دردناک گھڑی ہوگی، اور رُوح فرسا منظر ہوگا۔ جب نیتے کا اعلان ہوگا۔ ایک گروہ جنت کی طرف اور دوسرا گروہ جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ انجیر ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے موت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا مومن کے لئے ایک بہترین رُوح پرور خوشبو کی مانند ہے۔ جس کے سونگھنے سے تھکے ماندے انسان کو آرام و سکون آجاتا ہے اور وہ خوشی کی نیند سوجاتا ہے اور کافر کے لئے سانپوں اور بھجوروں کے ڈسنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔



عِلْمٌ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ﴿٣﴾ كَتَبَ عَلَيْهِ أَنْتَهُ مَنْ

سے اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی مقرر کی گئی ہے اس پر یہ بات کہ جو بھی اسے دوست

تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُصِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا

رکھے گا یہ اسے گمراہ کرے گا اور اُسے عذاب دوزخ کا راستہ دکھائے گا اے لوگو!

النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن

اگر تم کو شک ہے مرنے کے بعد اٹھنے کا تو ہم نے تم کو پیدا کیا ہے

ذَلُولَةً السَّاعَةِ ۖ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ بعد میں ارشاد فرماتا ہے کہ حاملہ ماؤں کے حمل ساقط ہوں گے اور دودھ پیتے بچوں سے مائیں غافل ہو جائیں گی۔ اور حمل و رضاعت قیامت سے پہلے ہوگا نہ کہ قیامت کے دن۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ بیان مقصود ہوں محشر کو بیان کرنا ہے کہ اگر اس سختی کو کوئی حاملہ دیکھتی تو سچہ ساقط ہو جاتا اور مال کو اپنا دودھ پیتا بچہ قبول جاتا۔ اور زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے کا زلزلہ خدا دیا جائے اور قیامت کی طرف نسبت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ زلزلہ اشراط قیامت سے ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ ۙ۔ یعنی بعض لوگ توحید پروردگار کے مسئلہ میں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ نضر بن حارث ایک باتونی آدمی تھا جو توحید کے بارے میں کج بحثی کر کے پیغمبر اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتا تھا۔ پس عجمیوں اور یہودیوں سے کچھ باتیں سُن کر مسلمانوں پر طعنہ زنی کرنا اس کا شیوہ تھا اور یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔

شَيْطَانٍ۔ یہاں نسل انسانی کے شیطان مراد ہیں جو اسلام کے خلاف نضر بن حارث یا دوسرے آدمیوں کو طعنہ زنی کی تحریک کرتے تھے۔

كَتَبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس شیطان پر یا بقولے جھگڑا کرنے والے پر یہ بات لوح محفوظ میں ثابت ہے کہ جو بھی اس کی پیروی کریگا وہ اس کو راہِ راست سے بھٹکا کر دوزخ کے راستہ پر لگائے گا۔

فَأِنَّا خَلَقْنَاكُمْ ۙ۔ حشر و نشر کے اثبات میں منکرین کے سامنے ایک عام فہم طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا اور حضرت آدم ؑ کو اور پھر نطفہ علقہ و مضغ سے تم کو بنایا (اولاد آدم کو) یعنی آدم کو ہم نے دفعۃً بلا تدریج مٹی سے پیدا کر دیا اور اولاد آدم کو تدریج کے ساتھ یعنی غلہ سبزیاں میوہ جات اور تمام کھانے کی چیزیں زمین سے پیدا کیں جن کو انسان نے کھایا تو ان سے خون پیدا ہوا۔ اور اس سے انسان کا مادہ منسوبہ پیدا ہوا جس کو نطفہ کہا گیا ہے پھر نطفہ عورت کے رحم میں چالیس دن کے بعد خون جامد بن گیا۔ جس کو علقہ کہا گیا ہے اور علقہ چالیس دن کے بعد مضغ بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ

تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ لُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عِلْقَةٍ ثُمَّ مِنْ مَضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ

مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون بتہ سے پھر گوشت کی بوٹی سے تمام یا غیر تمام تاکہ

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لَبِيْنٍ لَكُمْ وَنَقَرُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ

ہم واضح کریں تمہارے لئے اور ہم ٹھہرتے ہیں رحموں میں جو چاہیں ایک میعاد مقرر تک

مُسَيِّئًا ثُمَّ نَخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ

پھر نکالتے ہیں تم کو پھر تاکہ پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو اور تم میں سے بعض کو موت

يَتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ مِنْ

دی جاتی ہے پہلے اور بعض کو رو کیا جاتا ہے رذیل ترین زندگی کی طرف تاکہ کچھ نہ جانے بعد جانے

کے بعد روح داخل ہو کر نفس انسانی تیار ہو جاتا ہے۔ بعض بچے روح کے داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن کو غیر مخلقتہ کہا گیا ہے اور بعض بچے روح داخل ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد یعنی نو ماہ تک شکم مادر میں محفوظ رہ کر صحیح پیدا ہوتے ہیں جنکو مخلقتہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ص ۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

لَبِيْنٍ لَّكُمْ۔ حضرت آدم وحواء کو صرف مٹی سے بغیر تدریج کے اور تم کو مٹی لطفہ علقہ اور مضغہ کی ترتیب و تدریج سے پیدا کر کے ہم نے تم پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہم دفعۃً پیدا کرنے اور تدریجاً پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جب ابتدائاً ہم اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں تو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر کیونکر قادر نہیں ہیں؟

أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ بڑھاپے کی عمر کو رذیل ترین زندگی اس لئے کہا گیا ہے کہ دنیا کی تمام بہاریں اور رونقیں اس کے لئے نفع مند نہیں ہیں نہ جوانی واپس آسکتی ہے اور نہ تندرستی لوٹ سکتی ہے۔ پس یہ عمر حسرت اور ارمان کا مجموعہ ہوتی ہے کیونکہ لاناؤ دنیا کو دیکھتا ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے جوانی کے لذائذ دنیاویہ پر آخرت کو ترجیح دی اور قرب خداوندی ان کا مطلع نظر رہا ان کا بڑھاپا وصال پروردگار کا پیغام ہوتا ہے اور خدا ایسے لوگوں کا احترام باقی لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس وہ باعزت دنیا سے جاتے ہیں اور اللہ کے ہاں باعزت مہمان ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سوال اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے سچتر سال کے بعد ارذل عمر ہونا منقول ہے۔ اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۱۱ سورہ والتین کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

إِهْتَرَأَتْ ص ۱۲۔ احضار کا معنی ہوتا ہے خوشی سے جھومنا۔ پس خشک زمین پر بارش پڑنے کے بعد اس کی سرسبزی و شادابی اس کا

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ

کے اور دیکھتے ہو زمین کو خشک پس جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو

اهْتَرَّتْ وَرَبَّتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَلِكِ بَيِّنَاتٌ لِلَّهِ

متحرک ہوئی اور بڑھی اور اگانے لگی ہر قسم کی پر رونق اگھڑیاں یہ اس لئے کہ اللہ

هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْمَوْتَى وَأَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ

حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور تحقیق

السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝

قیامت بلاشبک آنے والی ہے اور تحقیق اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ

اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر سچی کتاب

اصترار ہوتا ہے۔ زوج سے مراد اس مقام پر قسم اور صنف ہے اور بہیج بھجت سے ہے جس کا معنی رونق ہوا کرتا ہے۔  
ذالک۔ یعنی تمام بیان کردہ امور کو مثلاً مخلوق کو پیدا کرنے پر تدریج سے یا بالآخر تدریج اسی طرح زمین سے قسم و قسم کی اگھڑیاں اگانے پر  
بلکہ کائنات کے جملہ تصرفات پر پوری قدرت رکھنا اس لئے ہے کہ وہی ہے خدائے برحق اور اسی کا حق ہے کہ اس کی عبارت کی  
جائے اور وہ جس طرح ابتدا و سب کا خالق ہے۔ اسی طرح دوبارہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ غرضیکہ وہ ہر بات پر قادر ہے پس  
یقین کر لو کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اور قبروں میں دفن ہونے والوں کو اللہ ضرور اٹھائے گا۔

یُجَادِلُ یعنی بعض لوگ بے علمی سے مسئلہ توحید میں جھگڑا و مناظرہ کرنے لگتے ہیں نہ ان کے پاس دلیل ہوتی ہے اور نہ کسی سچی کتاب  
کا سہارا ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس علم ہو دلیل قائم کر سکتا ہو اور کسی سچی کتاب کا سہارا بھی اس کو حاصل ہو تو  
اس کے لئے مناظرہ کرنا جائز اور درست ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ حق کا علم دار ہو گا اور لوگوں کے لئے حق کے قریب ہونے کا  
موجب بنے گا اور بخلاف اس کے بے علمی کی صورت میں خود بھی حق سے دور ہو گا اور لوگوں کے لئے بھی غلط عقائد کی راہ ہموار  
کرے گا۔

ثَانِي عَطْفٍ۔ یعنی ازراہ کبر پہلو مروڑ کر چلتا ہے۔ ابھی آیت نمبر ۳ میں گذرا ہے کہ اس کا مصداق نضر بن حارث تھا جو بے علم اکھڑا  
اور تنکبر قسم کا جھگڑا و آدمی تھا اور مسلمانوں کو باہموم تنگ کرتا تھا اور تاویلی طور پر ہر وہ بندہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے جو یہ عطا

مَنْبِرٌ ۵ ثَانِي عَطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا

کے پہلو روڑ کر چلتے ہیں تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے اس کے لئے دنیا میں

خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۹ ذَلِكِ بِمَا قَدَّمَتْ

ذلت ہے اور اس کو چکھائیں گے قیامت کے دن جلنے کا۔ عذاب (اس کو کہا جائیگا) یہ اس لئے کہ کیا ہے تیرے

يَدِكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۱۰ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبِدُ اللَّهَ

ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ بندوں پر ظالم نہیں ہے اور بعض لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کی

عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى

غیر یقینی پس اگر پہنچے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس پر اور اگر پہنچے اس کو آزمائش تو اٹا ہوتا ہے

رکھتا ہو جیسا کہ دور حاضر میں بعض سر پھرے۔ ٹھیکہ داران منہ و امین تو حید پروردگار کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور سر سے سے خدا کی خالقیت کو چیلنج کرتے ہوئے عوام کو شرک کا درس دیتے ہیں کہ خدا نے تو صرف محمد و آل محمد کو پیدا کیا باقی سب مخلوق کو انہوں نے پیدا کیا۔ پس اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج کے لئے علمائے حقہ پر قسم و قسم کے ناروا حملے کرنا ان کو وہابی کہنا اور مناظرہ کے لئے ملکانا ان کا شیوہ ہے۔ تعالیٰ اللہ عمالہ الشرکون۔

رکوع نمبر ۹

عَلَى حَرْفٍ - حرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی کنارے پر کھڑا ہوا انسان کمزور حالت میں ہوتا ہے کہ نہ اُس کو ثابت رہنے کا یقین ہوتا ہے اور نہ اُس حالت میں کسی کا مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ ہر وقت گرنے کا خطرہ اس کو لاحق رہتا ہے۔ اسی طرح بعض کمزور ایمان والے لوگوں کی حالت ہے کہ چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نچتے نہیں ہوتا اور ہر معمولی سے معمولی شبہ بھی اُن کے ایمان کی عمارت کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس کنارے پر کھڑے ہوتے انسان کی طرح اس کی عبادت بھی کمزور اور غیر یقینی ہوتی ہے کہ اگر اس کی توقع کے مطابق نحو شحمالی اور وسعت رزق اس کو حاصل ہو جائے تو اس کا دل مطمئن اور وہ اپنے ایمان سے راضی رہتا ہے لیکن اگر تھوڑی سی آزمائش اور تکلیف پہنچ جائے تو اس کا دل شکوک و شبہات کا منبع بن جاتا ہے۔ اور آخر کار اسے قدم وہ کفر و الحاد کی وادی میں جا گرتا ہے۔ ایسا شخص نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا۔ کیونکہ اس پر دنیاوی تنگی اللہ کی جانب سے آزمائش کے طور پر پہنچ گئی۔ اور دین سے خود اداہ دھو بیٹھا۔

يَدُّ عُوَالَمَيْنِ ۱۱۔ لام ابتدا۔ اس لام کا مشابہ نحو یوں کے نزدیک ایک معرکہ الآراء مقام ہے۔ کیونکہ لام جارہ اور لام امر کے علاوہ

وَجْهَةٌ خَيْرٌ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ⑪

اپنے منہ پر وہ دنیا و آخرت کے خسارے میں ہے۔ اور یہ واضح خسارہ ہے

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُ ط ذَلِكَ هُوَ

پکارتا ہے اللہ کے سوا اس کو جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع یہ ہی تو

الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ⑫ يَدْعُوا مَنْ ضَرَّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ط

سخت گمراہی ہے اور اس کو پکارتا ہے جس کا نقصان نفع سے زیادہ قریب ہے

لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ⑬ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا

القبۃ وہ برا معاون اور برا ساتھی ہے تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے

جو لام مفتوحہ معانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ان مخففہ کی خبر پر داخل ہوتی ہے (۲) فعل مضارع اور فعل ماضی پر داخل ہوتی ہے جب کہ وہ جواب قسم واقع ہو

۳۔ شرط پر داخل ہوتی ہے جب کہ جبراً کا اہتمام قسم پر ہو جس طرح لَيْسَ اَزْسَلْنَا رِيحًا فَاَزْوَاةٌ مُصَفَّرًا اَنْطَلُّوا۔ وہ اسما مبتدأ

پر داخل ہوتی ہے یا ان کے اسم و خبر پر یا فعل مضارع پر جب کہ حال واقع ہو۔ ابو علی کہتا ہے کہ اس لام کا خبر پر داخل کرنا بھی

ضرورت شعری کے ماتحت ہوتا ہے۔ حالانکہ غیر حقیقت میں عین مبتدأ ہوتی ہے۔ ورنہ حمل درست نہیں رہتا۔ مثلاً زَيْدٌ قَامٌ

میں قائم بعینہ زید ہے۔ بنا بریں موصول پر لام کو داخل کر کے صلہ مراد لینا ناجائز ہے کیونکہ صلہ عین موصول نہیں ہوتا۔ جس طرح

خبر عین مبتدأ ہوتی ہے۔ لہذا جن لوگوں نے آیت مجیدہ میں یہ کہا ہے کہ دراصل یہ لام صلہ پر داخل تھی اور اسے مقدم کر دیا گیا

ہے یعنی تقدیر عبارت یہ تھی۔ يَدْعُوا مَنْ لَضَرَّهُ أَقْرَبُ اَلْجَيْسَاكَ زَجَاجِ نَعَى كُوْنِي اَوْرِ بَصْرِي سَخْوِيُوْنِ كِي طَرْفِ بَغِيْرِ وَجْهِيَا ن

کے یہ قول منسوب کیا ہے درست نہیں بلکہ غلط ہے۔ پس اس کا حل یہ ہو گا کہ یا تو دوسرے یَدْعُوا کو پہلے یَدْعُوا کا تکرار کہا جائے

کیونکہ یہ فعل دُعا کثیر الوقوع ہے اور چونکہ پہلا یَدْعُوا متعدی استعمال ہو چکا ہے لہذا دوسرے کو متعدی کرنے کی کوئی ضرورت

نہیں ہے یا دوسرے یَدْعُوا کے بعد صا، ضمیر غائب کو محذوف مانا جائے جو اس کا مفعول ہو اور جملہ فعلیہ کو مذکور سے حال

قرار دیا جائے یا ذالک کو الذی کے معنی میں اسم موصول قرار دیا جائے اور هُوَ اَلْقَسْلُ الْبَجِيْدُ۔ کو اس کا صلہ بنا کر یَدْعُوا کا

مفعول مقدم قرار دیا جائے جس طرح مَا تَلَّكَ بِمَيْمِنِكَ يَا مُؤَسِّي اَيْنِ تَلَّكَ كُوَالَّذِي كِي طَرْفِ بَغِيْرِ وَجْهِيَا ن نے موصول

قرار دیا ہے۔ پس ان تینوں صورتوں میں یَدْعُوا کا ما بعد سے کوئی تعلق نہیں اور لام مبتدأ پر داخل ہے جو کہ مَن موصول ہے

# وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ حَرْمَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ

اور نیک عمل کرتے رہے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں تحقیق اللہ کرتا

يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۲﴾ مَنْ كَانَ يَمُنُّ أَنْ لَنْ تَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا

ہے جو چاہتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ اس (محمدؐ) کی دنیا و

اور بعد میں اس کا صلہ ہے اور صلہ و موصول بل کر محل رفع میں ہیں کیونکہ مبتداء ہیں اور لبس المسوئی میں لام کا مدخل اس کی خبر ہو گا۔ اور یہ لام جواب قسم ہے جسے لام یمین بھی کہا جاتا ہے۔ رہن نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ یدْعُوْا کا معنی یَقُولُ کیا جائے اور لام کا مدخل موصول اپنے صلہ کے ساتھ ل کر مبتداء ہو اور اس کی خبر مولانا مخدوم مانی جاسے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یدْعُوْا کو کُتِبَتْ کے معنی میں قرار دیا جائے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے شرک کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی لیکن حضرت محمد مصطفیٰ کی ان کو معرفت حاصل نہ ہوئی۔ پس وہ اللہ کی عبادت شک کی صورت میں کرتے ہیں اور حضرت رسالت مآب کے متعلق وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کی برکت سے ہمارے مال زیادہ ہونے جسم میں تندرستی رہی اللہ اولاد عطا ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا رسول ہے ورنہ پھر سوچیں گے۔ انہی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اگر اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی تکلیف یا غیر متوقع صورت پیش آئے تو شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کو پکارنے لگتے ہیں جن کا نقصان نفع سے قریب تر ہے بلکہ نفع ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَحْسَبُ أَنَّ اللَّهَ لَا يَنْزِلُ فِي السَّمَاوَاتِ أُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ۔ چونکہ جناب رسالت مآب کی ہر مقام پر اللہ مدد فرماتا ہے اور آپ جس طرف کا رخ کرتے کامیابی و کامرانی آپ کے لئے چشم براہ ہوتی تھی تو کافر و منافق طبع لوگوں کی طبیعتوں پر بوجھ پڑتا تھا۔ پس ان کی تذلیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر کسی کو میرے پیارے رسول کا کامیاب و کامران ہونا ناگوار ہے اور وہ اپنے غم و غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ بس اب خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ کمر ہمت باندھ کر میری مدد کے راستوں کو روک لے چنانچہ آسمان پر کند ڈال کر اوپر جانے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اپنی انتہائی کوشش کے بعد تھک کر بیٹھ جائے یا انہی کوششوں میں مر جائے اور نتیجہ میں دیکھے کہ کیا اس کی جیلہ سازیاں اور مکاتیب میرے جیب کا کچھ بگاڑ سکیں۔ گویا اللہ کی طرف سے چیلنج ہے کہ تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ لیکن میرے رسول کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ نصرت پروردگار بذریعہ وحی یا امداد اللہ کی جانب سے ہی آتی ہے اس لئے آسمان کا ذکر کیا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا صَلَوا، یعنی بروز محشر مومنوں اور کافروں کے تمام گروہوں کے درمیان فیصلہ ہو گا۔ مجوسی بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق پوری تحقیق نہیں ہو سکی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی محارم کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

وَالْآخِرَةُ فُلَيْمِدُ دَسِبَبِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لَيَقَطَعُ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يَذْهَبَنَّ

آخرت میں پس لبا کرے اپنا رستہ آسمان کی طرف پھر ختم کر دے پس دیکھے کیا دور کر سکتا ہے اس کا

كَيْدُهُ مَا يَعِظُنَا ⑮ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي

میلہ اس چیز کو جس سے وہ غصہ کرتا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو آثار و واضح آیات اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے

مَنْ يُرِيدُ ⑯ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصْرِي

جسے چاہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ پیروی ہوئے اور صابئی اور نصرانی

وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور مجوسی اور جو مشرک ہوئے تحقیق اللہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑰ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ

تحقیق اللہ ہر چیز پر حاضر ہے کیا تم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالنَّاسُ وَكَثِيرٌ مِمَّنْ لَا يَشْعُرُ

اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے رگ بھی اور بہت سوں پر

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ یعنی علوی و سفلی تمام مخلوق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ارباب عقول کا سجدہ تشریحی ہے جو اپنے اختیار سے سجالاتیں۔ اور ان کی ہیئت مخصوصہ اور اپنی تمام امور میں بے بسی اور اس کے ارادہ و مشیت کے سامنے بے چارگی ان کا سجدہ تکوینی ہے اور باقی مخلوقات ارضی و سماوی مثلاً چاند، سورج، ستارے اور دریا پہاڑ وغیرہ کا سجدہ سجدہ تکوینی ہے کہ قدرت خداوند کے سامنے وہ ہر وقت سرنگوں ہیں۔

كَثِيرٌ مِمَّنْ لَا يَشْعُرُ اس مقام پر ان کا سجدہ تشریحی مراد ہے کہ بہت سے بندے اپنے ارادہ و اختیار سے توجید پروردگار کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔

حَقُّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ

ثابت ہے عذاب اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کون عزت دے سکتا ہے تحقیق اللہ

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿١٨﴾ هَذَانِ خَصْمٌ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ

کرتا ہے جو چاہتا ہے ان دو گروہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس جو کافر

كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ تَارٍ طُيِّبَتْ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمْ

ہیں کاٹے جائیں گے ان کے کپڑے آگ سے کہ پٹنا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا

الْحَمِيمِ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ وَلَهُمْ

پانی کہ پگھل جائے گا اس کے ذریعے سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور ان کے

مَقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

لئے گرز ہونگے وہ سے جب اس سے نکلنا چاہیں گے تکلیف کی وجہ سے

مِنْ غَمٍّ أَعِيدُوا فِيهَا وَذُقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾

تو اس میں پٹائے جائیں گے اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلنے کا عذاب

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے بہشتوں میں

حَقِّ عَلَيْهِ - یعنی بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے خالق سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اور وہ اس کے سامنے

جھکنے سے انکاری رہتے ہیں پس ان پر عذاب حق ہو چکا ہے۔

هَذَانِ خَصْمٌ - یعنی مومنوں اور کافروں کے دو گروہ آپس میں توجید کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں اور مسلمانوں کے

مقابلہ میں تمام گروہ باوجود اختلاف عقائد کے ایک گروہ کے شمار میں ہیں کیونکہ کلمہ کفر سب پر صادق آتا ہے۔ مثلاً انصار

کہتے تھے کہ ہم لوگ رب کے زیادہ قریبی ہیں۔ کیونکہ ہمارا نبی تم سے پہلے تھا اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم رب کے پیارے



ہیں کہ ہم تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم لوگ حسد و کدورت کی بنا پر ہمارے نبی کی تصدیق نہیں کرتے۔  
مَقَامِ جَمْعٍ ہے مجمع کی یعنی لوہے کا ہتھوڑا یا گرز۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جہنم کے گرزوں میں سے ایک گرز اگر زمین پر رکھا جائے اور پھر تمام جن و انسان مل کر اسے اٹھانا چاہیں تو وہ اتنا وزنی ہو گا کہ یہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ آگ کے شعلے جب دوزخیوں کو اوپر کی سطح پر اٹھلائیں گے تو ان کے سروں پر وہ گرز مارے جائیں گے پس ستر خریف کی مسافت سے وہ نیچے چلے جائیں گے۔ (بعض روایات میں ستر سال منقول ہے) جب تہ پر پہنچیں گے تو جہنم کے شعلے پھر ان کو اوپر کی طرف ابھاریں گے اور اسی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

تفسیر صافی و سلمان میں بروایت قوی منقول ہے ایک مرتبہ ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اسے فرزند رسول میرا دل سخت ہو گیا ہے  
**عذاب جہنم کا ایک منظر**  
دیکھ موعظ فرمائیے اور مجھ کو خوفِ خدا یاد دلائیے۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے محمد ایک لمبی زندگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جبریل ایک مرتبہ حضور کے پاس تلخ چہرے کے ساتھ حاضر ہوا حالانکہ وہ بالعموم مسکراتا ہوا آیا کرتا تھا۔ آپ نے تلخی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میں ابھی آگ کی پھونکنیاں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ تو کہنے لگا کہ پروردگار کی جانب سے آتش جہنم کو بھگانے کا حکم ہوا تو ایک ہزار سال تک اس کی آگ کو پھونکا گیا یہاں تک کہ سفید ہو گئی۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد وہ سرخ ہو گئی۔ پھر تیسری مرتبہ ایک ہزار سال کے بعد وہ سیاہ ہو گئی۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جہنمیوں کے پانی میں سے ایک قطرہ اگر دنیا کے پانی میں مل جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل زمین مرجائیں گے۔ جہنم کے زنجیر جو ستر ستر ہاتھ لمبے ہیں۔ ان کی ایک کڑی اگر دنیا میں ظاہر ہو جائے تو ساری دنیا اس کی حرارت سے پگھل جائے گی اور اگر کسی دوزخی کی ایک قمیص زمین و آسمان کے درمیان لٹکانی جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل دنیا مرجائیں گے۔ یہ سن کر حضور پر گریہ طاری ہوا اور جبریل بھی ساتھ رونے لگا تو فرما ایک دوسرا فرشتہ جناب پروردگار سے نازل ہوا کہ خداتم دونو کو بعد سلام کے فرماتے ہے کہ تم کو گناہوں سے میں نے محفوظ کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اسی کے بعد کبھی جناب رسالت مآب کو کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا دوزخی دوزخ کو بڑا سمجھتے ہیں اور جنتی جنت کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اور جب جہنمی کو اوپر کے کنارے سے جہنم میں گرایا جائے گا تو ستر سال کی مسافت کے برابر گہرائی تک چلا جائے گا اور جب پھر اوپر آئے گا تو لوہے کے گرزوں سے اس کے سر پر مار پڑے گی۔ پس وہ پھر تہ تک چلا جائے گا جس طرح آیت مجیدہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ درود تکلیف سے اوپر کو ابھریں گے تو لوہے کے گرزوں سے ان کو مارا جائے گا اور چھڑے چل جانے کے بعد تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ پس آپ نے فرمایا اسے ابو بصیر اتنا کافی ہے یا کچھ اور بھی بیان کروں تو وہ کہنے لگا حضور اسی قدر کافی ہے۔

اور تفسیر برہان میں ابن طاووس کی روایت کے مطابق جبریل نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے برحق

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَجْلُونَ فِيهَا مِنْ آسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے اس میں لنگن سونے کھاور موتیوں

وَلَوْ لَوْ طَّوَّأَوْ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدًى إِلَى الطَّيِّبِ

کے اور ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا اور بھیجے جائیں گے طرف عمدہ باتوں

مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهُدًى إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ

کے اور بھیجے جائیں گے طرف اللہ کے راستہ کے جو حمید ہے تحقیق جو لوگ

بنی مبعوث کیا ہے کہ اگر سورخ سوزن کے برابر آتش جہنم کی حرارت کو زمین کی طرف راستے سے تو سب کے سب انسان اس کی گرمی سے تڑپ کر مرجائیں گے اور اگر ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر زمین پر بھیجا جائے تو اہل زمین اس کو دیکھ کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اس کے زنجیر کو صرف ایک ہاتھ کے برابر دنیا کے تمام پہاڑوں پر رکھا جائے تو سب دنیا کے پہاڑ پگھل جائیں گے اور اگر کسی دوزخی کا کوئی کپڑا دنیا پر ظاہر کیا جائے تو سب اس کی بدبو سے مرجائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے قسم کھا کر حضور نے فرمایا: اگر قوم کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑ زمین میں دھنسا جائے تو کیا حال ہوگا اس بندے کا جس کی یہ خوراک ہوگی اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ضلین کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ٹپکے تو تمام پہاڑ اس کو برداشت نہ کر سکیں گے تو کیا حال ہوگا اس کا جس کو پینے کے لئے وہی ملے گا۔ اسی طرح ایک گرز اگر پہاڑوں پر رکھا جائے تو اس کے وزن سے تمام پہاڑ زمین دوز ہو جائیں گے تو کیا حال ہوگا اس کا جس کے سر پران کی مار پڑے گی۔ اور ایک روایت میں ہے جہنمیوں کی حالت یہ ہوگی کہ اوپر کا ہونٹ بلند ہو کر سر کے برابر آجائے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ العیاذ باللہ

حَسْبُكَ خَدَاوَنَدِ كَرِيمٍ نَعَى دُنْيَا فِي رِشْمِي لِبَاسٍ مَرْدُونٍ بِحَرَامٍ كَيْفَا هِيَ أَوْ جَنَّتْ

رُكُوعٌ نَسْبَرُ الْجَنَّةِ كَالْقَصُورِ

میں اس لباس کی پیش کش فرمائی ہے۔ وہاں ہر قسم کی زینت سے مزین ہو کر نعمات پروردگار میں عیش و آرام کی دائمی زندگی ہوگی وہاں نہ لغویات نہ فضول گیس اور نہ دل آزار آوازیں ہوں گی بس پیار و محبت کے لہجے میں جنتی لوگ آپس میں ہمکلام ہوں گے اور بعض اوقات فرشتوں کے ساتھ بھی تہنیت و سلام سے ملاقاتیں ہوں گی۔ اور اسی کو طیب قول کہا گیا ہے۔

حمید کا معنی ہے قابل حمد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سے مراد ذات پروردگار ہے۔ نیز اسلام اور جنت بھی مراد لئے گئے ہیں اور تفسیر اہل بیت میں ہے کہ یہ آیتیں بالخصوص حضرت حمزہ، جعفر طیار، عبیدہ، سلمان، ابوذر، مقداد بن اسود اور عمار

كُفِرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کافر ہیں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور مسجد الحرام سے

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفِ فِيهِ وَالْبَادِطِ وَمَنْ

جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا کہ اس میں مقامی اور دیہاتی برابر ہیں اور جو ارادہ

کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور حمید سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ ایک روایت میں حمید سے مراد ولایت ہے (صافی)  
تفسیر صافی میں بروایت قحی منقول ہے کہ ابو بصیر کی خواہش پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جنت کی تعریف فرمائی  
کہ کم از کم نعمات جنت میں سے یہ ہے کہ اس کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے سونگھی جاسکے گی۔ اور معمولی جنتی کامکان  
اس قدر وسیع ہوگا کہ تمام جن و انسان اگر اس کے ہاں مہمان ہوں تو سب کے لئے کافی ہوگا اور ان کے کھانے پینے کے بعد پورا  
معلوم ہوگا کہ کسی نے کچھ نہیں کھایا اور کم از کم بہشتی کے لئے تین درجے ہوں گے جب پہلے درجے میں پہنچے گا تو اس میں غلام  
کینزیں نہیں اور سیوہ جات اس قدر دیکھے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور دل باغ باغ ہوگا۔ پس شکر پروردگار بجالائے گا۔  
پھر حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اپنا دوسرا درجہ دیکھو۔ چنانچہ جب اس باغ کی طرف نظر کرے گا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ نعمات کی اس میں  
فراوانی پائے گا۔ پس اس میں داخل ہو کر شکر پروردگار بجالائے گا۔ تو حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اوپر دیکھو۔ جنت الخلد پر اس کی نظر پڑے گی  
تو پہلے دو نوبانات سے کئی گنا زیادہ نعمات کو ملاحظہ کرے گا پس سر و دل سے خدا کے شکر میں رطب اللسان ہوگا۔ آگے چل کر  
آپ نے فرمایا مومن کو آٹھ سو کنواری اور چار ہزار شیب حوریں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ دو حور العین خدا عطا فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ ان  
کی تخلیق جنت کی نورانی مٹی سے ہوگی۔ الخیر لمحضاً

الَّذِينَ كَفَرُوا آيَةٌ فِي مِصْرٍ كَمَا بَدَأْنَا فِي آيَاتِنَا لِقَوْمٍ كَافِرِينَ  
یعنی جنہوں نے کفر کیا اور راہِ خدا سے اور مسجد الحرام سے لوگوں کو روکا۔

جَعَلْنَاهُ۔ اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جس کو ہم نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔  
الْعَاكِفِ۔ عاکف کا معنی مقیم یعنی وہاں کا باشندہ اور بادی سے مراد جو بیرون جات سے حج کے لئے حاضر  
ہو۔ اس کا مادہ بدو ہے جو حضر کے مقابلہ میں ہے۔

بِالْحَادِ الْحَادِ کا معنی ہوتا ہے راہِ حق سے کنارہ کشی اور اس جگہ بار بارہ زائدہ ہے۔ خداوند کریم نے حدودِ حرم کے  
اندر کے حصہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ وہاں کوئی کسی پر دست درازی کرنے کا مجاز نہیں حتیٰ کہ وہاں شرعی حد بھی کسی مجرم پر جاری  
نہیں کی جاسکتی، البتہ جو شخص حدودِ حرم کا جیانہ کرے اور جرم کا ارتکاب حرم کے اندر کرے تو اس کو سزا بھی حدودِ حرم  
کے اندر دی جاسکتی ہے۔ اور اسی حکم سے متعلق آیت مجیدہ میں ہے۔ مَن يَسُدِّ الْحَائِزَ يُعَذِّبْهُ اللَّهُ تَعَذُّبًا لِّمَن لَّمْ يَأْمُرْ بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ  
یعنی جو حرم کے اندر الحاد یعنی حرم کے اندر الحاد یعنی راہِ حق سے

يُرْدِفِيهِ بِالْحَادِ يُظْلِمُ نَدَقَهُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ ۝ (۲۵) ۱۷

کرے گا اس میں خلافت حق ظلم کا تو چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب اور جب

بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَ

ٹھکانا دیا ہم نے ابراہیم کو اپنے گھر کا مکان (اور حکم دیا) کہ نہ شرک کر میرے ساتھ کچھ اور

طَهَّرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ (۲۶)

پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنیوالوں کے لئے

تجاوز کر کے ظلم کا ارتکاب کرے اس کو سزا دی جائے گی۔

آیت مجیدہ صاف اعلان کر رہی ہے کہ مکہ کی زمین میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں نہ اس کی چمک کی زمین کو بچپنا جائز ہے اور نہ اس کا کرایہ لینا جائز ہے بلکہ سب مسلمان اس میں برابر رہ سکتے ہیں اور احادیث میں ہے پہلے مکہ کے گھروں میں دروازے بھی نہیں ہوا کرتے تھے باہر سے آنے والا آزادانہ کسی کے گھر میں رہ کر فرائض حج ادا کر کے واپس چلا جاتا تھا اور مسلمانوں میں پہلا شخص معاویہ ہے جس نے مکہ میں اپنی رہائش گاہ کے لئے دروازہ بنایا۔ (ربیعان)

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ ان کے حق میں ہے جنہوں نے حدیبیہ کے سال رسول خدا کو مکہ سے روکا تھا

(مجمع)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِبَعْضِ الْمَفْتِسِينَ نَبِيًّا كَمَا مَعْنَى نَشَانْدِهِ كَرْنَا بِبَيَانِ كَيْفَ هُوَ۔ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۝ (۲۷) ۱۷

بیت اللہ و کعبہ کے مکان کی جگہ بتائی۔ کیونکہ جب تعمیر کعبہ کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم ۴ حیران تھے کہ کس جگہ اس کی بنیاد رکھی جائے۔ پس بحکم پروردگار ایک تیز اہوا چلی جس نے اوپر سے مٹی کو اڑا کر ہر چار طرف سے کعبہ کی اصلی بنیاد کو ظاہر کر دیا جس پر طوفان نوح سے پہلے وہ بنا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بادل کو بھیجا جو کعبہ کی اصلی بنیادوں کی سیدھ میں گر گیا اور بقدرت خداوندی اس نے کلام کیا کہ میرے برابر زمین پر کعبہ کی بنیاد رکھئے۔

وَأَنْ لَا تُشْرِكْ ۝ (۲۸) یعنی یہ کہ میری توحید کو بیان کرو کیونکہ عدم شرک کا لازم معنی توحید ہے۔

طَهَّرَ۔ چونکہ اس جگہ مفہوم دو ہیں (۱) دفع نجاست (۲) دفع نجاست۔ کیونکہ شے کے نجس ہو جانے کے بعد اس کو پاک کرنا دفع نجاست ہے اور سرے سے اس کو نجس ہونے سے بچانا اور نجاست کو اس کے قریب نہ آنے دینا دفع نجاست ہے اور تطہیر ان دونوں معنوں پر صادق آتی ہے۔ لیکن اس مقام پر صرف دفع نجاست کا مفہوم مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تَوَكُّبًا رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ

اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا آئیں گے تیرے پاس پیدل اور ہرگزور سواری پر

يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٤﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ

(سوار ہرگزور) جو آئیں گی دور دراز راستوں سے تاکہ حاضر ہوں وہ اپنے نفع کے مقام پر

وَيَذِّكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي آيَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ

اور ذکر کریں اللہ کا نام معلوم دونوں میں اوپر رنویج یا خرا ان

کعبہ پاک تھا اور اس کے پاک رکھنے اور اس سے آنے والی نجاست کو دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ شخص تھا اور اس سے نجاست کے دور کرنے اور اس کے پاک کرنے کا اب حکم دیا جا رہا تھا جس طرح آیت تطہیر میں بھی محمد و آل محمد کا پاک رکھنا دفعِ رجس (مراد ہے نہ کہ پاک کرنا دفعِ رجس)

بَلَطًا لِّبَيْنِهِمْ ۖ تَفْسِيرُ صَافِي فِي بَرَايَةِ كَافِي حَضْرَتِ اِمَامِ جَعْفَرِ صَادِقِ عَلِيهِ السَّلَامُ سَے مَنقُولُ ہِے كَہ كَعْبَةِ كَے اَرْدِ كَرْدِ اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں جن میں سے ساٹھ صرف طواف کرنے والوں کے لئے ہیں چالیس نمازیوں کے لئے ہیں اور باقی بیس کعبہ کے زواروں کے لئے ہیں۔

أَذِّنْ ۖ اس خطاب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیم ؑ کو خداوند کریم کی جانب سے حکم پہنچا کہ حج بیت اللہ کے لئے اعلان کرو اور لوگوں کو حج کی دعوت عام دو۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد میں اعلان کیا اور دوسرا یہ کہ خطاب حضرت رسالت مآبؐ کو ہے۔ پس آپ نے حج الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا اور لوگوں کو وجوب حج اور اس کی اہمیت اور اس کے اعمال سے آگاہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ باذن پروردگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز قیامت تک آنے والی ہر اس روح نے سنی جن کے لئے علم ازلی پروردگار میں حج کرنا مقرر تھا۔ جس طرح حضرت سلیمان ؑ نے باوجود انتہائی بلندی اور لشکری شور و غل کے زمین پر دھیمی اور خاموش آواز سے بولنے والی ایک چیونٹی کی آواز سن لی اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کو ابوہریرہ پر چڑھے اور کالوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے اعلان حج فرمایا۔ پس لوگوں کی پشتوں میں ہونے والوں نے بھی لیک کیا اور اس دعوت کو قبول کرنے میں اہل یمن نے پہل کی۔

تفسیر بہان میں تفسیر تہی سے منقول ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیم ؑ کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی اسے پروردگار میری آواز لوگوں تک کس طرح پہنچے گی؟ تو ارشاد قدرت ہوا

اعلان کرنا تیرا کام ہے اور آواز کا ہر کان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ اس وقت مقام ابراہیمؑ بالکل بیت اللہ سے متصل تھا۔ پس آپ مقام پر سوار ہوئے اور وہ اس قدر بلند ہوا کہ مکہ کے تمام پہاڑ اس سے پست نظر آنے لگے۔ پس کان میں انگلی ڈال کر آپ نے مشرق و مغرب کی طرف رُمخ پھیر کر اعلان فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج واجب کی گئی ہے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر کے بیت اللہ کی طرف آؤ۔ پس لوگوں نے مشرق و مغرب سے گویا پوری زمین کے طول و عرض اور منتہائے آبادی سے آپ کی آواز پر لبیک کہی۔ حتیٰ کہ دریاؤں اور سمندروں کی تہوں سے مردوں کی پشتوں سے اور عورتوں کی رحموں سے بھی لبیک کی آواز آئی۔ لہذا جس قدر لوگ قیامت تک حج کے شرف سے مشرف ہوں گے وہ وہی ہیں جن کے ارواح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہہ چکے ہیں اور مروی ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے زنا کیا اور خدا نے ان کو پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا۔ پھر قریشیوں نے ان کو بت بنا کر پوچھا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے سال یہ سلسلہ ختم ہوا۔

اور دوسرے قول کے ماتحت بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور اس دوران میں حج نہ کر سکے۔ پس آیت مجیدہ اتری تو لوگوں تک اعلان خداوندی پہنچانے کے لئے آپ نے موزین کو حکم دیا کہ ہم اس سال حج بیت اللہ کو جائیں گے۔ پس شہریوں اور دیہاتیوں نے اعلان سنتے ہی تیار ہونا شروع کر دیں۔ چنانچہ آپ ایک جم غفیر اور تعداد کثیر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے جب کہ ماہ ذی قعدہ سے چار دن گزر چکے تھے جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو زوال آفتاب کا وقت تھا آپ نے غسل فرمایا اور مسجد شجرہ سے احرام باندھ لیا۔ پس نماز ظہر ادا کی اور روانہ ہو گئے آپ نے حج افراد کی نیت کی اور ۶۶ یا ۶۷ قربانیاں ساتھ لیں چنانچہ ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے طواف کیا اور دو رکعت نماز طواف پڑھی۔ حجر اسود کا بوسہ لیا اور صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کی چونکہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مشرکین مکہ کی رسوم میں سے ہے اس لئے آیت نازل ہوئی کہ یہ دونوں اللہ کے شعائر ہیں۔ ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ابھی جبریل یہ حکم لایا ہے۔ اگر میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں اسی طرح کرتا حج افراد کی بجائے حج تمتع کرتا کہ جو لوگ قربانی اپنے ساتھ نہیں لائے۔ وہ احرام سے فارغ ہو جائیں و تقصیر کر لیں تاکہ یہ عمرہ ہو جائے اور حج کے لئے علیحدہ احرام آٹھویں ذوالحجہ کو باندھ کر جانا ہوگا ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم حج کے لئے ایسی حالت میں نکلیں کہ ہمارے سروں اور بالوں سے غسل جنابت کا پانی ٹپک رہا ہو؟ آپ نے جھٹک کر فرمایا کہ تو اس پر قطعاً ایمان نہ لائے گا۔ پس فوراً ایک شخص سراقبن مالک نے عرض کی حضورؐ! آپ ہمیں دین سکھائیے یوں گتا ہے کہ ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ کیا آپ کا یہ ارشاد گرامی صرف اسی سال کے لئے ہے یا آئندہ کے لئے بھی یہی حکم نافذ رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے ہو گا پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا کہ اب قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام میں سے تشریف لائے۔ جب خاتون جنت کے پاس پہنچے تو آپ کا لباس رنگدار اور خوشبو کی مہک محسوس کر کے محو حیرت ہوئے کیونکہ بی بی عالیہ احرام کھول چکی تھیں۔ پس دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو جواب دیا کہ حضورؐ نے ایسا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس آپ خدمت نبویؐ میں پہنچے اور جناب فاطمہؑ کے احرام کھولنے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہی یہی حکم دیا ہے لیکن بتائیے تم نے کس طرح احرام باندھا ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا میں نے ویسے احرام باندھا ہے جس طرح آپؐ نے احرام باندھا ہے تو آپ نے فرمایا تم احرام نہ کھولو جس طرح میں نے نہیں کھولا۔ پس تو قربانی میں میرا شریک سے۔ حضورؐ مع اصحاب مکہ سے باہر کھلی فضا میں سکون پذیر تھے پس آٹھویں ذوالحجہ ترویہ کے دن زوال کے وقت لوگوں کو غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا پھر سب وہاں سے روانہ ہو کر منیٰ میں پہنچے۔ ظہر و عصر و مغرب و عشاء و صبح کی نمازیں منیٰ میں ہیں پڑھیں پھر نویں کو آگے کی طرف چل دیئے۔

اس سے پہلے قریشیوں کا دستور تھا کہ وہ مزدلفہ سے افاضہ کرتے تھے (یعنی وہاں وقوف کر کے واپس منیٰ کی طرف پلٹتے تھے) اور ہاتی لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اب ان کا خیال تھا کہ حضورؐ بھی ہماری طرح سے ہی افاضہ کریں گے۔ ادھر سے آیت نازل ہوئی۔ ثُمَّ اَفِضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ یعنی تم اس جگہ سے افاضہ کرو جہاں سے ابراہیمؑ و اسمعیلؑ و اسحقؑ وغیرہ افاضہ کیا کرتے تھے۔ پس آپ جب وہاں سے آگے بڑھے تو قریش نے اس کو بہت محسوس کیا لیکن آپؐ پرواہ نہ کرنے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپؐ بطن عرفہ میں اراک کے بالمقابل مقام نمرہ پر پہنچے اور وہاں خیمہ نصب کر دیا۔ اور لوگوں نے ارد گرد اپنے خیمے نصب کر لئے۔ زوال آفتاب کے وقت آپ نے غسل فرمایا اور بیک کہنا ختم کر دیا۔ مسجد میں پہلے وعظ فرمایا پھر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ظہر پڑھا اور اپنی موقوفہ میں وقوف فرمایا۔ لوگ آپ کی سواری کے ارد گرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا صرف میری ناقہ کی قدم گاہ جائے وقوف نہیں بلکہ ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ سب کا سب موقوف ہے جہاں چاہو وقوف کر لو۔ پس غروب آفتاب تک لوگوں نے وقوف کیا اور دعائیں مانگتے رہے۔ پس غروب کے بعد مزدلفہ یعنی مشعر الحرام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر نماز مغرب و عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کر کے پڑھا۔ اور نماز صبح بھی وہاں پڑھی۔ کمزور آدمی نماز صبح سے پہلے روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کو حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پہلے حجرہ عقبہ کو کنکرے نہ مارنا۔ پس آپؐ دن چڑھے دوسرے حاجیوں کے ہمراہ منیٰ میں گئے اور حجرہ عقبہ کو سنگ ریزے مار کر قربانیاں کیں۔ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ سخر کے اور حضرت علیؑ نے ۳۴ اونٹ سخر کئے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ ہر قربانی سے ایک ایک بوٹی لی جائے۔ چنانچہ ان کو بانڈی میں پکایا گیا۔ آپ نے اور حضرت علیؑ نے تناول فرمایا۔ اور کچھ شوربا پی لیا۔ قربانی کے اونٹوں کے چمڑے اور دیگر سامان یعنی پالان وغیرہ سخر کرنے والوں کو نہ دیا بلکہ سب کو صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد حلق کر کے مکہ میں تشریف لائے طواف بیت اللہ کر کے دوبارہ منیٰ میں پلٹ گئے۔ ۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ تک وہاں رہے۔ (ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے) ہر روز حجروں کو سنگ ریزے مارتے رہے اور ۱۳ ذوالحجہ کو رمی کرنے کے

بعد واپس آگئے۔ حضرت عائشہ نے الگ عمرہ کرنے کی خواہش کی تو آپ نے اس کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ وہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر آئی اور اعمال عمرہ بجلائی۔ اس کے بعد حضور نے واپسی کا سفر شروع فرمایا۔ (ملخصاً)  
 رَجَالًا جمع ہے راجل کی جس طرح قیام قائم کی جمع ہوا کرتی ہے اور اس کا معنی ہے پایادہ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ابن عباس اپنے بیٹوں کو پیدل حج کرنے کا حکم دیتے تھے وہ کہتے تھے میں نے رسالت مآب سے سنا ہے کہ سوار حاجی کو سواری کے ہر قدم کے بدلہ میں ستر نیکوں کا ثواب ملے گا اور پیدل حاجی کو اپنے ہر قدم کے بدلہ میں سات سو نیکوں کا ثواب ملے گا جو حرم میں کی جائیں۔ کسی نے پوچھا کہ حرم کی نیکوں کی وضاحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ حرم کی ایک نیکی باقی مقلات کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوا کرتی ہے

اس میں اختلاف ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر۔ بعض علماء سوار ہو کر حج کرنے کو افضل

قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جانی و مالی دونوں قربانیاں آجاتی ہیں۔ لیکن اکثر کے نزدیک پیدل حج کرنا افضل ہے اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جس کا رخیر میں مشقت زیادہ ہو اس کا درجہ قرب زیادہ ہوتا ہے۔ نمینہ قرآن مجید میں لفظی تقدیم بھی اس کی افضلیت کی موید ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا پایادہ حج کرنا تواتر سے منقول ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ۲۵ حج پایادہ کئے۔ حالانکہ سواریاں بھی ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھیں۔

وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ ضَامِرٌ كَمَا مَعْنَىٰ هُوَ كَمُرٌّ كَيُؤَدُّ طَوْلَ سَفَرِكِ وَجْهَ سَاحِيوِي كِي سَوَارِيَا كَمُرٌّ هُوَ كَمَكَّةَ فِي سَنِيَّتِي تَحِيَا  
 تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ خدا اہل عرفات کے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دُور دراز کا سفر کر کے ایک باس میلے اور چہرے گرد سے اٹے ہوئے ہیں میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ان بندوں کی دعاؤں کو قبول کیا اور ان کی حاجات کو پورا کیا اور ان کے نیکوں کی برکت سے ان میں سے بدکاروں کو معاف کیا۔ اور نیک عمل کرنے والوں کو وہ سب کچھ عطا کیا جو وہ طلب کریں سوائے ان حقوق کے جو ان کے آپس میں ہیں پس جب لوگ عرفات سے چل کر مشعر الحرام میں پہنچتے ہیں اور عجز و انکساری سے پھر دعا و مناجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میرے بندے پھر وقوف کر کے میری طرف متوجہ ہوئے ہیں اور مجھ سے مانگ رہے ہیں۔ پس میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کی دعا مقبول اور حاجت پوری ہے۔ ان کے بدکاروں کے لئے معافی ہے اور نیکوں کو سب کچھ عطا کروں گا جو مانگیں گے اور ان کے باہمی حقوق کا کفیل بھی میں خود بن جاؤں گا۔

لَيْشَ هَدُوا۔ اس مقام پر بعضوں نے منافع سے مراد تجارتی فائدے لئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ تجارتی نقطہ نظر سے جگہ کافی فائدہ حاصل کر کے پٹتے ہیں اور بعضوں نے ذبیحی و آخری دونوں فائدے مراد لئے ہیں۔ کہ دنیاوی لحاظ سے تجارتی فائدہ اٹھائیں اور آخری لحاظ سے بخشش گناہ کا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن آل محمد کے نزدیک اس مقام پر صرف آخری فائدہ مراد ہے۔ جس طرح کہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف یہی قول



# مَا رَزَقْنَهُمْ مِنْ بَيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَ

جانوروں کے جو خدا نے ان کو رزق دیا پس کھاؤ ان کے گوشت سے اور

## أَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لِيَقْضُوا

کھلاؤ بھوکے محتاج کو پھر پلورا کریں اپنے

منسوب ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے شیعوں سے فرمایا کہ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے اہل و عیال اور مال و منال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حج کی اغراض و غایات بہت سی ہیں، اول اللہ کی طرف یعنی اللہ کے گھر کی طرف اس کا مہمان بن کے جانا اور اس سے طلب کرنا (۲)، اپنی کی ہونی، برائیوں سے گیز کرنا تاکہ گذشتہ سے تائب ہو جائے اور آئندہ کے لئے اس سے بچنے کا عہد کرے (۳)، مال کا خرچ کرنا (۴)، جسمانی قربانی (۵)، اپنے آپ کو خواہشات و لذات سے بچانا۔ اور نفس پر کنٹرول کرنا (۶)، خشوع و خضوع اور عاجزی و زاری سے عبادت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا (۷)، گرمی و سردی یا امن و خوف کی ہر دو حالتوں میں اپنے اوپر ضبط رکھنا (۸)، اجتماع کے لحاظ سے نبی آدم کے لئے تمدن کا عمومی فائدہ (۹)، گناہوں سے ڈر اور نیکوں کا شوق (۱۰)، سخت دلی اور جسارت سے گریز کرنا (۱۱)، اللہ کے ذکر سے غفلت اور نا اُمیددی کا ترک کرنا (۱۲)، حقوق اللہ اور حقوق الناس اور حقوق نفسیہ کی خبر گیری (۱۳)، فساد سے بچنا (۱۴)، مشرق و مغرب اور خشکی و تری سے آنے والے مہاجروں اور مسافروں کو تجارتی فوائد (۱۵) اور دنوں کے بسنے والوں کے لئے اکثر مشکلات کا دفعیہ اور حاجات براری (۱۶) ایک روایت میں ہے فقہ حاصل کرنا اور اخبار آمد کو نقل کر کے دور دراز کے شیعوں کو پہنچانا اور فائدہ زمان آئے تک کے لئے ہے۔

بہر کیف سفر حج میں اور اعمال حج میں روحانی و جسمانی و نبوی و اخروی ہر قسم کے فوائد موجود ہیں جن کے حاصل کرنے اور مشاہدہ کرنے کی دعوت ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین  
حسب ضرورت حج کے مفصل احکام تفسیر کی تیسری جلد میں گزر چکے ہیں۔

فی آیام معلومات۔ تفسیر بران میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیام معلومات اور آیام معدودات دونوں کا مفہوم ایک ہے اور وہ آیام تشریحی ہیں یعنی ذوالحجہ کی دسویں اور تین دن بعد والے (۱۱-۱۲-۱۳) اور بعض مفسرین نے اس مقام پر ذکر سے مراد تکبیروں کی ہیں جن کا عید قربان کی ظہر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی صبح تک ہر نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر واللہ اکبر علی ما ہدانا والحمد للہ علی ما ابلانا واللہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام۔ اور بھیمہ کا لفظ ابہام سے ہے۔ چونکہ یہ بول نہیں

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۱۹﴾

مناسک کو اور وفا کریں اپنی نیتوں کو اور طواف کریں بیت اللہ کا جو قدیم سے ہے

ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْ حُرْمَةَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ

یہ (ہیں حج کے اعمال) اور جو تعظیم کرے اللہ کی مخصوص چیزوں کی تو اس کے لئے بہتر ہے اپنے رب کے نزدیک

وَأَجَلَتْ لَكُمْ الْأَعْمَارُ مَا يَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا

اور حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے سوائے ان کے جو بیان کئے گئے ہیں پھر

سکتے۔ اس لئے ان کو ہیمہ کہا جاتا ہے۔

فَتَلْيَقْضُوا صَلَاتَهُم - اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو تحت اللفظ مذکور ہے (۲) وہ اپنی میل کچیل کو دور کریں یعنی حجامت کرائیں اور غسل کر کے کپڑے پہن لیں (۳) احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے کنایہ کیا گیا ہے۔ (۴) تفسیر یہ لان ہیں بروایت فقیہ عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ ذریع صحابہ نے کہا ہے مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے لِيَقْضُوا نَفْسَهُمْ کا معنی یہ بتایا کہ پھر اپنے امام کی زیارت کرو اور پھر مہنتیں پوری کرو لیکن اس کے بعد جب میں خدمت امام میں حاضر ہوا اور اسی فقرہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں کٹاؤ، ناخن اترادو وغیرہ تو میں نے عرض کی کہ حضور! ذریع صحابہ نے تو آپ سے اس کا معنی امام زمانہ کی ملاقات نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سچ کہتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن ذریع کی طرح برداشت کا مادہ کس میں ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملاقات امام اس کا باطنی معنی ہے۔ کیونکہ روحانی و جسمانی کثافتیں درحقیقت اس وقت انسان سے دُھل سکتی ہیں۔ جب امام زمانہ کی صحیح پہنری حاصل ہو۔

وَلْيَطَّوَّفُوا - منی کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد مکہ میں پلٹ کر طواف کرنے کا حکم ہے اور علمائے امامیہ نے اس طواف سے مراد طواف نسیا ہے۔ اور یہ طواف زیارت کے بعد کیا جاتا ہے اور اس طواف کے بعد عورت و مرد ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ - بیت اللہ کو عتیق کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمین پر جس قدر گھرنائے گئے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہے۔ سوائے اس ایک گھر کے کہ اس کا مالک سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہے اور خداوند کریم نے زمین سے پہلے اس کو خلق فرمایا اور بعد میں زمین کو اس کے نیچے پھرایا۔ ہم نے اس کی وضاحت اپنے مناسب مقام پر تفسیر کی چوتھی جلد میں کر دی ہے۔ گویا یہ گھر ملکیت اور سکونت سے آزاد ہے۔

## الرَّجْسِ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿۳۰﴾

رجس سے جو بت ہیں اور بچو جھوٹی بات سے

### حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا

(درحالیکہ) ثابت قدم رہو اللہ کے لئے نہ شرک کرنے والے ہو اس کے ساتھ اور جو شرک کرے اللہ

پس اس کو عتیق کہا گیا ہے۔ (۲۱) ظالم اور جابر حکمرانوں کی دسترس اور فتح سے محفوظ و آزاد رہا ہے۔ چنانچہ جس سرکش بادشاہ نے اس کا رخ کیا وہ ذلیل و خوار ہوا (۲۲) چونکہ طوفان نوح کی زد سے یہ محفوظ رہا، اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے (۲۳) چونکہ زمین پر بنائے جانے والے گھروں میں سے پہلا گھر یہی ہے اور سب سے پرانا ہے کہ حضرت آدمؑ نے بنایا پھرانی بنیادوں پر حضرت ابراہیمؑ نے اس کی تعمیر کی۔ اس لئے اس کو عتیق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حُرُمَاتِ اللَّهِ ۖ۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے، جس کا احترام اللہ نے واجب کیا ہے پس اس کے احترام کو باقی رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا انسانوں پر فرض ہے۔ پس اللہ کے جملہ اوامر و نواہی اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور اکثر مفسرین نے اس مقام پر حرمت سے مراد مناسک حج لئے ہیں اور بعضوں نے بیت الحرام دکن، بلدا الحرام دکن، شہر الحرام (چار حرمت والے مہینے رجب ذوالفقہہ ذوالحجہ اور محرم) اور مسجد الحرام مراد لئے ہیں۔ ان کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ ہر اس فعل سے بچے جو ان کی حرمت کے منافی ہو اور جس کے کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اور ہر اس فعل کو سجا لائے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین حرمتیں واجب ہیں۔ جن کی مخالفت شرک ہے، (۱) بیت اللہ میں اللہ کی بتک حرمت یعنی اس کے احکام کی مخالفت (۲) قرآن کی مخالفت (۳) ہماری محبت و مروت سے کنارہ کشی۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانیوں کا خون اپنے معبودتوں پر مل دیتے تھے۔ پس خدا نے ان کے بتوں کو رجس کہا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ شطرنج چوڑا اور ہر شرطیہ کھیل اس میں داخل ہے۔ مثلاً تماش وغیرہ تفسیر برہان میں روایت بہت زیادہ آئمہ طاہرین سے منقول ہیں کہ رجس سے شطرنج اور قول زور سے غنا مراد ہے۔

قَوْلَ الزُّورِ۔ زور سے مراد جھوٹ ہے اور مجمع البیان میں مروی ہے کہ غنا اور لہویہ قول اس میں داخل ہے اور جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جھوٹی شہادت کو خدا نے شرک کے برابر قرار دیا اور اس کے بعد آپ نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی کہ خدا نے بت پرستی اور قول زور کو ایک حکم میں جمع فرمایا ہے۔

تنبیہ۔ ان آیات میں پروردگار نے فریضہ حج ادا کرنے ہوئے چار چیزوں کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے اور صرف سیر و تفریح یا بھگڑ دوڑ اور مقامات مقدسہ میں حاضری کا نام حج نہیں بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم دل میں ہونا ان کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے اعمال بجالائے (۲) ویسے بھی بالعموم تبوں کی پوجا حرام ہے لیکن فریضہ حج کی ادائیگی میں اس کو خصوصیت سے منع فرمایا اور شان نزول کے لحاظ سے اگرچہ مشرکین کہ کو خطاب تھا لیکن تا قیام قیامت اس کی ہدایت تاویل کے لحاظ سے باقی رہے گی۔ لہذا غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال دل سے نکال کر صرف اللہ کے لئے ہی مناسک حج کی ادائیگی ہو۔ اسی طرح جو کہ شطرنج، چوڑیا، تاش بازی اور دیگر لغویات اور لہو و لعب کے مشاغل اگرچہ بالعموم حرام ہیں لیکن دوران حج میں ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے (۳) جھوٹ افرا و بہتان اور غنا کرنا حرام مطلق ہے لیکن دوران حج میں اس کی حرمت کو زیادہ موکد کر دیا کہ قول زور کو جس اوثان پر عطف کر کے ان امور کو شرک کے برابر قرار دے (۴) حیضیت کا حکم دے کر ہر اس فعل سے اجتناب کرنے کا حکم دیا جو شریعت مصطفوی میں بلکہ ملت ابراہیمی میں حرام ہے اور یہ کہ اعمال حج کی ادائیگی صرف اللہ ہو اور دولت اخلاص سے اس قدر بھرپور ہو کہ اس میں شرک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ حنفیوں کے بعد غیر مفسرین کی لفظیں بڑھا کر تمام سابقہ بیان کردہ امور کی خلاف ورزی کو شرک کے حکم میں داخل فرمایا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ ایک نابینا صحابی شریک حج تھا وہ حاجیوں کے انہو کثیر اور شور و غل سے متاثر ہو کر کہنے لگا مَا أَكْثَرَ الْحَجَّاجِينَ یعنی حاجی کس قدر زیادہ ہیں؟ انراہ تعجب یہ فقرہ کہا پس امام عالی مقام نے ٹوک کر فرمایا ایسا نہ کہو بلکہ مَا أَقَلَّ الْحَجَّاجِينَ وَ أَكْثَرَ الضَّحَّاجِينَ۔ یعنی حاجی کس قدر کم ہیں اور شور کتنا زیادہ ہے؟ اَوْ كَمَا قَالَ۔ غالباً یہ گفتگو وقت و عرفات کے موقع پر تھی صحابی نے دہر پوچھی تو آپ نے باعجاز اس کو بینائی دلوائی پس فرمایا اب دیکھو چنانچہ اس کو ادھر ادھر بندر سورجنگلی جانور اچھلتے کودتے نظر آئے اور بہت کم مقدار میں آدمی دیکھے۔ جو مشغول دعا و مناجات تھے پس آپ نے فرمایا حاجی صرف وہی ہیں جو آدمیوں کی شکل میں ہیں۔ باقی سب کے سب حیوان بشکل انسان ہیں حضرت استاد العلماء مولانا سید محمد باقر اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی پہلی مجلس میں اس روایت کو قدرے اختلاف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (المجالس المرضیہ مجلس اول ص ۷)

اس میں شک نہیں کہ فریضہ حج عبادات انسانیہ میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی پاسداری اور پوری رعایت نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اکثر لوگ اعمال کو بجالاتے ہوئے یہ کیوں ہے؟ اور وہ کیوں ہے؟ میں پڑ کر صرف اعتراضات و اشکالات میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دولت خلوص سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ بعض مناسک کو معمولی اور خفیف سمجھ کر اس کی ادائیگی میں توجہ نہیں کرتے یا چھوڑ دیتے ہیں یا کرتے ہیں تو بددلی سے ناقص اور ادھور اچھوڑ کر آجاتے ہیں بعض مخالفین مذہب کی صحبت میں پھنس کر خصوصیات مذہب کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور اکثریت سے مرعوب ہو کر اپنے مختصات سے شرماتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اپنے اعمال کا ستیاہن کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح کئی قسم کی خامیاں اس عظیم

عبادت کی مقبولیت کے راستہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ جو بھی حج کا ارادہ کرے پہلے مناسک حج کو سیکھے اور یاد کرے پھر صرف اللہ کی خوشنودی ہی ملحوظ خاطر ہو۔ اور اگر پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کر کے جائے ہر وہ بات جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے اور ہر عبادت کی علت تک تلاش کرنے کے درپے نہ ہو بلکہ اس کے پاس بڑی سے بڑی دولت تسلیم اور رضائے خداوندی ہو۔ کیوں اور کس لئے کہنے کی عادت بد سے پوری طرح گریزاں رہے کسی فعل حج کو معمولی اور ضعیف نہ سمجھے اور دولتِ خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ہر بڑی سے بڑی تکلیف و کوفت کو راہِ خدا میں برداشت کرنے کا جذبہ طبیعت میں ہر وقت کار فرما رہے۔ وقوفِ عرفات و مزدلفہ حجرات و قربانی اسی طرح طراپنا و سعی سب کے سب مناسک کی ادائیگی میں حکم خداوندی کی پاس دل میں ہر اور اثر دام وانبوہ کی وجہ سے جس قدر تکلیف اٹھانی پڑے کھلے دل سے اور نہایت بلند حوصلگی سے برداشت کرے تاکہ نیت میں تزلزل پیدا نہ ہو۔ یہ خیال رہے کہ حضرت سیدنا کتاب اور حضرت امیر المؤمنین و جملہ اہل بیت اطہار اسی عبادت کی خاطر ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرتے تھے یہ امر اس عبادت کی اہمیت کو اور زیادہ واضح کرتا ہے کہ امام حسن مجتبیٰ نے خوشنودی خدا کی خاطر ۲۵ حجیں پیادہ کیں۔ اسی طرح حضرت سیدنا عبد اللہ کے متعلق بھی وارد ہے اور یقین جانئے کہ حج بیت اللہ توحید پروردگار کا بہترین درس ہے اور اس میں تسلیم ہی تسلیم چاہئے امیر و غریب شاہ و گدا خور و کلاں بچے بڑھے عورت مرد اور حاضر و مسافر جب ایک لباس میں اور ایک ہی رنگ میں مسجد الحرام میں پہنچتے ہیں اور طواف بیت اللہ میں مشغول ہوتے ہیں تو عظمت پروردگار کی زندہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے پھر سب کا ایک ہی حالت میں مکہ سے پندرہ میل دور کوہِ عرفات کی طرف جانا اور ٹھہرنا پھر واپس مزدلفہ میں شب باقی اور اس کے بعد رمی حجرات اور قربانی وغیرہ ایسے مناظر ہیں کہ وہاں انسان کو اپنے پروردگار کی عظمت اور توحید کے ناقابل فراموش سبق ملتے ہیں اور انسان سوچتا ہے کہ وہ ایک عظیم ذات ہے۔ جس کی خوشنودی کی خاطر شاہ و گدا سب کے سب ایک لباس میں ملبوس اعمالِ سجالات ہے ہیں اور اسی کو پکار رہے ہیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کر رہے ہیں۔ نیز عرفات کا وقوف عارف و گور کے لئے قیامت خیز منظر ہوتا ہے۔ گریا و دنیا میں پیشی محشر کی سی ادنیٰ اجملک اس میں نظر آتی ہے۔ پس ایمان والوں کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور مناجات و ادعیر میں خلوص بڑھتا ہے۔ ہر چہار سو رونے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں کہ کوئی طلب حاجات میں مشغول، کوئی بخشش گناہان کے لئے دوست بدعا کوئی تلاوت قرآن میں کھویا ہوا اور کوئی مصروف عبادت نظر آتا ہے۔ بہر کیف نہایت ایمان افروز منظر ہوتا ہے پس جانے والا جائے تو کالے پتھروں کی حکایات لے کر نہ پٹے بلکہ دل میں شمع ایمان کو فوزاں کر کے واپس آئے۔ گناہوں سے تائب ہو کر اور آئندہ کے لئے اعمالِ صالحہ کی سجاوڑی کا عہد دل میں لے کر واپس آئے۔

یاد رکھئے جس کے گناہ ان تین ذرائع سے نہ بخشے جائیں پھر اس کے لئے اور بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں جس کو ماہ مبارک میں لپالی قدر میں عبادت کا موقع ملے اور بخشش گناہان کی درخواست کر سکتا ہو۔ اسی طرح جس کے ضعیف ماں باپ موجود

# خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخَفَفَ الطَّيْرُ أَوْ تَهَوَّىٰ بِهِ الرِّيحُ

کے ساتھ پس گریا وہ گرا آسمان سے پس اچک یا اس کو پرندے نے یا پھینک دیا اس کو آندھی نے کسی

## فِي مَكَانٍ سَجِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعِظْ شَعَائِرَ اللّٰهِ

گبرے مکان میں (بات تو یہ ہے اور جو تعظیم کرے اللہ کی نشانیوں کی

ہوں اور ان کی خدمت سے بہرہ ور ہو سکتا ہو یا پھر حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو کر وقوف عرفات کے موقع پر توبہ کر کے معافی حاصل کر سکتا ہو۔ اسی مضمون کی ایک معنی میں علیہم السلام سے مروی ہے، اور وقوف عرفات کے موقع پر انسان کو چاہیے کہ اپنے گناہوں کو نام بنام شمار کر کے ان کی معافی طلب کرے اور گڑگڑا کر بخشش کی دعا کرے نیز اپنے مومن بھائیوں کی بخشش کے لئے بھی دعا طلب کرے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص غائبانہ طور پر اپنے مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے ملائکہ اس کے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں۔

تفسیر برہان پارہ ۴ کی تفسیر میں ص ۳۴ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم ابو البشر اور حضرت حوا ام البشر میں جدائی ہوئی تو خدا نے آدم کو اپنا گھرنانے اور اس کا طواف کرنے کا حکم دیا جس طرح ملائکہ البیت المعمور کا کرتے ہیں اور یہ حکم ہوا کہ ابلیس اگر اس طرف آئے تو اس کو کندھے مار کر دوڑا جائے جس طرح فرشتوں کا دستور ہے چنانچہ جبریل حضرت آدم کو کعبہ پر لائے اور کعبہ کو تعمیر کیا گیا تاکہ وہ اور اس کی تاقیامت اولاد اس کا طواف کرے۔ فرشتے حضرت آدم کے ساتھ تعمیر بیت اللہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد حضرت آدم کو حضرت حوا کی ملاقات کی بشارت دی گئی اور خدا کا حکم ہوا کہ زمین کے بہترین حصہ میں تم دونو آپس میں ملو گے۔ پس کوہ عرفات پر ان کی ملاقات ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ (ملخصاً) وَمَنْ يُشْرِكْ مقصد یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے حق سے دور ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے نیچے گرے اور کوئی پرندہ اس کو اچک لے جائے یا تیز آندھی کسی ایک بلند مکان سے نیچے گرا دے یا مقصد ہے کہ شرک کرنے والے کے لئے عذاب سے بچنے کا کوئی حید نہیں جس طرح آسمان سے یا بلندی سے گرنے والے کے لئے بچنے کا کوئی حید نہیں ہوا کرتا۔

شعائر اللہ - یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں۔ اور اس جگہ اس کے مصداق میں چند اقوال ہیں، ۱۔ مناسک حج ۲۔ قربانی کے جانور کیونکہ یہ شیعرو کی جمع ہے اور شیعرو اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کی گویاں کو دائیں جانب سے پھنسا لگا کر خون کو ارد گرد مل دیا جائے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور قربانی کے لئے جایا جا رہا ہے اور اس فعل کو فقہاء اشعار سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حج قرآن کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے جو کہ یا اس کے گرد و نواح میں ۴۸ میل کے اندر اندر کے رہنے والے ہوں (۳) شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کا دین اور تعظیم سے مراد ہے حکم خداوندی کی پوری پوری رعایت کرنا۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿۳۱﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِلَىٰ اَجَلٍ

ان کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ تمہارے لئے ان کی تعظیم میں فائدے ہیں ایک معین

مُسَمًّى ثُمَّ مَحَلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۳۲﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

وقت تک پھر ان کا محل بیت اللہ کی طرف ہے اور ہر گزشتہ امت کے لئے

مِّنْ سِكَالِيْذٍ كُرُوا السَّمَّ اِلٰهٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ

قربانی دہتی، تاکہ ذکر کریں اللہ کا نام اور اس کے جو اس نے رزق دیا چرپائے

بِهِيْمَةٍ الْاَنْعَامِ فَالِهَكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهُ اَسْلِمُوْا

جانوروں میں سے پس تمہارا معبود صرف ایک ہے پس اسی کے لئے جھک جاؤ

فَاِنَّهَا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فَاِنَّ تَقْوٰیہا

مَنَافِعُ یعنی مناسک حج کے ادا کرنے میں تمہارے لئے فوائد ہیں بلکہ قربانی کے جانور میں تمہارے لئے ایک وقت معین  
تک فوائد ہیں یعنی سوار ہونا اور دودھ پینا وغیرہ اور یہ اُس وقت تک ہیں جب تک ذبح یا خمر نہ ہو جائیں اور اگر شعائر کا معنی دین  
ہو تو منفعت سے آخری فائدہ مراد ہے اجل مسمیٰ تک یعنی قیامت کے دن تک۔

مَحَلُّهَا۔ اگر شعائر کا معنی مناسک ہوں تو محل کا معنی ہوگا، احرام حج سے حلال ہونے کا مقام یعنی بیت اللہ کہ وہاں آخری  
اعمال سجا کر محل ہو جائے اور اگر شعائر کا معنی قربانی ہو تو محل کا معنی قربان گاہ ہوگا۔ پس اگر قربانی عمرہ کی ہو تو محل بیت اللہ کا قرب  
ہوگا اور اگر قربانی حج کی ہو تو محل منیٰ ہوگا اور اگر شعائر کا معنی مطلق دین ہو تو یہاں مضاف محذوف ماننا ہوگا یعنی دین کے بعض  
اعمال کا محل کعبہ ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) ہر گزشتہ دور میں ہم نے اہل ایمان کے لئے ذبح کرنا عبادت قرار  
دیا (۲) ہر امت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی (۳) ہر امت مسلمہ کے لئے ہم نے ایک جائے عبادت  
مقرر کی جس کا وہ قصد کریں (۴) ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہم نے ایک شریعت بنائی۔

رُكُوْعٌ نَّبِيْرٌ ۱۲ | لِكُلِّ اُمَّةٍ۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) ہر گزشتہ دور میں ہم نے اہل ایمان کے لئے ذبح کرنا عبادت قرار  
دیا (۲) ہر امت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی (۳) ہر امت مسلمہ کے لئے ہم نے ایک جائے عبادت  
مقرر کی جس کا وہ قصد کریں (۴) ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہم نے ایک شریعت بنائی۔  
لِكُلِّ اُمَّةٍ۔ آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنا صرف امت مسلمہ میں رائج نہیں ہوا بلکہ پہلی امتوں میں بھی  
اس کا رواج عام تھا نیز ذبح ہونے والے جانور پر اللہ کا نام لینا بھی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

وَلْيَسِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۲﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ

اور خوشخبری دو ماننے والوں کو وہ جو اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ جائیں

قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُقِيْبِي الصَّلَاةِ ۗ

اور صبر کرنے والے ہوں اور ان مصائب کے جو ان کو پہنچیں اور قائم کرنیوالے ہوں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَا لَكُم مِّنْ

اور ہمارے دئے ہوئے سے خرچ کرتے ہوں (نیک کاموں پر) اور (قربانی کے) موٹے اونٹوں کو کیا ہم نے تمہارے لئے

شَعَائِرَ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافِحَ

شعائر اللہ میں سے کہ ان میں تمہاری بہتری ہے پس یاد کرو اللہ کا نام ان پر قیام کی حالت میں

فَالَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ۔ مقصد یہ ہے کہ ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام لیا جائے کسی دوسرے نام کا بلوقت ذبح ذکر کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے ذبیحہ حلال ہو سکتا ہے۔ ہم نے تفسیر کی پانچویں جلد کے اوائل میں فریج پر اللہ کے نام کے ذکر کرنے کی عقلی و منطقی وجوہات بیان کی ہیں اور حلیت و حرمت کے مسئلہ پر قدرے سیر حاصل تبصہ کیا ہے جو صاحبان بصیرت اصحاب کے لئے زیادتی ایان والیقان اور اضافہ عرفان کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

اللَّهُ خَبِيبٌ۔ اخبات کا معنی خضوع و اطینان ہوتا ہے اور یہ جنت سے ہے جس کا معنی ہموار و پست زمین ہوا کرتا ہے۔ تواضع اور خضوع کرنے والوں کی اللہ نے چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں (۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دل خوف زدہ ہوں (۲) آنے والی مصیبت پر صبر و حوصلہ سے کام لیں (۳) نمازیں قائم کریں (۴) اللہ کے دئے ہوئے رزق سے حقوق بجا ادا کریں۔ مثلاً زکوٰۃ و خمس وغیرہ۔

وَالْبُدْنَ۔ یہ بدنہ کی جمع ہے اور اس کا لغوی ترجمہ ہے موٹے جانور کیونکہ تبدیلین کا معنی پان اور موٹا کرنا ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال علی الاطلاق موٹے اونٹوں پر ہوا کرتا ہے اور بعضوں نے یہاں مطلق قربانی کا جانور بھی مراد لیا ہے۔

شَعَائِرَ اللَّهِ۔ مضاف محذوف ہے یعنی شمار دین اللہ یعنی اونٹوں کا نحر کرنا اور قربانی کر کے مساکین کو کھلانا اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہے اور اس میں انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کا راز مضمون ہے۔

صَوَافِحَ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی قرأت صوافن منقول ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صواف کا مطلب یہ ہے کہ پہنچوں میں سے گھٹنوں تک اس کے اگلے پاؤں کو باندھا جائے اور قبلہ و کعبہ سے



فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَانِعَ وَالْمَعْتَرِ

پس جب گر جائے زمین پر تو خود کھاؤ اس سے اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور سوال کرنے والے کو

كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَنَالَ

اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس کا شکر کرو نہیں پہنچتا اللہ کو

اللَّهُ لِحَوْمِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ

ان کا گوشت اور نہ ان کا خون بلکہ پہنچتا ہے اس کو تقویٰ

ہونے اس کو مسخر کرنا چاہیے اور باقی حیوانوں کے ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ گائے بھینس وغیرہ کو قبلہ رخ لٹا کر اس کے اگلے اور پچھلے پاؤں باندھے جائیں اور دم کو آزاد رکھا جائے اور بیٹھ بکری کے دو لگے اور ایک پچھلا پاؤں باندھا جائے اور اگر صوفیاں پٹھا جائے تو صوفیوں الفرس سے ماخوذ ہوگا اور صوفیوں کا معنی ہے تین ٹانگوں پر کھڑا ہونا اور جب نحر کے لئے اونٹ کا ایک پاؤں باندھا جائے گا تو وہ بھی تین ٹانگوں پر کھڑا ہوگا۔

وَجَبَتْ جُنُوبُهَا۔ وجوب کا معنی ہے گر جانا اسی لئے وجوب الشمس سورج کے غروب پر بولا جاتا ہے جنوب جمع ہے جنوب کی یعنی جب اس کے پہلو زمین پر آجائیں اور وہ دم توڑ کر ساکن ہو جائے۔

فَكُلُوا مِنْهَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی سے کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے کیونکہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے۔

وَالْمَعْتَرِ۔ قانع اور معتر کے معانی میں اقوال ہیں (۱) قانع وہ ہے جو دی ہوئی شے پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معتر وہ ہے جو کچھ لینے کے لئے سامنے آئے (۲) قانع وہ ہے جو سوال کرے اور معتر وہ ہے جو سامنے آئے اور منہ سے سوال نہ کرے (۳) صادقین علیہا السلام سے منقول ہے قانع وہ ہے جو دی ہوئی شے پر قناعت کرے نہ ناراض ہونہ منہ پیڑھا کرے اور نہ غصہ سے باچھیں ترچی کرے اور معتر وہ ہے جو پاس سے آکر گزرے تاکہ کچھ مل جائے اور مروی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ قانع اور معتر یعنی غریبوں مسکینوں اور سوال کرنے والوں کے لئے اور ایک تہائی اپنے اجاب کے لئے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک تہائی اہل و عیال کے لئے۔ دوسری تہائی قانع کے لئے اور تیسری ساکین کے لئے مخصوص کرے اور آیت نمبر ۲۸ میں قانع و معتر کی جگہ اَلْبَائِسُ الْفَقِيرُ (بہ حال فقیر) ذکر کیا گیا ہے

سَخَّرْنَاهَا۔ یعنی ہم نے ان حیوانوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ ان پر سواری کرو یا بار برداری میں استعمال کرو یا ذبح اور نحر کر کے کھاؤ اور اس کا حق شکر یہ ہے کہ اپنے خالق کی رضا کو ہر حال میں ملحوظ رکھتے ہوئے ماتحت حیوانوں سے خدمت لو۔

لَنْ يَنَالَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانی کے بعد اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔ پس ارشاد ہوا کہ اللہ کو ان قربانیوں

لَنْ يَنَالَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانی کے بعد اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔ پس ارشاد ہوا کہ اللہ کو ان قربانیوں

مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَكُمْ

تمہارا اسی طرح ان کو تمہارے لئے مطیع کیا تاکہ تم اللہ کی کبریاہی بیان کرو اس پر جو اس نے تم کو ہدایت کی

وَلَبِئْسَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا

اور جو بخیر دینی کرنے والوں کو تحقیق اللہ دفاع کرتا ہے ان کی جانب سے جو مومن ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿۳۷﴾ أذن لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ

تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہر خیانت کرنے والے متکبر کو اجازت دی گئی ان کو جو لڑ رہے ہیں

بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۳۸﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

کیونکہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور تحقیق اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے

کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا خلوص اور تقویٰ اس کی بارگاہ میں تمہارے تقرب کا باعث ہو سکتا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت علی الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قربانی کا پہلا قطرہ خون جب زمین پر گرتا ہے تو خداوند کریم قربانی کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور خداوند کریم تقویٰ کرنے والوں کو جانتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس نے اہیل کی قربانی کو قبول فرمایا اور قابیل کی قربانی کو رد کر دیا۔

لِتُكَبِّرُوا - امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تکبیر کہنا مکہ میں پندرہ نمازوں کے بعد مستحب ہے۔ دس ذوالحجہ کی نماز سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی نماز صبح تک اور باقی شہروں میں دس نمازوں کے بعد یعنی دسویں کی ظہر سے بارہویں کی صبح تک اور اس کا طریقہ آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ ۲۶

يُدْفِعُ - دفع کی تحقیق اور جذب و دفع کی عقلی و فلسفی مصلحت پر ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص ۱۲۵ تا ص ۱۳۰ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

أذن - یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان رکوع نمبر ۱۳ میں ہے کہ مکہ کی زندگی میں کفار مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتے تھے۔ کسی طرف سے کوئی زخمی اور کسی طرف سے کوئی مضروب خدمت نبویؐ میں شکایت لے کر پہنچتا تھا تو آپؐ یہی فرماتے تھے کہ ابھی مجھے جہاد کی اجازت نہیں ملے ہے لہذا تم لوگ صبر سے وقت گزار دو حتیٰ کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مصداق حضرت علی حمزہ و جعفر طیار ہیں اور اس کی تاویل بعد میں جاری ہے۔

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقِّ الْآدَانِ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ وَلَوْ لَا

نکالے گئے تاحق صرف اس لئے کہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرنا ہوتا اللہ کا

دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَمَدِّمَتِ صَوَامِعَ وَبِيعَ

لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعے تو گرائے جاتے صومے گرجے عبادت خانے

وَصَلَوَاتٍ وَمَسْجِدٍ كَرَفِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَ

اور مساجد جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے بسا اوقات اور

لَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۳۶﴾ الَّذِينَ

مدد کرتا ہے اللہ اس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے تحقیق اللہ قادر غالب ہے وہ لوگ کہ اگر

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عامہ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآب کیلئے اُتری ہے جب کہ قریش مکہ نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور سوائے اس کے نہیں کہ یہ آیت حضرت قائم آل محمد کے لئے ہے۔ جب کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کے انتقام کے لئے تشریف لائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم خون کے وارث ہیں۔ ظاہر مقصد یہ ہے کہ آیت مجیدہ صرف شان نزول تک محدود نہیں بلکہ اس کی تاویل حضرت قائم علیہ السلام تک جاری رہے گی۔ پس حضرت رسالت مآب اس آیت کے ظاہری و تنزیلی مصداق تھے اور حضرت قائم علیہ السلام اس کے باطنی اور تلوینی مصداق ہوں گے۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مہاجرین کے حق میں جاری ہے جو بلا وجہ گھروں سے جلا وطن پر مجبور کئے گئے یعنی مہاجرین آیت کے ظاہری مصداق تھے اور آل محمد اس کے باطنی مصداق ہیں۔

صَوَامِعُ یعنی نصرانیوں کے عبادت خانے یہ صنومعہ کی جمع ہے اور بیع یہودیوں کے عبادت خانے اور صلوات کا معنی مسلمانوں کی نماز گاہیں یعنی مجاز مرسل کے طریقہ پر منظوف بول کر ظرافت مراد لیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے صوامع اور بیع دونوں کو نصرانیوں کے عبادت خانے کہا ہے کہ بیع سے شہری عبادت خانے (گرجے) مراد ہے اور صوامع وہ عبادت خانے ہیں جو پہاڑوں اور ویرانوں میں آگ عبادت کے لئے بناتے تھے۔ پس اس صورت میں صلوات کا معنی یہودیوں کے عبادت خانے ہو گا۔ اور مساجد سے مسلمانوں کے عبادت خانے مراد ہوں گے۔ مقصد یہ کہ اگر خدا ہر دور میں اہل ایمان کی نصرت نہ فرماتا تو ہر زمانہ کے

إِنْ مَكَانَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا

ہم ان کو غلبہ دیتے زمین میں تو وہ قائم کرتے نماز کو اور دیتے زکوٰۃ اور امر کرتے

بِالْمَعْرُوفِ وَهُوَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۴۱﴾ وَإِنْ

نیکی کا اور منع کرتے بُرائی سے اور اللہ کے لئے ہے انجام تمام امور کا اور اگر یہ

يَكْذِبُونَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿۴۲﴾ وَ

لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کے قوم اور عاد و ثمود اور

قَوْمَ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمَ لُوطٍ ﴿۴۳﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

ابراہیم کے قوم اور لوط کے قوم اور مدین والے اور جھٹلایا گیا موسیٰ کے

فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۴۵﴾ فَكَأَيِّن

پس ہم نے کھیل دی کافروں کو پھر پھڑپھڑایا تو کس قدر سخت پھڑپھا ؟ پس کتنی

بے دین لوگ اپنے زمانہ کے دیندار طبقہ کی عبادت گاہیں مسمار کرنے پر قادر ہو جاتے لیکن اللہ کی نصرت چونکہ شامل حال رہتی ہے لہذا ہر زمانہ میں اہل ایمان اپنے ایمانی فرائض کی انجام دہی پر موفق رہتے ہیں اور یہ اللہ کا احسان و کرم ہے۔

الَّذِينَ أَنْعَمْنَا اللَّهُ عَلَيْهِمْ كَالْمَكِينِ كَالْمَكِينِ كَالْمَكِينِ كَالْمَكِينِ كَالْمَكِينِ  
تکلیف کا معنی ہے وہ آگے عطا کرنا اور اگر فعل علم کا محتاج ہے تو تکلیف کا معنی ہے وہ علم عطا کرنا اور اگر وہ فعل طاقت و قوت سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو اس قوت کا عطا کرنا تکلیف ہوگا۔

تفسیر صفائی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آمل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ خداوند کریم حضرت مہدیؑ اور اس کے اصحاب کو زمین کی مشرق و مغرب کی سلطنت عطا فرمائے گا۔ پس دین غالب ہوگا اور اس کے ذریعے سے خدا باطل پرست اور بدعت کے پجاریوں کو تباہ کرے گا۔ جس طرح ان لوگوں نے حق کو تباہ کیا جسے کہ ظلم کا نام و نشان نہ رہے گا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اسی طرح تفسیر مجمع البیان میں بھی آپ سے مروی ہے کہ اس کے مصداق ہم لوگ ہیں۔

نکیر۔ یعنی ہم نے ان کے کرتوتوں کا انکار کیا اور سخت طریقہ سے کیا کہ وہ بتلائے عذاب کر دیئے گئے۔  
بئس عظیم عذاب۔ غیر آباد کنوئیں یعنی ہم نے شہری و دیہاتی حکمرانوں کو اپنے ظلم کے بدلہ میں ختم کر دیا پس غیر آباد کنوئیں دیہاتوں کی بربادی کا نشان ہیں۔ اور عالی شان محلات کی تباہی کا منظر شہری سلاطین کی بربادی کی یادگار ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ضحاک سے مروی

مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فِيهَا خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا

اور

بستیوں میں جن کو ہم نے ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھے پس وہ چھتوں پر گر چکی ہیں

وَبُرْمَعْلَةٍ وَقَصْرِ مَشِيدٍ ﴿۱۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

کتنے کنوئیں غیر آباد اور کتنے مضبوط محلات (دیران ہر گئے) کیا نہیں سیر کرتے زمین میں

ہے کہ یہاں اس مخصوص کنوئیں کا ذکر ہے جو حضرت موت کے علاقہ کے مشہور شہر حاضرا میں تھا وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اُمت کے چلنہزار مومن انسان پہنچے۔ اور حضرت صالحؑ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ پس پہنچتے ہی حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال ہو گیا چنانچہ اس کنوئیں کا نام اسی وجہ سے حضرت موت پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں آباد ہوئے اور پھلے پھوٹے۔ پس رفتہ رفتہ کفر کی طرف مائل ہوتے گئے اور آخر کار شرک اور بت پرستی کی دباہ میں مبتلا ہو گئے۔ خداوند کریم نے ان کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے ایک نبی بھیجا جس کا نام حنظلہ تھا تو انہوں نے اس کو برسراعام بازار میں شہید کر ڈالا۔ پس خدا نے ان پر عذاب نازل کیا وہ سب کے سب مر گئے ان کا آباد کنواں دیران ہو گیا اور ان کے پختہ محلات یادگار حسرت رہ گئے۔

آیت مجیدہ کی تاویل اور باطنی مصداق کے متعلق تفسیر اہل بیت میں ہے کہ بزمِ معطلہ سے مراد وہ عالم ہے جو کس مہر سی کی عالم میں ہرنہ کوئی اس کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے چشمہ علم سے کوئی سیراب ہونے کی خواہش کرے اور آلِ محمد سے بکثرت روایات وارد ہیں کہ بزمِ معطلہ کی تاویل امام صامت ہے اور قصرِ مشید کی تاویل امام ناطق ہے اور تفسیر برہان میں ہے بزمِ معطلہ امام غائب کی مثال ہے کہ تادمِ ظہور ان کے فیوض و برکات علیہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور قصرِ مشید حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی ائمہ ہیں۔ جن کے علوم کے اثرات چہار دانگ عالم میں منتشر ہو چکے ہیں۔ اور اہل ذوق و تقا فوقتاً ان سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

بہر کیف قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو اس کے شان نزول تک محدود نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی ہدایات و تعلیمات ایک عرصہ معینہ تک محدود ہو جائیں گی۔ پس اس کی تاویل و باطن کو جاری ماننا عین ایمان ہے۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا - اقوام گذشتہ اور اہم سابقہ کے واقعات کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ان کے انجام بد سے متاثر ہو کر مسلمان ایسے عادات و اطوار سے گریز کریں جو ان کے لئے مہلک ثابت ہوتے۔ پس حالات کا جائزہ لے کر دل میں سوچنے کی کوشش کریں اور کانوں سے سن کر عبرت حاصل کریں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر انسان کے دل میں بصیرت کی آنکھیں موجود ہوں تو ظاہری آنکھوں کی البینائی نقصان نہیں دیتی۔ لیکن اگر دل میں بصیرت کا نور نہ ہو تو ظاہری آنکھوں کے کھلا رہنے کے باوجود انسان بات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں زمین کی سیر کرنے

فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا

پس ہو جائیں ان کے دل ایسے سوچیں یا کان ایسے سنیں ان کے ذریعے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾

بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں

وَلَيْسَتُ عَجَلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا

اور یہ لوگ تجھ سے جلدی عذاب چاہتے ہیں اور ہرگز نہ خلائن کرے گا اللہ اپنے وعدہ کا اور تجھتی

عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ

ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں جنکو

اور واقعات کو سننے کے بعد دل کی بصیرت سے سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔

رَأْتِ لِيَوْمًا. اس میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فقیر لوگ امیر لوگوں سے ایک آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے۔ یعنی پانچ سو سال۔ نیز مروی ہے کہ قیامت کے پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ایک ایک ہزار سال کا ہوگا۔

۲۔ جس میں لوگوں سے اپنے اعمال کی باز پرس ہوگی۔

۳۔ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ایک ہزار سال برابر ہیں۔ پس جس طرح وہ ایک دن کی مہلت کے بعد عذاب دے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہزار سال کے بعد بھی گرفتار عذاب کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے۔

۴۔ اس کے ایک دن کا عذاب دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس طرح پھینکوں کے لئے ایک دن کا آرام و عیش دنیاوی ہزار سالوں کے برابر ہوگا۔

رَفِئَ آيَاتِنَا مَلَكٌ. یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فِي الْبَطَالِ آيَاتِنَا. یعنی جو لوگ ہماری آیات کے باطل کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مَلَكًا. آیت مجیدہ کے شان نزول میں جو روایات وارد ہیں۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اصحاب حدیث

قَرِيَةً أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذَهَا وَإِلَى الْمَصِيرِ

ہم نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھی پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف اٹھی بازگشت ہے

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا كَارِهُ مِيمٍ ﴿۱۶۹﴾ فَالَّذِينَ

کہہ دے اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ میں تم کو ڈرانے والا ہوں ظاہر پس جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷۰﴾

ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے ان کے لئے بخشش اور اچھا رزق ہوگا

کے نزدیک وہ سب مطعون اور ضعیف ہیں۔ کیونکہ ان کا مضمون ایسی بات کو ظاہر کرتا ہے جو شایان شان رسالت نہیں انہوں نے سید مرتضیٰ عالم الہدیٰ کی کتاب تفسیر الانبیاء سے حیران روایات کے مضمون کی تاویل اخذ کی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور یہاں تک پہنچے۔ اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ۔ تو حاضرین میں بعض مشرکین بھی موجود تھے اور انہیں پتہ تھا کہ اب ان کی توہین کا کوئی کلمہ آئے گا۔ پس فوراً شیطان نے کسی مشرک کی زبان سے یہ فقرے جاری کروادئے۔ تِلْكَ الْأَنْتَوَانِيَةُ الَّتِي إِذْ نَسَفَعْتَهُمْ لَسْتُ وَتُحْجِجُ۔ لوگوں کا جہم غمغیر تھا۔ جہاں نے یہ سمجھ لیا کہ حضور کی زبان وحی ترجمان سے یہ فقرے صادر ہوئے ہیں۔ پس مشرکین خوشی سے بغلیں بجانے لگے اور جب مقام سجدہ پر پہنچے تو سب مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے۔ کیوں کہ ان کے زعم باطل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپ نے نبیوں کی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ پس مجمع میں ولید بن مغیرہ مخزومی بھی موجود تھا جو بہت سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے بھی سنگ ریزوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور زمین پر رکھ کر ان پر سجدہ کر لیا۔ پس جبریلؑ یہ آیت لایا۔

آیت مجیدہ میں نبی کا رسول پر عطف کر کے متعدد معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی کئی وجوہ رسول اور نبی میں فرق بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ رسول کے لفظ میں مطلقاً بھیجنے کا مفہوم آتا ہے اور نبی کے لفظ میں بھیجنے کے ساتھ اس کی عظمت و رفعت کا اظہار بھی ہے جیسا کہ لغوی معنی کا تقاضا ہے رسول وہ ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جس کو بذریعہ خواب وحی ہو۔ پس جو رسول ہو گا وہ نبی ضرور ہو گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو (۳ رسالت ایک مخصوص سفارت کا عہدہ ہے جو کسی مخصوص امت کے لئے ہو۔ اور نبوت عہدہ سفارت نہیں ہے وہی رسول وہ ہے جو شریعت کے احکام لائے اور اس کا ڈھانچہ تیار کر کے امت کے پیش کرے اور نبی وہ ہے جو شریعت کا محافظ ہو اور ہم نے تفسیر

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُجْرِمِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ کوشش کریں ہماری آیات میں مقابلہ کرتے ہوئے جہنم میں جائیں گے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى

اور ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب کوئی خواہش کرے تو دخل دیتا ہے شیطان

الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتَهُ وَاللَّهُ

اس کی خواہش میں پس مٹاتا ہے اللہ جو دخل دیتا ہے شیطان پھر مضبوط کرتا ہے اپنی آیات کو اور اللہ

کی تیسری جلد ص ۲۲۸ پر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ نیز کتاب لعتہ الانوار حصہ اول صفحہ ۲۲۱ پر بھی تفصیل مذکور ہے۔

إِذَا تَمَنَّى۔ تمنی کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ تلاوت کرنا

۲۔ خواہش کرنا

پہلے معنی کے لحاظ سے آیت مجیدہ میں جناب رسالت مآب کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی ہمارا فرستادہ نبی و رسول ہماری آیات کی تلاوت کرنے لگتا تھا تو شیطان اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے لفظ جوڑ کر کسی کی زبان سے جاری کر دیتا تھا۔ پس کلام خدا میں شریف و تصحیف اسی شیطانی کھیل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جیسا کہ تورات و انجیل میں ظاہر ہے۔ پس آپ غم زدہ نہ ہوں کیونکہ شیطانی اضافہ کو ہم باطل کر دیں گے اور آیات کو محکم رنگ میں باقی رکھیں گے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا مقصد یہ ہو گا کہ جب نبی و رسول کچھ بولنا چاہے تو شیطان دوسرے کے طور پر اپنی جانب سے اضافہ پیش کرتا ہے۔ لیکن خدا شیطانی وسوسہ کی اتباع سے نبی کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور اپنی آیات کو محکم قرار دیتا ہے۔ پس اس میں شیطانی تخیلات کو راہ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ آیات کی تلاوت کے دوران میں شیطان کے القاء کردہ کلمات جو بعض مشرکین کی زبان سے جاری ہو گئے۔ خدا نے مومنوں اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ پس ان میں سے صرف وہ افراد متاثر ہوئے جن کے دلوں پر نفاق کی میل موجود تھی یا وہی لوگ خوش ہونے لگے۔ جو اپنے شرک کو فروغ دینا چاہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو محمدؐ نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کر لیا ہے۔ غرائق جمع ہے غر فوق کی اور اس کا معنی ہوتا ہے خوبصورت۔ جیسے کہا جاتا ہے شاب غر فوق۔ یعنی خوب صورت نوجوان۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ قرأت اہل بیت میں ولایتی کے بعد ولا محدث کا لفظ بھی تھا۔ راوی نے جب الگ الگ معانی دریافت کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر



عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۱﴾ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمُ

جاننے والا حکمت والا ہے تاکہ بنائے اس کو جو جوڑتا ہے شیطان آزمائش ان کے لئے جن کے دلوں میں بیماری

مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةَ قُلُوبَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾

بے اور جن کے دل سخت ہیں اور تحقیق ظالم لوگ گہری پہنچتی ہیں ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّ اللَّهَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيَوْمِنَا بِهِ فَتُحِبَّتْ

اور تاکہ جان لیں وہ جن کو علم دیا گیا کہ تحقیق یہ (قرآن حق ہے رب کی جانب سے پس ایمان لائیں پس جھکیں

لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادٍ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۳﴾

اس کے لئے ان کے دل اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے ان کو جو ایمان لائیں سیدھے راستہ کی

آئے اور بات کرے اور نبی وہ ہے جس پر وحی خواب میں ہو چنانچہ نبوت اور رسالت ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں اور محدث وہ ہے جو فرشتے کو نہ دیکھے لیکن اس کی آواز سنے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس طرح پہچانے گا کہ یہ آواز فرشتے کی ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پاس خدا داد وقت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان سکتا ہے اور آلِ محمد سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام محدث تھے اور تفسیر بریلین میں ہے عورتوں میں سے چار عورتیں محدثہ تھیں (۱) سارہ (۲) مادرِ موسیٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا یعنی ان کے ساتھ فرشتے کلام کرتے تھے۔

لِيَجْعَلَ صُفْحًا - یعنی شیطانی القمار کو باطل کرنا اور اپنی آیات کو باقی رکھنا منافق لوگوں اور سخت دل مشرکوں کے لئے امتحان کی ایک کٹھن منزل ہے تاکہ وہ القمار شیطانی اور وحی ربانی میں فرق کر کے جاہد حق پر سوچ سمجھ کر گامزن ہونے کی جرأت کریں۔  
لِيَعْلَمَ - جس طرح منافق اور مشرک لوگوں کے لئے القمار شیطانی کو باطل کرنا مقامِ آزمائش ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و ایقان پر خدا واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ حق کی مزید معرفت حاصل کر کے اس پر ڈٹے رہیں تاکہ مخالفت ہوا کائیز سے تیز جھونکا بھی ان کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ پس اُولُو الْعِلْمِ سے ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ اور فَيَوْمِنَا بِهِ کا معنی ایمان لانا نہیں بلکہ ایمان پر ثبات قدم رہنا اور معرفت کا زیادہ ہونا مراد ہے۔

عَقِبِيمٍ - اس کا معنی ہے بانجھ عورت جس کی اولاد نہ ہو اور جنگِ بدر کے دن کو یومِ عقیم کہا گیا ہے کیونکہ وہ دن کفہ کے لئے سخت عذاب کا دن تھا۔ اور اس میں ان کی کوئی خیر و جلائی نہ تھی جس طرح بانجھ عورت سے خیر کی اُمید نہیں ہوتی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

ہمیشہ رہتے ہیں وہ جو کافر ہیں شک میں اس سے یہاں تک کہ آئے ان پر قیامت اپنا تک یا آئے

أَوْيَاتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ لِّحَكْمِهِ

ان پر عذاب سخت دن کا سلطنت اس دن اللہ کی ہوگی وہ حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

ان میں پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل نیک کریں وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں ہماری آیات کو تو ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہوگا

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لِرِزْقِهِمْ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں پھر قتل کئے گئے یا مر گئے اللہ رزق دے گا

اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزِقِينَ ﴿٥٨﴾ لِيَدْخُلَهُمْ

ان کو اللہ اچھا رزق اور تحقیق اللہ بہترین رزق دینے والا ہے ضرور ان کو داخل

کرتے ہیں۔ اس دن سے قیامت کا دن مرا ہے کہ اُس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ مومن جنت میں جائیں گے اور دشمنانِ خدا عذابِ ابدی کی سزا پائیں گے۔

وَمَنْ عَاقَبَ مُلْكًا لِيَعْلَمَ جَوْدَهُ لِيَسْأَلَهُمْ لِيَسْأَلَهُمْ لِيَسْأَلَهُمْ لِيَسْأَلَهُمْ لِيَسْأَلَهُمْ

چند دن باقی تھے کہ مشرکین مکہ سے چند مسلمانوں کی ملاقات ہوئی۔ پس مشرکین نے سوچا کہ حرمت والے مہینے میں وہ ہم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ لہذا ہم پہل کر کے ان کو قتل کر دیں۔ مسلمان پہلے تو کہتے رہے کہ حرمت والے مہینے میں ہمیں نہ چھیڑو لیکن جب وہ باز نہ آئے تو مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے ان کو ڈھیر کر دیا اور خدا نے ان کو ان پر فتح یاب کر دیا۔ اور آیت مجیدہ میں اسی کا اعلان ہے۔

مُدْخَلًا يَرْضُونَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلَيْهِمْ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ ذَلِكَ وَمَنْ

کر لگا ایسی جگہ کہ وہ اس پر رضامند ہونگے اور تحقیق اللہ جاننے والا علیم ہے یہ بات! اور جو تکلیف

عَاقِبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ إِنَّ

دے جتنی تکلیف دیا جائے پھر اس پر سرکشی کی جائے تو ضرور اس کی مدد کرے گا اللہ تحقیق

اللَّهُ لَعَفْوٌ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

اللہ معاف کر نیوالا بخشنے والا ہے یہ اس لئے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں

وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذَلِكَ

اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تحقیق اللہ سنے دیکھنے والا ہے یہ اس لئے کہ

بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ

اللہ ہی سچ ہے اور تحقیق وہ جن کو پکارتے ہیں اس کے علاوہ باطل ہے

وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ

اور تحقیق اللہ ہی بلند و بزرگ ہے کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے

السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾

پانی پس بر جاتی ہے زمین سے سرسبز تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ - یعنی خدا ایک کو دوسرے پر غالب کرنے پر قدرت رکھتا ہے، شب و روز کی کمی و بیشی کی تحقیق تفسیر کی تیری جلد صفحہ ۲۱۳ پر ملاحظہ کیجیے۔

هُوَ الْحَقُّ - یعنی یہ اس لئے ہے کہ وہی تو سچ مچ خدا ہے اور اس کے علاوہ جس قدر معبود بنائے گئے ہیں سب باطل ہیں۔ پس اللہ کو سب کچھ کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

الْمُدْتَسَّرُونَ - انسان کو اپنے نعمات یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے زمین کی قوتوں کو مطیع رکھ دیا ہے خواہ از قسم جاد ہوں یا از قسم نبات ہوں اور آجکل کی سائنسی ترقی ارضی مواد کو مسخر کر کے جس ارتقائی منزل

لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُمُ الْغَنِيُّ

اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تحقیق اللہ غنی قابل تعریف

الْحَمِيدُ ﴿٦٣﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ

ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تحقیق اللہ نے مطیع کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتیوں کو

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

کہ چلتی ہیں دریا ہیں اس کے امر سے اور روکتا ہے آسمان کو گرے زمین پر

إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَسَرُودٌ وَرَوْفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٤﴾ وَهُوَ

مگر اس کے اذن سے تحقیق اللہ بندوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے اور وہ وہ ہے

الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٥﴾

جس نے تم کو زندہ کیا پھر مارے گا پھر جلائے گا تحقیق انسان البتہ انکار کرنے والا ہے

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُبَايِعُكَ فِي الْأَمْرِ

ہر قوم کے لئے ہم نے بنائی جائے عبادت کہ وہ وہاں عبادت کرتے ہیں پس انہیں تجھ سے نہیں جھگڑنا چاہیے اس بارے میں

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٦﴾ وَإِنْ جَدُّوكَ

اور بلاؤ طعن رب کے تحقیق تو سیدھی ہدایت پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں

پر پہنچی ہے اسے آخری زمین نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ہر بعد میں آنے والا اس سے آگے قدم رکھنے کے لئے زمین کے مخفی

خزانوں میں سے جستجو کے بعد مزید آلات و اسباب تک راہ پائے گا اور وہ اپنے زمانہ کو روشنی کا دور کہہ کر ہمارے دور کو پُرانا

زمانہ اور ہماری تہذیب کو پُرانی تہذیب کہے گا جس طرح ہم گذشتگان کے لئے یہی الفاظ تجویز کر رہے ہیں اور جس حد پر جا کر انسانی

عقول رک جائیں گے۔ محبت خدا کا قدم ان سے آگے ہوگا۔ اور یہی چیز ان کی مادی ترقیوں سے بالاتر ہو کر خالق عبادت اور معجزہ کہلائے

گی۔ جس کے لئے اس دور کا تمدن اور دانشمند طبقہ گردنیں خم کرنے پر مجبور ہوگا۔ جیسا کہ ہر زمانہ گذشتہ میں ہادیان دین کا طریقہ رہا ہے

مَنْسِكًا۔ اس کا معنی جائے عبادت۔ شریعت۔ قربان گاہ وغیرہ باختلاف اقوال کیا گیا ہے۔

فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۴۸﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا

تو کہہ دو کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن جس میں

كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ

تم اختلاف کرتے ہو کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان و زمین

وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۵۰﴾ وَيَعْبُدُونَ

میں ہے تحقیقی یہ بات لوح محفوظ میں ہے تحقیقی یہ اللہ پر آسان ہے اور وہ عبادت

مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَالِيسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا

کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی کہ نہیں نازل کی گئی اس پر کوئی دلیل اور نہ خود ان کو اس کا کوئی علم ہے اور نہ

فَلَا يَسْتَأْذِنُكَ ۗ ۵۱۔ کفار لوگ اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیز کو حلال سمجھتے ہو اور اللہ کی ماری ہوئی شے کو حرام سمجھتے ہو۔ یعنی ذبح کے حکم پر بحث کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے۔ پس خداوند کریم نے ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہم نے اس پر مفصل بحث تفسیر کی پانچویں جلد کی اوائل میں مدلل طور پر کر دی ہے جو منصف مزاج لوگوں کے لئے باعث الیقینان ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا ۗ ۵۲۔ خداوند کریم نے اپنے احکام کی مصلحت کو اپنے علم کا حوالہ دے کر بیان کرنے سے گریز فرمایا ہے اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَيَعْبُدُونَ ۗ ۵۳۔ یعنی کفار قریش ایسی شئی کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس اس کی کوئی سند ہے۔ اور نہ اپنے پاس اس کی کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ پس انہما دھندا اپنے باپ دادا کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اپنی عبادت میں اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اگر میری خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو جس کی عبادت کرتے ہیں اس کے متعلق میری طرف سے کوئی سند ان کے پاس ہونی چاہیے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ان پر آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جائے اور عبادت کا صحیح طریق کار ان کو بتایا جائے تو کفار کے چہروں پر غم و غصہ کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ تلاوت کرنے والوں سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں۔ پس ارشاد فرماتا ہے کہ تم کو اتنی سی بات بڑی لگتی ہے۔ حالانکہ اس سے بھی تمہارے لئے بدتر خبر یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ نہایت بری بازگشت ہے۔ اور روایات اہل بیت میں ان آیات کی تاویل حضرت علیؑ کے حق میں ہے

لِالظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذْ أَنْتَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ نَعْرِفُ

ہو گا ظالموں کا کوئی مددگار اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو معلوم کر دے ان کے چہرے پر

فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرُ يَكَادُونَ لَيَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ

میں جو کافر ہیں انکار قریب ہے کہ حملہ کر دیں ان پر جو تلامذت کرتے ہیں ان پر

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قُلْ أَفَأَنْتُمْ كُفِرْتُمْ مِنْ دَلِكُمُ النَّارُ وَعَدَّهَا اللَّهُ الَّذِينَ

ہماری آیتیں کیا میں تم کو اس سے بھی بری بات بتاؤں وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ

كُفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرِبْ مَثَلًا فَاذْكُرُوا اللَّهَ

کیا ہے اور وہ بری بازگشت ہے اے لوگو! بیان کی گئی مثالیں اس کو غور سے سنو

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ

تحقیق جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے غیر کو وہ تو نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی اگرچہ سب جمع ہو جائیں

وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبِ

اور اگر چھین لے ان سے مکھی کوئی شے تو وہ اس سے چھڑانیں سکتے کمزور ہے طالب

بلکہ قیامت تک ہر باطل پرست کے لئے یہ آیات راہ حق اختیار کرنے کی دعوت عامہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

ضربِ مَثَلٍ: تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول  
رکوع نمبر ۱ دعوتِ توحید ہے کہ کفار قریش کا دستور تھا۔ وہ کعبہ کے پاس نصب شدہ بتوں پر عبث و کستوری مل دیتے تھے

یعنی دروازہ کے سامنے یعوق دائیں جانب اور نسر بائیں طرف تھا۔ مسجد میں داخل ہو کر پہلے یعوق کا سجدہ کرتے پھر  
یعوق کا اور آخر میں نسر کا سجدہ کرتے تھے اور تلبیہ پڑھتے تھے۔ خداوند کریم نے ایک چارپروں والی سبز رنگ کی مکھی بھیجی  
جس نے بتوں پر ملا ہوا عبث اور مشک سب چاٹ لیا۔ پس یہ آیت بھیج کر ان کو متنبہ کیا اور اپنی توحید کی دعوت دی کہ جو مل جل  
کر ایک مکھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے حالانکہ  
طلب کرنے والی مکھی اور مطلوب بت سب ضعیف و کمزور ہیں تو ایسوں کو مسیخہ مقابلہ میں پوچھا کہاں کی عقلمندی ہے

وَالْمَطْلُوبُ ﴿۳۵﴾ مَا قَدَّرُوا وَاللَّهُ حَقُّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۳۶﴾

اور مطلوب نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو جو پہچاننے کا حق تھا تحقیق اللہ قوت والا غالب ہے

اللَّهُ يُصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۳۷﴾

اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے تحقیق اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۳۸﴾

وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور اللہ کی طرف بازگشت ہے معاملات کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

اسے وہ لوگ جو ایمان لائے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور کرو

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۳۹﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ﴿۴۰﴾

بھلائی تاکہ تم فلاح پاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد

اور طالب و مطلوب سے مراد تجارتی اور بت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن کی یہ مثال اور تنبیہ صرف کفار مکہ تک محدود نہیں بلکہ تاقیامت ہر مشرک کے لئے درس آموز مثال ہے۔ پس سب کا حاجت روا ایک اللہ ہے۔ وہی مشکل میں پکارنے کے لائق ہے اور وہی دے سکتا ہے۔ فرشتے اور رسول اس کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ لیکن کسی کو کچھ دینے اور دے سکنے والا صرف وہی ایک ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے علاوہ حاجت روائی کے لئے کسی نبی یا ولی کو پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی اس بیان کردہ مثال سے درس عبرت حاصل کریں۔ ہم پر اللہ کا یہ احسان عمیم ہے کہ اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے اس نے ہمارے لئے محمد و آل محمد علیہم السلام کو وسیلہ مقرر فرمایا ہے۔ اور ہمیں اس وسیلہ سے تسک کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

الْخَيْرُ پہلے رکوع سجدہ اور عبادت کا بالعموم حکم دیا اور پھر بدنی عبادت کے ساتھ تمدنی نیکیوں کے بجالانے کا حکم صادر فرمایا کہ ہر قسم کی نیکی و بھلائی کا عمل کرو۔ مثلاً دکھوں کی فریاد رسی۔ بھوکوں پیاسوں کی خبر گیری۔ کمزوروں محتاجوں کی دست گیری۔ والدین سے احسان اور ہمسایوں سے حسن سلوک وغیرہ

وَجَاهِدُوا۔ ہر بڑائی سے بچنے کی کوشش اور ہر قسم کی نیکی کی طرف اقدام راہ خدا میں جہاد ہے بلکہ تلوار و نیزہ کے جہاد کے مقابلہ میں یہ جہاد اکبر ہے۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِثْلَهُ

اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور نہیں رکھی اس نے تم پر دین میں کوئی حرج ملت تمہارے

أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ

باپ ابراہیم کی اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں تاکہ

الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا

رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ رہو پس قائم کرو

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ

نماز کو اور دو زکوٰۃ اور تمک رکھو اللہ سے وہ تمہارا مولا ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۸۸﴾ ع

پس وہ بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے

مِثْلَهُ أَبِيكُمْ یہاں فعل محذوف ہے یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو۔ اور حضرت ابراہیم کو سب کا باپ کہا گیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت اس طرح واجب ہے جس طرح باپ کی اطاعت بیٹوں پر واجب ہوتی ہے  
هُوَ سَمُّكُمْ یعنی یہ مسلمان کا نام ان کا تجویز کردہ ہے جب کہ انہوں نے دعائیں کہا تھا وَمِنْ قَبْلُ يَتَّبِعُ الْاُمَّتَ تَرْتَابًا  
اور تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ ان کے حقیقی مصداق آل محمد ہیں۔ پس رسول ان پر گواہ ہے اور باقی امت پر گواہ ہیں۔ حضرت رسالت مآب کی شہادت یہ ہوگی کہ وہ کہیں گے۔ میں نے اپنی شریعت اور اپنا دین ان تک پہنچا دیا تھا اور ان کے حواس لے کیا تھا اور ان کی شہادت یہ ہوگی کہ ہم نے رسول کی شریعت کو لوگوں تک ویسے پہنچایا تھا جس طرح ہم تک پہنچی تھی۔ نہ ہم نے اس میں کچھ کمی کی اور نہ زیادتی بلکہ پوری پوری حفاظت کے ساتھ دین کی تبلیغ کی اگرچہ اس سلسلہ میں ہم کو ہر ممکن طریق سے ستایا گیا۔ گھروں سے نکالا گیا قید و بند میں رکھا گیا۔ انسانی آزادی ہم سے سلب کر لی گئی۔ ہر ممکن ظلم ہم پر روا رکھا گیا۔ بچے شہید ہوئے۔ جوان ذبح ہوئے۔ عورتوں کو اسیر کیا گیا۔ اور ایسے مصائب کے پہاڑ ڈھائے گئے کہ تصور کرتے ہوئے دل تھراتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ



تیرے دین کی حفاظت کے لئے ہم نے برداشت کیا اور لوگوں تک صحیح دین پہنچایا۔

پارہ

# سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

یہ سورہ لکھی ہے۔

- اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے اور بسم اللہ کو ملا کر ایک سو انیس ہے۔
- ۱- حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص سورہ مؤمن کی تلاوت کرے گا اس کو فرشتے بروز محشر روح وریحان کی خوش خبری سنائیں گے اور ملک الموت کی آمد پر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرے گا۔
  - ۲- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو ہر جمعہ میں سورہ المؤمنون کی تلاوت کرتا رہے اس کا خاتمہ نیک ہوگا اور فرودس بریں میں اس کی جگہ بنیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوگی۔
  - ۳- جو شخص اس کو لکھ کر شراب کے گلے میں باندھے تو وہ شراب سے نفرت کرے گا اور پھر کبھی اس کے نزدیک نہ جائے گا بلکہ اس کا نام تک نہ لے گا۔
  - ۴- ایک روایت میں ہے کہ رات کو لکھ کر سفید پارچہ میں باندھ کر جس کے گلے میں ڈالی جائے وہ شراب کے کبھی قریب نہ جائے گا۔ بلکہ اس کو مبغوض نگاہوں سے دیکھے گا۔

منقول از خواص القرآن (برٹن)

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

## قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ

تحقیق چھٹکارا پایا مؤمنوں نے جو اپنی نماز میں

رکوع نمبر بیت اللہ میں علی اللہ کی آمد تفسیر بیان میں بروایت مجالس شیخ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن عباس بن عبد المطلب یزید بن قعب اور قریش کے دیگر سربراہ اور وہ اشخاص بیت اللہ کے سامنے باہمی گفتگو میں مشغول تھے کہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تشریف لائیں اور بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ انہیں دردِ زہ محسوس ہوا تو آسمان کی جانب آنکھ اٹھا کر ان لفظوں میں مناجات کی۔ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور ہر اس شے پر جو تیری طرف سے تیرا رسول لایا ہے اور تیرے تمام نبیوں پر اور کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ اور میں اپنے جد حضرت ابراہیم خلیل کی فرمائشات کی تصدیق کرتی ہوں۔ اور یہ سمجھتی ہوں کہ انہوں نے تیرے اس مقدس گھر کی تعمیر فرمائی تھی۔ پس میں اس گھر کا گھر کے بنانے والے کا اور اس بچے کا جو میرے شکم میں میرے ساتھ بولتا اور مجھے مانوس رکھتا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ تیری نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگا، کے حق کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ مجھ پر اس کی ولادت کا مرحلہ آسان فرما۔

عباس کہتا ہے فاطمہ بنت اسد کے کلام کرنے اور دعا مانگنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ پشت کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور فاطمہ اندر چلی گئی۔ پس ہم سے غائب ہو گئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ دیوار کعبہ حسب سابق ملی گئی باذن پروردگار۔ ہم نے دروازہ کو کھولنا چاہا تاکہ عورتوں کو اندر بھیجیں لیکن وہ نہ کھل سکا۔ پس ہم سمجھے کہ یہ کوئی خدائی راز ہے۔ بی بی متواتر تین دن بیت اللہ کے اندر رہی اور ان دنوں پورے شہر مکہ میں اس بات کا عام چرچا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی زبان پر گلی کوچوں میں بھی یہی ذکر ہوا کرتا تھا اور پردہ نشین محذرات کا اپنے گھروں میں موضوع گفتگو یہی قصہ تھا۔ چنانچہ تین دن کے بعد بیت اللہ کی دیوار اسی مقام سے دوبارہ شق ہوئی اور اپنے مقدس ہاتھوں پر سلطان ملک معرفت شہنشاہ اقلیم ولایت اختر برج امامت اور زبیر آسمان خلافت حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کو اٹھائے ہوئے بی بی کعبہ سے برآمد ہوئی اور اپنی زبان گوہر بار سے چند موتی بکھیرے جن کو در شہوار سمجھ کر حاضرین نے اپنے دامن میں لیا۔

رے لوگو! مجھے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ممتاز فرمایا اور پہلے کی تمام برگزیدہ خواتین پر مجھے کرامت و فضیلت بخشی خدا نے جناب آسیہ بنت مزاحم کو چنانچہ چھپ کر ایسے مقام پر اس کی عبادت کرتی تھی کہ اگر مجبوری نہ ہو تو ایسے مقامات پر عبادت کرنے سے اللہ خوش نہیں ہوتا اور مریم بنت عمران پر عیسیٰ کی ولادت آسان ہوئی تو جنگل کی خشک کھجور کو ہلانے سے اس کو تروتازہ

پہلے عطا ہوا۔ اللہ نے مجھے اس پر اور پہلے کی تمام مستورات پر یہ شرف بخشا ہے کہ میرا بچہ اس کے مقدس گھر میں پیدا ہوا اور تین دن متواتر اللہ کی مہمان رہ کر جنبت کے دسترخوان سے میوہ ہائے بہشت کھاتی رہی ہوں اور جب بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر میں نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو نذائے ہاتھ بندھی۔ اسے فاطمہ! اس کا نام علی رکھنا کیونکہ میں علی اعلیٰ ہوں اور اس کو میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے نیز میں نے اپنے درس توحید سے اس کو تعلیم دی ہے اپنے امور شرعیہ اس کے سپرد کئے ہیں اپنے علم سے اس کو بہرہ ور کیا ہے۔ میرے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ سب سے پہلے میرے گھر کی کھیت پر بند ہو کر میرے نام کی اذان کہے گا اور بتوں کو توڑ کر پھینکے گا اور میری عظمت مجد اور توحید کا علم بلند کرے گا اور میرے حبیب کے بعد میری مخلوق کا امام و قائد ہوگا۔ پس اس کے محبت و نام کے لئے طوبیٰ ہے اور اس کے نافرمان اور منکر حق کے لئے ذیلت ہے۔

حضرت ابوطالب بیٹے کا مژدہ جانفزا سن کر فرط سرور میں آگے بڑھے تو قرآن ناطق نے اپنے لبھائے نازنین کو جنبش دی۔ پس اس کے دو گار نے اپنے والد عالی مقدار کو سلام کیا۔ **السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَةَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُہٗ۔** اتنے میں سلطان الانبیاء حضرت رسالت پناہ فرط مسرت اور جوش عقیدت سے اپنی وصی کو بیت اللہ سے لینے کے لئے تشریف آور ہوئے تو اللہ کے گھر سے آنے والے نور و مہمان نے آنکھیں کھولیں اور سید الانبیاء کو اپنے لئے چشم برہہ دیکھ کر فرط انبساط سے ماں کے ہاتھوں پر چھو منے لگے۔ پس رسالت کی آنکھ سے آنکھ ملا کہ مسکراتے ہوئے عقیدت مند ان سلام عرض کیا۔ **السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُہٗ۔** پھر تخنخ کر کے قرآن ناطق نے قرآن صامت کی تلاوت شروع کر دی۔ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تَدْفَعُ الْاٰمِنِ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ حٰشِعُوْنَ۔** الخ۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا بے شک وہ تیری ہی بدولت فلاح و کامیابی حاصل کریں گے اور خدا کی قسم تو ہی ان کا امیر ہوگا اور ان کو علم کی خیرات تجھ سے ہی ملے گی اور تو ہی ان کا ہادی و رہبر ہوگا۔ حضور نے ہاتھوں پر لیا اور جناب فاطمہ سے فرمایا کہ جا کر حضرت حمزہ کو اطلاع دیجئے اور مبارکباد کہئے۔ بی بی نے عرض کی حضور! اگر میں چلی جاؤں تو بچہ کی غذا کا بندوبست کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا میں جو موجود ہوں۔ بی بی نے ازراہ تعجب پھر دریافت کیا کہ آپ اس کو غذا دیں گے؟ فرمایا ہاں میں دوں گا۔ حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور نے جھک کر دم مبارک کھولا اور اپنی زبان وحی ترجمان کو علی کے منہ میں رکھا پس علوم نبوت و رسالت بصورت غذا بیت بارہ چشمے بن کر جاری ہوئے جو فنا فوجرت منہ اشنتا عشر عینا کی مکمل تفسیر تھے۔ جب جناب فاطمہ حضرت حمزہ کو علی کی ولادت باسعادت کی نوید مسرت افزا سنا کر واپس پلٹیں تو حضرت علیؑ کے رخ انور سے تاب آسان ایک نور ساطع و لامع دیکھا۔

پس بی بی نے ایک قماط (بندھنا) میں بانڈھا شیر خدا نے ایک ہی انگڑائی سے اسے توڑ دیا۔ پھر مضبوط کپڑے سے دوبارہ بندھنا بانڈھا علی نے ایک پہلو بدل کر اس کو بھی توڑ دیا۔ تیسری بار دو کپڑے کے تہہ کر کے بانڈھا لیکن وہ بھی نہ ٹھہر سکا۔ چوتھی بار تین تہہ مضبوط رکھے اور وہ بھی پھٹ گئے۔ پانچویں دفعہ مہری مضبوط کپڑے سے تہہ کر کے قماط بانڈھا تو علی کے زور بازو سے وہ بھی ٹوٹ گیا۔ پس چھٹی مرتبہ ریشمی مضبوط کپڑے کی پانچ تہوں سے بانڈھا۔ جب وہ بھی ٹوٹ گیا تو ساتویں بار چھ ریشمی کپڑے کے

تہوں کے اوپر ایک چمڑے کا تہ رکھ کر باندھا لیکن علیؑ کی قوت یہ الہی کے مقابلہ میں یہ حیلہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ انگریزی لیتے ہی انہیں توڑ دیا اور ماں کی طرف نظر اٹھا کر اپنی زبان معجز بیان حق ترجمان سے کہا۔ اماں جان! میرے ہاتھ مت باندھیے کیونکہ میں انگشت شہادت اٹھا کر توحید پروردگار کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت ابوطالب نے یہ سب ماجرا دیکھ کر فرمایا یہ سچے نرالی شان اور انوکھی آن بان لے کر آیا ہے جس کو آنے والا زمانہ مشاہدہ کرے گا۔

دوسرے دن حضرت رسالت مآبؐ تشریف لائے تو حضرت علیؑ زیارت پیغمبرؐ سے مشرف ہو کر مسکرا دیئے اور شوق وصال میں آپ کی طرف مائل ہوئے تاکہ زبان وحی ترجمان سے لعاب دہن رسالت کی چاشنی کا شرف مکر حاصل ہو۔ پس حضورؐ نے دستِ رحمت دراز کئے۔ علیؑ فوراً گودِ مادر سے آغوش رسالت میں جا پیچھے اور قرآن کی طرح سینہ پیغمبرؐ کی حائل بن گئے۔ اور حضرت ابوطالب نے ولیمہ کیا جس میں تین سواونٹ نحر کئے اور ایک ہزار گائے و بکریاں ذبح کیں۔ چنانچہ مکہ اور اطراف نواح کے لوگوں کو بالعموم کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کعبہ کا طواف کرو اور میرے عظیم فرزند کی زیارت کر کے اس کا سلام بھی کرو۔ (المخصا)

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نے پہلے پہل جنت کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ کلام کر تو پہلے کلام جو جنت نے کی وہ یہ تھی۔ **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ**۔

قَدْ کا لفظ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور گذشتہ واقعہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے لیکن بعض اوقات مستقبل میں ہونے والے یقینی واقعہ کو فعل ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے قریب الوقوع ہونے کو ظاہر کیا جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے **قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ**۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مستقبل قریب میں نماز قائم ہونے والی ہے۔ پس اس مقام پر مقصد یہی ہے کہ مستقبل قریب میں مومن لوگ فلاح پائیں گے۔

**خَاشِعُونَ**۔ یعنی حالتِ ناز میں حدود و غائر کی پوری پوری پاسداری کریں اور اس کے آداب مستجاب اور مکروہات کی رعایت کریں پاؤں اپنے مقام پر صحیح حالت میں ہاتھ اپنی جگہ پر نظر اپنے مقام پر بلکہ نازی کا ہر عضو مصروف یا دپروردگار ہو۔ مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک نازی کو حالتِ ناز میں ڈاڑھی کو خلال کرتے دیکھا تو فرمایا۔ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا دل اگر یا دپروردگار میں مشغول ہو تو باقی اعضاء میں بے راہ روی اور آوارگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اور حضورؐ سے مروی ہے کہ اگر اعضاء میں کوئی شخص خشوع کو ظاہر کرے اور دل میں خشوع نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک نفاق شمار ہوتا ہے۔

**عَنِ اللَّغْوِ** لغو سے مراد ہر وہ قول یا فعل جس کا کوئی فائدہ عقلانی نہ ہو اور ابن عباس سے منقول ہے کہ لغو کا معنی ہے باطل۔ بعضوں نے گناہ یا جھوٹے یا دشنام طرازی کو لغو کا معنی قرار دیا ہے۔ علی حسب الاقوال۔ اور مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے لغو سے اعراض کرنے کا مقصد یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے اوپر بہتان طرازی کرے

خَشِعُونَ ﴿۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾

نشوع کرتے ہیں اور وہ جو لغو سے منہ پھرنے والے ہوتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ

اور وہ جو زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کے محافظ ہوتے ہیں

﴿۵﴾ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاُولَٰئِكَ لَا مَلَمَۃٌ لَّهُمْ

مگر اپنی بیویوں سے یا ان سے جن کے وہ مالک ہوتے ہیں پس وہ قابلِ ملامت نہ ہوں گے

اور ایسی بات بیان کرے جو سمجھ میں نہ ہو تو رضاء پروردگار کی خاطر اس سے چشم پوشی کرے اور منقول ہے کہ قریش مکہ حضرت رسالتؐ اور آپ کے صحابہ کو گالی دیتے تھے پس آپ کو ان سے اعراض کرنے کا حکم ہوا۔ ایک روایت میں گانا اور ہر قسم کا کھیل تماشائے لغو میں شمار کیا گیا ہے۔

بروایت ارشاد مضیہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے ہر وہ قول جس میں ذکر نہ ہو لغو ہے۔

اعتقادات میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قصہ خوان لوگوں کا سنا جائز ہے یا تو آپ نے

فرمایا نہیں۔

تنبیہ: اب ذرا چشم انصاف سے بانگِ ذہل ایمان کا دعویٰ کرنے والے جنت کے ٹھیکیدار اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ قرآن کی روشنی میں اپنے اندر ایمان کی قندیل کس حد تک روشن ہے اور مومنوں کی علامات کس قدر موجود ہیں؟ خدا کی قسم دل تھرتاتا ہے۔ جگر کانپتا ہے اور آنکھیں فرط غم سے ڈبڈب جاتی ہے جب دورِ حاضر کی عیاشانہ عزا داری پر نظر اٹھتی ہے جس میں سوائے راگ و رنگ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مجلس کا تقدس یکسر ختم ہو کر رہ گیا ہے اور عزا داری کا وقار برائے نام بھی نہیں رہا۔ مجلس حسین صرف اکھاڑ کی صورت میں باقی ہے۔ بالعموم اس میدان میں قدم رکھنے والے عزا داری کے نام اور اس کے تقدس کی آڑ میں عیاشی و فحاشی کے وہ کھیل کھیلتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کا مہذب طبقہ تو درکنار غیر مہذب افراد کے دل و دماغ میں بھی اس کا تصور تک نہ آتا ہوگا۔

معیار مجلس معیار عزا معیار تقریر معیار کامیابی اور معیار مقبولیت جو آل محمد نے بیان فرمائے تھے ان کے مفہیم یکسر بدل دیئے گئے ہیں ہاں میں اچھے ذاکر معیار ہے خوش آوازی اور حسن گو کاری۔ اچھے مقرر کا معیار ہے حاضرین کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے لئے ان کی ذہنی عیاشی کی خاطر چٹکوں اور تک بند یوں پر مشتمل مضحکات و مبکیات کا مناسب بیان اور اسی طرح اچھے واعظ کا معیار ہے۔ جنت کا سمتے داموں فروخت کرنا اور حاضرین کے لئے آتشِ جہنم حرام قرار دینا یعنی نیک

احمال کو سبک ثابت کرنا اور بد اعمالی پر جرأت دلانا و علیٰ ہذا القیاس۔ ایسے روح فرسا اور جگر سوز حالات میں بائیانِ مجلس اور سامعین میں خلوص پیدا ہو تو کیزنگ اور احساسِ مذہب ہو تو کس لئے؟ اگر علمائے حقہ اپنی آنکھیں بند کر کے گوشہ تنہائی کو اختیار کر لیں۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی ناقابلِ عفو جرم ہے۔ اور اگر نصیحت کے لئے زبان کھولیں تو پیشہ ور قاصدانِ منبر اپنے لقمہ ترکی خاطر ان کا گلاب دانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور اٹا چور کو نوال کو ڈانٹنے والی ضرب المثل کے مطابق علمائے نامحین کو دین دشمن کہہ کر حفاظتِ دین پر اپنی اجارہ داری کا ڈھنڈو وراپیتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک مومن کا جو معیار ہے وہ ان آیات مجیدہ میں بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مومن کی پہلی نشانی ہے کہ نماز میں خشوع کرتا ہو اور اس کے برعکس ہمارے معاشرہ میں نماز میں خشوع تو درکنار پکا مومن اس کو سمجھا جاتا ہے جو سال ہی ایک آدھ مجلس منعقد کر لے اور ذاکر مقویا و اعظما کی حسبِ مشاخصت کر دے خواہ عمر بھر نماز کا ایک سجدہ بھی ادا نہ کرے مومن کی دوسری نشانی قرآن مجید نے لغو سے اعراض کرنا بتایا ہے اور ہمارے معاشرے میں راگ و رنگ اور گلوکاری کو مجالسِ عزاکا طرہ امتیاز قرار دیا گیا ہے اور جو اس بد عنوانی سے روکے اسے دشمنِ عزاداری سمجھا جاتا ہے۔ مومن کی تیسری نشانی زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے لیکن ادھر معاملہ کچھ اور ہے عزاداری پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ کرنے والے زکوٰۃ واجبہ اور خمس کے ادا کرنے میں اتنا درجہ کے بخیل ہوتے ہیں حالانکہ مالِ غیر مذکورہ وغیر خمس سے خرچ کرنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور ایسے مال سے نہ نذراری مقبول ہوتی ہے نہ عزاداری۔ ایسے بائیانِ مجلس کو ذاکر و مقرر یا روضہ خوان و داعظ وہی پسند ہے جو بائیانِ مجلس کی خوشنودی کی خاطر منبرِ حسین پر زکوٰۃ و خمس کا نام تک نہ لے۔ پس عزاداری پر خرچ کرنے والے کے لئے جنت کی پیشکش ہر مجلس میں کرتا رہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ایک قیراط کے برابر بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو نہ وہ مومن ہے نہ مسلمان اور نہ اس کی نماز مقبول ہے۔ مومن کی چوتھی علامت ہے اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھیں۔ خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور قرآن نے جو معیار اہل ایمان کا مقرر فرمایا ہے خدا ہمیں اس پر پورا اترنے کی توفیق دے۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ ۙ  
 میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عورتیں مردوں پر نہیں طریقہ سے حلال ہوتی ہیں (۱) نکاح بمراثہ یعنی وہ نکاح جس میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور وہ نکاح دائمی ہے (۲) نکاح بلا مراثہ یعنی وہ نکاح جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور وہ نکاح متعہ ہے (۳) نکاح سبک یمین۔ یعنی وہ عورت جو لونڈی ہو اور جائز طریقہ سے اس کی کینزی میں داخل ہو گذشتہ زمانہ میں اس کا رواج عام تھا۔ آج کل ہمارے ہاں یہ سلسلہ نہیں ہے۔ بروایت کافی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا متعہ حلال ہے لیکن عقیف اور پاک دامن عورت سے کرو اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حضرت سائمتہ

فَمِنْ ابْتِغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ﴿۷﴾ وَالَّذِينَ

پس جو خواہش کرے اس سے آگے تو وہ سرکش و ظالم ہوں گے اور وہ جو

هُم لِمَنَّتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ﴿۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کر نیالے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی پابندی

يَحَافِظُونَ ﴿۹﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفِرْدَوْسَ

کرتے ہیں ایسے لوگ ہی وارث ہوں گے (جنت کے) وہ پائیں گے جنت کو کہ وہ اس میں

سے بھی مروی ہے کہ عورت مرد پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہے۔ نکاح دائمی جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ نکاح متعہ جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور تیسرے ملک میں یعنی لونڈی جس کو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے۔

لِلْمَنَّتِ هِيَ۔۔۔ یہ مومن کی پانچویں علامت ہے کہ وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ امانتیں دو قسم کی ہیں (۱) اللہ کی طرف سے (۲) بندوں کی جانب سے۔ پس اللہ کی طرف سے امانت یہ ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ جملہ عبادت کو صحیح طور پر ادا کرے اور بندوں کی جانب سے امانت مثلاً ودیعت و عاریت خرید و فروخت اور شہادت وغیرہ ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں دیانت داری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَعَهْدِهِمْ۔۔۔ یہ مومن کی چھٹی علامت ہے کہ عہد کی وفا کرے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عہد تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) اللہ کے اوامر (۲) نذر و منت (۳) عقود۔ پس مومن پر ان ہر قسم کے عہدوں کا ایفا واجب و لازم ہے اللہ کی طرف سے عائد شدہ احکام کی پاسداری کے متعلق ارشاد و قدرت ہے۔ اَوْفُوا بِالْعَهْدِ هِيَ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ اسی طرح نذر عہد اور قسم وغیرہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے اور خلاف و نزی کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہو جاتا ہے اور عقود سے مراد نکاح طلاق اور بیع و شراکے جملہ باہمی معاملات میں انسان کو اپنے عہد و پیمانہ کا پابند ہونا چاہیے۔ گویا آیت مجیدہ میں حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق الناس تمام حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے اور انسان کی صحیح معاشرتی زندگی اور کامیاب تمدنی حیات کا راز اسی میں مضمر ہے۔

يَحَافِظُونَ۔۔۔ مومن کی ساتویں نشانی ناز کی پابندی ہے۔ پہلی نشانی ناز میں خشوع اور آخری نشانی ناز کی پابندی بیان کر کے ناز کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ علامات مومن قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد ص ۱۶۳ تا ۱۸۰ بیان کی ہیں۔



النَّوَارِثُونَ یعنی وہ مومن جن میں صفات مذکورہ پائی جائیں گی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور چونکہ وراثت کا اطلاق ایک سے دوسرے کی طرف استحقاق کی بنا پر ملکیت کے منتقل ہونے پر ہوتا ہے مثلاً باپ کے بعد بیٹے کی طرف حق ملکیت کے منتقل ہونے کا نام وراثت ہے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں وراثت کا کیا مطلب ہے جب کہ وہاں موت ہی نہ ہوگی ہے نیز جنت کی آبادی کا سلسلہ ہی اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ عدل الہی کے بعد فیصلہ ہو چکے گا۔ پس ایک ہی وقت میں جنتی جنت میں جائیں گے اور کچھ وقفہ کے بعد جانے والے بھی اپنی امگ اور مخصوص جگہوں کی طرف جائیں گے جو انہی کے لئے ہوں گی نہ کسی کی متروکہ ملکیت پر بطور وارثہ پہنچیں گے اور جنت کا قیام دنیاوی قیام کی طرح نہیں ہے کہ ایک گروہ پہلے آباد ہو پھر ان کے چلے جانے کے بعد دوسروں کو حق رہائش دیا جائے بلکہ وہاں تو سب نے بیک وقت رہنا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو اس کا جواب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتاؐ سے مروی ہے کہ ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر موجود ہیں ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔ پس جو شخص مرنے کے بعد مستحق عذاب ہو اور دوزخ میں چلا جائے تو جنت میں جانے والے اُس کے جنت والے مکان کے وارث ہوں گے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے جنت میں اور دوزخ میں ایک ایک مکان موجود ہے۔ پس جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے تو ایک منادی کی آواز آئے گی۔ اے جنت والو! سر بلند کر کے دوزخ کی طرف جھاٹکو۔ چنانچہ ان کو اپنے دوزخ والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نافرمانی کرتے تو تمہارا ٹھکانا ان گھروں میں ہوتا۔ پس اگر خوشی کے مارے وہاں موت ہوتی تو اہل جنت خوشی سے مرجاتے کہ خدا نے ان کو اس دائمی عذاب سے بچالیا ہے پھر منادی اہل دوزخ کو نداء دے گا کہ سر بلند کر کے اوپر دیکھو۔ پس ان کو اپنے جنت والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نیک عمل بجالاتے تو ان گھروں پر تمہاری رہائش ہوتی۔ پس اگر غم کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوتی تو اہل دوزخ جنت کے فراق کے غم میں مرجاتے۔ پس اہل جنت دوزخیوں کے جنت والے گھروں کے وارث ہوں گے اور اہل دوزخ جنتیوں کے دوزخ والے گھروں کے وارث ہوں گے۔ گویا جنتیوں کے لئے یہ امر مزید سرور و انبساط کا موجب ہوگا اور دوزخیوں کے لئے یہ اندوہناک بات باعث زیادتی حسرت و اربابان ہوگی اور یہی مضمون تفسیر کی نوین جلد سورہ طہ میں ان منکما لا وادعھا کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے ص ۱۵۵

سلاکت ص ۵۹۔ وہ نچوڑ یا جوہر جو کسی دوسرے جسم سے حاصل کیا جائے اس کو سلاک انسان کی پیدائش کا ذکر کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر بیٹے کو سلاک یا سلیلہ بھی کہتے ہیں اور انسان کی پیدائش ایک جوہر سے ہے جو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے یہ جوہر یعنی مادہ منور بصورت نطفہ ایک وقت مقرر تک مناسب قرار گاہ یعنی عورت کے رحم میں رہتا ہے پھر اس کے بعد ایک وقت تک وہ نطفہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر ایک مقررہ ميعاد تک

هُم فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہر انسان کو ایک جوہر سے جوٹی سے

طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فِي قَرَارِ مَكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا

سے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ مناسب قرار گاہ (رحم) میں پھر بنایا ہم نے

النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا

نطفہ کو خون بستہ پس بنایا ہم نے خون بستہ کو لوتھڑا پس بنایا اس لوتھڑے سے ہڈیوں کو

وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس قدرت کی صنعت کاری سے اس میں ہڈیاں بنتی ہیں اور ان کو گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے اور اوپر چڑھے کا پردہ دے کر حکم پروردگار اس میں روح انسان کو داخل کیا جاتا ہے اور وہ ایک نئی مخلوق کا روپ دھار لیتا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے متعدد روایات منقول ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس دن علقہ یعنی خون بستہ پھر چالیس دن مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پس اس کے بعد نہر یا مادہ بنتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ لڑکے کے لئے دعا چار ماہ تک مانگی جائے کیونکہ چار ماہ یعنی ایک سو بیس دن پورے ہو جانے کے بعد وہ لڑکا یا لڑکی بن جاتا ہے اور اس میں نفوس روح ہو جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح داخل ہونے سے پہلے جنین (بچے) کی دیت

**حمل کا خون بہا** ایک سو دینار مقرر کی گئی ہے یعنی اس زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل ساقط کرے تو اس پر ایک سو دینار جنین دینے کے لئے واجب بہا واجب الادا ہو گا اور منی کے قرار پڑنے سے جنین بننے تک پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی منزل نطفے کی دوسری منزل علقے کی تیسری منزل میں مضغہ جو تھی منزل میں ہڈیوں کی پیدائش اور پانچویں منزل میں ہڈیوں پر گوشت و پوست کا لباس۔ پس پانچویں منزل کامل ہونے کے بعد وہ جنین کہلاتا ہے اور اس کے ساقط کرنے کی دیت خون بہا ایک سو دینار ہے اور اس سے پہلے کی ہر منزل کے لئے بیس دینار ہوں گے۔ چنانچہ نطفے کے اسقاط کی دیت بیس دینار ہوگی، علقے کے ساقط کرنے پر دیت چالیس دینار ہوگی۔ مضغہ کی دیت ساٹھ دینار ہڈیاں پیدا ہونے کے بعد دیت اسی دینار اور گوشت پوست پہن لینے کے بعد ایک سو دینار دیت ہوگی۔ اس کے بعد جب روح داخل ہو جائے اور نیا روپ اختیار کر لے تو اس کے ساقط کرنے کی دیت پورے انسان کا خون بہا یعنی ایک ہزار دینار ہو جائے گی جب کہ وہ نہ کر ہو لیکن اگر مونسٹ ہو تو اس کی دیت نصف یعنی پانچ سو دینار ہوگی۔

اگر حاملہ عورت قتل ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ کامل موجود ہو لیکن وہ ساقط نہ ہو۔ پس نہ اس کے مذکر یا مؤنث

فَكُونُوا الْعِظَمَ لِحَمَاتِهِمْ أَنشَأْنَهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَرَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ

پس پہنایا بڑیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک الگ مخلوق پس بابرکت ہے اللہ جو بہترین

الْمُخْلِقِينَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

خالق ہے پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن

ہونے کا پتہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی موت ماں کی موت کے بعد واقع ہوئی ہے یا ساتھ یا پہلے تو اس سچے کی دیت لڑکے اور لڑکی کی دیت کے مجموعے کا نصف ہوگی اور اس کے بعد عورت کی پوری دیت اس کے علاوہ واجب ہوگی اور چینی کی چھٹی منزل ہوگی۔ (پوری دیت)

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے سلیمان بن خالد کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اے فرزند رسول اگر کوئی شخص لطفے کا اسقاط کرے اور اس کے ساتھ ایک خون کا قطرہ بھی نکلے تو اس کی دیت کتنی ہوگی؟ آپ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ کی دیت لطفے کی دیت کا دسواں حصہ ہوگی۔ پس لطفے کے لئے بیس دینار اور قطرہ خون کے لئے دو دینار کل بائیس دینار دیت ہوگی۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا اگر خون کے دو قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا پچھبیس دینار دیت ہوگی۔ میں نے کہا اگر تین قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۶ دینار دینے پڑیں گے میں نے پوچھا اگر چار قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۸ دینار دیت ہوگی۔ پھر میں نے عرض کی اگر پانچ قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا تیس دینار دیت ہوگی۔ اس کے بعد یہی حساب ہوگا۔ پھر جب علقہ ہو جائے تو چالیس دینار ہو جائے گی۔ میں نے پوچھا اگر لطفہ خون سے لٹھا ہوا ہو تو آپ نے فرمایا اگر خون صاف ہے تو علقہ شمار ہوگا اور دیت چالیس دینار ہوگی لیکن اگر خون سیاہ قسم کا ہے تو وہ رحم کا خون ہوگا اور دیت لطفے کی بیس دینار رہے گی۔ سائل نے پوچھا اگر علقے میں ایک رگ یا گوشت کی شکل نظر آئے تو آپ نے فرمایا چالیس پر دو بڑھ جائیں گے۔ راوی نے پوچھا کہ چالیس کا دسواں تو کیا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس کا دسواں نہیں بلکہ مضعے کا دسواں حصہ بڑھانا ہوگا اور وہ دو دینار ہیں اور ساتھ تک یہی حساب رہے گا اور مضعے کی دیت ساتھ دینار ہوگی پھر اگر بڑی پیدا ہونے لگے تو چار دینار بڑھ جائیں گے یہاں تک کہ اسی دینار تک پہنچ جائے اور راوی نے پوچھا کہ جب بڑیوں پر گوشت آنا شروع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اسی طرح حساب کرتے جاؤ یہاں تک کہ ایک سو تک پہنچ جائے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو مگامائے اور سچے سا قطہ ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ تھا یا مردہ تو آپ نے فرمایا کہ جب حمل چار ماہ کا ہو جائے تو وہ زندہ ہی ہوتا ہے، لہذا اس کو پوری دیت ادا کرنی پڑے گی۔

أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ وَفِي هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ اسْمَ الْخَلْقِ قَدْ يُطْلَقُ

عَلَىٰ فِعْلِ غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى الْأَنَّ الْحَقِيقَةَ فِي الْخَلْقِ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ فَقَطِّانَ الْمَوَادِّ مِنَ الْخَلْقِ إِيجَادِ الشَّيْءِ مُقَدَّمًا لَتَعْدِيهِمْ لَا تَفَاوُتَ فِيهِ وَهَذَا أَلَمَّا يَكُونُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ الْأَمْرُ - ترجمہ - آیت مجیدہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلق کا لفظ بعض اوقات غیر اللہ کے فعل پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقی اطلاق صرف اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے ہی ہے کیونکہ خلق کا معنی ہے شیء کا ایسے انداز سے ایجاد کرنا کہ اس میں کوئی تفاوت نہ ہو اور یہ صرف اللہ سے ہی ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ خود ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ خلق اور امر صرف اس کی ذات کے لئے ہی ہے۔

بعض اہل منبر سادہ لوح عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کی خاطر اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ کی لفظ کا سہارا لے کر محمد و آل محمد کو خالق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح خیر الرازقین کی لفظ سے ان کا رازق ہونا ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے باقی سب کو پیدا کیا اور خدا نے معاملہ خلق و رزق ان کے سپرد فرمایا ہے۔ مذہب شیعہ میں یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس کا قائل بلا شک و شبہ مشرک و نجس ہے۔ چنانچہ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ مَنْ زَعَمَ أَنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ أَعْمَالَنَا ثُمَّ يُعَذِّبُنَا عَلَيْهَا فَقَدْ قَالَ بِالْحَبْرِ وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَضَّ أَمْرَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ إِلَىٰ أَحَبِّهِ فَقَدْ قَالَ بِالتَّفْوِيضِ وَالْقَائِلُ بِالْحَبْرِ كَأَنَّهُ وَالْقَائِلُ بِالتَّفْوِيضِ مُشْرِكٌ - ترجمہ - جو شخص یہ کہے کہ خدا خود ہمارے اعمال کا خالق ہے۔ اور پھر ہمیں عذاب بھی دے گا تو وہ جو قائل ہے اور جو یہ گمان کرے کہ تحقیق اللہ نے خلق و رزق کا معاملہ اپنے نایندوں (محمد و آل محمد) کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے۔ حالانکہ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔ ایک اور مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ إِلَيْنَا الْخَلْقُ وَعَلَيْنَا الرِّزْقُ فَنَحْنُ إِلَيْكَ مِنْهُ بَوَاءٌ كَبْرًا عَيْشِيُّ بْنُ مَرْيَمَ مِنَ النَّصَارَى - ترجمہ - اور جو یہ سمجھے کہ خلق و رزق کا معاملہ ہمارے سپرد ہے تو اے اللہ! ہم تیری طرف ایسوں سے بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام نصاریٰ سے بیزار تھے۔ ہم نے اپنی کتاب لغت الانوار فی عقائد الابرار میں اس موضوع پر کافی تبصرہ کیا ہے اور مشکلیں کے شبہات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔ نیز مقدمہ تفسیر کے آخر میں بھی اس مسئلہ کو حل کیا ہے جو منصف طبع لوگوں کی قسی کے لئے کافی ہے۔

دور حاضر کی اندھیر گردی دھاندلی اور دیدہ دلیری کے انتہائی رُوح فرسا بلکہ جان لیوا مصائب میں سے ہے کہ دینِ خلفد اپنیوں کے ہاتھوں کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے۔ شرک کا نام توحید پرستی کفر کا نام اسلام الحاد و زندقہ کا نام بصیرت و معرفت اور نفاق کا نام ایمان رائج الوقت اصطلاحیں ہیں۔ قریش مکہ کو باپھیں کھول کھول کر مشرک کہنے والے اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے حالانکہ قریشی لوگ اصنام کو دیکھ کر قرب خداوندی قرار دے کر ان کی پوجا کرتے تھے ورنہ خلق و رزق اور موت و حیات کے مسائل میں وہ بھی اللہ کو لاشریک مانتے تھے۔ محمد و آل محمد کے حتیٰ میں غلو آمیز تقریریں کرنے والے آیات مشابہات اور ضعیف

تَبَعُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ

اٹھائے جاؤ گے اور تحقیق ہم نے پیدا کئے تمہارے اوپر سات آسمان اور ہم نہیں مخلوق سے غفلت

غَفِلِينَ ﴿۱۷﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ

کرنے والے اور ہم نے آمار آسمان سے پانی اندازے سے پس اس کو ٹھہرایا

روایات کا سہارا لیکر جہاں ایک طرف شرک کی نشر و اشاعت کرتے ہیں وہاں درحقیقت محمد و آل محمد کے مذہب کے تقدس کو برباد کرتے ہیں اور قرآن و اسلام کو اہل عقل و دانش کے سامنے سبک کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہوتے ہیں اس دور میں مسئلہ توحید اپنی اور بیگانوں کے ظلم کا نشانہ بن چکا ہے۔ دشمنان اسلام تو مسئلہ توحید سے گلو خلاصی کر کے اپنی عیاشیوں رنگ رلیوں اور من مانی کارروائیوں کے آزادانہ رواج کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن پرچم اسلام کے نیچے رہنے والے اور بالخصوص محمد و آل محمد کو اپنا لادہ رہہ سمجھنے والے صرف چند ٹکوں کی خاطر اپنے وقار پلائیڈار کے لئے ناخواندہ عوام کی پس ماندہ اور غیر منہب ذہنیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسئلہ توحید سے برس پیکار ہیں۔ بہر کیف اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں وہی تمام کائنات کا خالق واحد ہے اگر کسی دوسرے پر خالق کا لفظ نہیں استعمال ہوا ہے تو وہ مجازی ہے اور محمد و آل محمد کا خالق بھی وہی اللہ ہے جس نے ان کو اپنی باقی سب مخلوق پر شرافت و کرامت بخشی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ہر آسمان کو طریقہ

کہا گیا ہے۔

لِنَطَّارِقِهَا۔ کیونکہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں (۲) اس لئے کہ ملائکہ کے گزرنے کے راستے ہیں (۳) اس لئے کہ وہ سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو طریقہ کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے اور اسی طرح زمین سے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہم نے آسمان کے معنی کی تحقیق لقمۃ الاولیاء میں بیان کی ہے۔

غَافِلِينَ۔ یعنی اس قدر مخلوق کا پیدا کرنا ہماری غفلت اور بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے جان کر اور کسی مصلحت کی بنا پر یہ تخلیقی کارنامہ کیا ہے پس یہ پُر از حکمت نظام اور عجیب و غریب صنعتی استحکام بے حد و حساب مصلح و حکم پر مبنی ہے جن کی گہری کو علم و معرفت اور فکر و تدبیر کے ناخنوں سے کھولا جاسکتا ہے۔

مَاءً بِقَدَرٍ۔ یعنی ہم نے پانی کو صحیح اندازہ سے نازل کیا اور ہماری حکمت و مصلحت کا جو تقاضا تھا اسی مقدار سے اس کو اتارا اور اس کو زمین میں جگہ دی پس وہ تالابوں میں ٹھہر گیا یا چشموں کے ذریعے سے ابل پڑا اور یا ونہرین کر زمین کی سطح پر جاری ہوا تاکہ زمین پر بسنے والی مخلوق حسب ضرورت اس سے نفع مند ہو سکے۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ

فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَا لَقَادِرُونَ ﴿۱۸﴾ فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ

زمین میں اور ہم اس کو لے جانے پر (بھی) قادر ہیں پس ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے

جَنَّتٍ مِّنْ مَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَاوَاكِهِ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ

اس کے ذریعے باغات کھجوروں سے اور انجوروں سے کہ تمہارے لئے ان میں سیرہ جات کثرت ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو

﴿۱۹﴾ وَشَجْرَةٍ تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالذَّهْنِ وَصِغٍ لِّلذَّكَاكِينِ ﴿۲۰﴾ وَ

اور وہ درخت جو نکلتا ہے طور سینا سے اگاتا ہے گھی اور سائیں کھانے والوں کے لئے اور

دنیا کے پانچ دریا جنت سے خدا نے اتارے ہیں را، سیحون یعنی دریا تے سندھ بعد اپنے معاوین کے (۲) دریا تے جیحون جو بلخ کے علاقہ سے بہتا ہے (۳) دریا تے وجلہ (۴) دریا تے فرات (۵) دریا تے نیل۔ ان پانچوں دریاؤں کو ایک ہی چشمے سے پیدا کیا اور ان میں لوگوں کے لئے متعدد فوائد اور منافع تفویض فرمائے۔

مَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ۔ میوہ جات میں سے مثال کے طور پر انگوروں اور کھجوروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ مجازی لوگ بالعموم ان سے بہرہ ور تھے پس ان کے اذہان سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے ایسے پھلوں کا ذکر کیا جن سے وہ مانوس تھے۔

بعضوں نے سَيْنَاءَ اور بعضوں نے سَيْنَاءَ پڑھا ہے اور دونوں قرائتوں میں اس کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے اور اس طُورِ سَيْنَاءَ جگہ درخت سے مراد نہ تینوں ہے۔ نعمت کے تذکرہ میں اس درخت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس سے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اس کے پھل سے گھی برآمد ہوتا ہے جو کافی نفع بخش ہے۔ سَيْنَاءَ کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) اس جگہ کا نام ہے جہاں طور پہاڑ واقع ہے (۲) ایک پتھر مخصوص کا نام ہے کہ پہاڑ بھی اس کی طرف منسوب ہے (۳) بعضوں نے اس کا معنی برکت ذکر کیا ہے کہ وہ برکت والا پہاڑ ہے (۴) طور کا معنی پہاڑ اور سیناء کا معنی درختوں سے سرسبز (۵) طور کا معنی پہاڑ اور سیناء کا معنی خوبصورت اور کہتے ہیں یہ وہی پہاڑ ہے جس سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی اور وہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ موسیٰ کے پہاڑ کو طور سیناء اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر زیتون کے درخت تھے اور جس پہاڑ پر فائدہ مند سبزیاں یا کارآمد درخت ہوں اس کو طور سیناء یا طور سینین کہا جاتا ہے ورنہ صرف طور کہلاتا ہے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی، کہ میرا جنازہ پشت کوفہ کی طرف لے جانا جب تمہارے قدم رگ جائیں اور سامنے ہوا آجائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور ایک دفعہ غری نجف اشرف کا ذکر ہوا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ پہاڑ کا ٹکڑا ہے جس پر موسیٰ کے ساتھ کلام ہوا اور اسی پر عیسیٰ کو تقدیس ملی۔ اور یہیں سے ابراہیم خلیل ہوئے اور حضرت محمد جیب خدا بنے۔ خدا نے اس جگہ کو تمام

إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّتَسْقُوا مِنْهَا مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ

تحقیق تمہارے لئے چرواہوں میں نصیحت ہے کہ ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور تمہارے لئے ان میں

كثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفَالِكِ تَحْمِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

فائدے زیادہ ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو اور تحقیق ہم نے نوح کو

نبیوں کا مسکن بنایا۔ خدا کی قسم اپنے والدین آدم و نوح کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ کریم وہاں کوئی ساکن نہیں ہوا۔

صِبْغٌ۔ اس کا معنی ہے رنگ۔ جب روٹی کا نوالہ سالن میں ڈبو یا جاتا ہے تو اس پر سالن کا رنگ چڑھ آتا ہے اس لئے اس مقام پر صبغ سے مراد سالن ہے۔ پس زیتون سے دو فائدے ہیں ایک تیل کا کام دیتا ہے اور دوسرے سالن کے کام بھی آتا ہے۔ حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ یہ مبارک درخت ہے اس کو سالن کی جگہ کھاؤ اور تیل کی جگہ بھی استعمال کیا کرو۔

لِعِبْرَةٍ یعنی حیوانات میں غور و فکر کرو۔ قوم کو خالق کائنات مدبر عالم حضرت حق سبحانہ کی معرفت کے دلائل و براہین ملیں گے۔ مثلاً ان کے پیٹ سے ہم تم کو تازہ دودھ پینے کے لئے ہٹا کرتے ہیں ان سے سواری کا کام لیا جاسکتا ہے۔ بار برداری کے وہ کام آتے ہیں زمین کی آباد کاری میں وہ معاون ہوتے ہیں اور ان کو ذبح کر کے بطور خوراک کے تم استعمال کر سکتے ہو۔ اور ان تمام فوائد کے لئے خدا نے ان کو تمہارے لئے مسخر اور مطیع کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر خشکی کی سیر مطلوب ہو تو حیوان کے سواری کا کام لو اور اگر سمندروں اور دریاؤں کی سیر کرنا ہو تو کشتیاں تمہارے لئے مطیع ہیں۔ خداوند کریم نے اس پورے رکوع میں اپنے احسانات کی یاد دہانی سے اہل ہوش و حواس طبقہ کو اپنی توحید کی معرفت کا دعوت دی ہے اور ارباب عقل و دانش کے لئے اور منصف طبع انسانوں کے لئے اس سے زیادہ قابل قبول ذریعہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

لَبَشِّرْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ مَكْرَهِينَ ﴿٢٥﴾۔ قرآن کی سچی خبروں سے بے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ کے جہلا نبوت اور

رکوع نمبر ۲ حضرت نوح کا ذکر بشریت میں منافات سمجھتے تھے اور ہر دور میں بار سوخ مقرر و لکچرار اپنی چوہدری اسٹ کی خاطر نبوت کی تردید میں عوام کو یہی لقمہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ تو ہم جیسا بشر ہے اگر خدا رسول بھیجتا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ پس یہ شخص از خود دعویٰ نبوت کر کے ہمارے اوپر اپنی بادشاہت اور برتری قائم کرنا چاہتا ہے۔ پس جہلا اپنے مقررین (ملاہ کے) عام تئوری میں پھنس کر نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتے تھے ہم نے نوراہد بشر کے مسئلہ پر تفسیر کی ساتویں جلد میں ص ۲۰۸ تا ۲۱۲ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

مَا سَجَعْنَا ص ۶۵۔ یہ مصیبت بھی ہر زمانہ میں رہی ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کے پیش نظر حق کی معقول بات کو گریز

نوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلٰهِ غَيْرُهُ ۝

بھیجا اپنی قوم کی طرف تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی کہ نہیں تمہارے لئے کوئی معبود اس کے سوا

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ ۲۳ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَذَا

کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ

مگر بشر تمہاری طرح تم پر برتری رکھنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اتار تا فرشتے

مَلَائِكَةً ۝ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۴ ۝ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ

نہیں سنا ہم نے یہ (مسئلہ ترجید) اپنے گذشتہ باپ دادا سے نہیں ہے یہ مگر ایک مرد

يَهْتَدِي بِهِ جَنَّتُهُ فَتَرَ لِبُصُوَابِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ ۲۵ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي

دیوانہ پس انتظار کرو اس کی ایک وقت تک (نوح نے) کہا اے رب میری امداد کر کہ وہ

بِمَا كَذَّبُوا ۝ ۲۶ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ ۝ بِأَعْيُنِنَا ۝

مجھے چھلاتے ہیں تو ہم نے اس کو وحی کی کہ کشتی بنا ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے

بلا دریغ ٹھکرا دیتے ہیں اور خدا نے اس آباؤی تقلید کی قرآن مجید میں متعدد بار تردید فرمائی ہے۔ بہت سے اپنے آپ کو شیخ

کہلوانے والے سنی مسلمانوں کو آباؤی تقلید سے باز رکھنے کے لئے قرآن سے استشہاد کرتے ہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی

غلط اور ناجائز رسوم اور مشرکانہ عقائد سے روکا جائے تو فوراً اپنے باپ دادا کی تقلید سے لپٹ جاتے ہیں۔

۸ بریں عقل و دانش بہاید گریست

فَتَرَىٰ لِبُصُوَابِهِ ۝ ۲۷ ۝ يَعْنِي أَيَّامٍ أُخْرَىٰ ۝ وَرَأَىٰ يٰقَوْمِ كَيْفَ كَذَّبُوا

یابہ کہ انتظار کرو، شاید اپنے جنون سے اس کو افاقہ مل جائے اور ہلکی ہلکی باتیں چھوڑ دے۔ یہ ہے حقیقت کہنے والوں کے

متعلق لوگوں کا نظریہ جس کو قرآن دہرا کر حق کے مبلغین کی جو صلہ افزائی فرما رہا ہے۔ باقی تفسیر جلد ۱، ص ۲۱۵، ص ۲۱۶ پر

ملاحظہ کیجئے۔

ولا تُخَاطَبُنِي ۝ حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے منع کر دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے دعا نہ کرنا تو اس سے معلوم

ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند اعلانیہ کافر نہیں تھا بلکہ حضرت نوح ؑ کے ساتھ ان کی وفاداری کا اظہار کرتا تھا اور کفار کی



وَحِينًا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْأَلْهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ

پس جب آئے ہمارا امر اور جوش مارے تنور تو سوار کر لے اس میں ہر شے سے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا

جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو مگر وہ جن پر حکمتی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور نہ

تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۳۴﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتِ أَنْتَ

خطاب کر مجھے ان لوگوں کے بارے میں جو ظالم ہیں تحقیق وہ غرق ہوں گے، میں پس جب سوار ہو جاؤ تو اور

وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

تیرے ساتھی کشتی پر تو کہو حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم سے

وَقُلِ رَبِّ انزِلْنِي مُنزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ فِي

اور کہو اے رب اتار ہمیں اتارنا مبارک اور تو بہتر اتارنے والا ہے تحقیق اس میں

ذَلِكَ لآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۷﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

نشانیوں میں اور تحقیق ہم آزمائے والے ہیں پھر ہم نے پیدا کیا ان کے بعد ایک

قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۸﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ

دوسری قوم کو پس بھیجے ہم نے ان میں رسول ان میں سے کہ عبادت کرو اللہ کی کہ

مجلس میں ان کا ہم عقیدہ ہو جاتا تھا۔ پس وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری اسلام کی خاطر ہی حضرت نوح نے اس کی سفارش کی تھی مسئلہ کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۷ ص ۲۱۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

مُنزَلًا یہ مصدر مبی کہلاتا ہے اور مفعول مطلق واقع ہے۔ کسی نئی جگہ انسان پہنچے تو یہ دعا مانگ لیا کرے۔ پس خدا اس جگہ کا شر اس سے دفع کرے گا۔ جیسا کہ حضرت رسالتاً سے مروی ہے۔ (صافی)

أَنْشَأْنَا۔ یعنی حضرت نوح کی قوم کی غرقابی کے بعد دوسری قومیں ان کی جانشین ہوئیں اور ان میں بھی ہم نے رسول بھیجے مثلاً حضرت ہود اور حضرت صالح وغیرہ اور انہوں نے بھی توحید کا پیغام لوگوں کو سنایا۔

نکتہ لطیفہ حضرت نوح کی غرق ہونے والی امت میں ان کا ایک بیٹا اور ایک بیوی بھی تھے لیکن حضرت نوح نے بیٹے کے لئے

مَالِكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرِهِ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ

نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے ؟ اور کہا ان سرداروں نے اس کی قوم سے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی حاضری کو اور ہم نے ان کو نعمیں دی تھیں زندگی دنیا میں

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

کہ نہیں یہ مگر تم جیسا بشر کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم

تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنِ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا خٰسِرُونَ ﴿۳۴﴾

پیتے ہو اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے بشر کی تو تم خسارہ پانے والے ہو گے

أَيَعِدْكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُّخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ تم کو ڈراتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ) نکالے جاؤ گے

هِيَ هَاتِ هِيَ هَاتِ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

محال ہے محال ہے وہ جس سے تم ڈرائے جاتے ہو نہیں مگر یہی دنیاوی زندگی کہ ہم

سفارش فرمائی اور بیوی کے لئے سفارش نہ کی حالانکہ دونوں کا طرز عمل ایک تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے نبی کی اہل کو بچا لینے کا وعدہ فرمایا تھا اور بیٹا چونکہ اہل میں داخل ہوتا ہے اور ظاہری طور پر وہ ایمان والوں میں بھی شامل تھا اور نہ وہ آپ کی محبت کا مرکز بنتا اور سفارش کے قابل نہ ہوتا پس بیٹے کی اہل بیت ہونے کی حیثیت سے سفارش کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا صاف بتلاتا ہے کہ بیٹے اہل بیت ہوتے ہیں لیکن بیویاں اہل بیت نہیں ہوا کرتیں۔

وَقَالَ الْمَلَأُ - یعنی حضرت نوح کے بعد جو بھی رسول آتے ہیں ان کی تردید میں قوم کے سردار اور زبان دراز رکوع نمبر ۳ آدمی لوگوں کو ان کی بشریت پیش کر کے ایمان لانے سے روکتے رہے کہ دیکھو وہ تو ہماری طرح کھانا پیتا ہے۔ پس ایسے کی ہم اطاعت کیوں کریں۔ اسی قدیمی دستور کے مطابق آجکل کے ناخدا ترس ٹھیکہ داران ممبر بھی سادہ لوح عوام کے اذنان میں یہی بات پختہ کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ لہذا رسول کو بشر کہنے والے علماء کا منہ چڑاتے ہیں ان کو وہابی کہہ کر جہاں ان کو بدنام کرتے ہیں وہاں قرآنی آیات کا بھی تمسخر اڑاتے ہیں۔  
هِيَ هَاتِ - اسمائے افعال میں سے ہے جو فعل ماضی کے معنی میں ہے۔

نَمُوتٌ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ ۳۷ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ اِفْتَرَىٰ

موتے اور جیتتے ہیں اور ہم نہیں مبعوث ہوں گے (قیامت کو) نہیں وہ مگر ایسا شخص جو بتان بانڈھتا ہے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ ۳۸ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي

اللہ پر جھوٹے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے کہا رسول نے اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبْتُمْ ﴿۳۹﴾ ۳۹ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾ ۴۰ فَاخَذَهُمْ

کونجے جھٹلاتے ہیں فرمایا عنقریب وہ ضرور ہوں گے پشیمان پس پکڑ لیا

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ فَعَلَّهُمْ غَنَاءٌ فَبَعَدَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ ۴۱ ثُمَّ

انکو دھماکے نے ساتھ حق کے پس کر دیا ہم نے انکو ہلاک پس دوری ہے ظالم لوگوں کے لئے (رحمت خدا سے) پھر

اَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ ۴۲ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

ہم نے پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں نہیں آگے بڑھتی کوئی قوم اپنی

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاخِرُونَ ﴿۴۳﴾ ۴۳ ثُمَّ اَرْسَلْنَا تَارًا تَارًا

رسالت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے پھر ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو متواتر جب بھی آتا

جَاءَ اُمَّةً رَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ

کسی قوم کے پاس ان کا رسول تو اس کو جھٹلاتے تھے پس ہم ایک قوم کو دوسری قوم کے پیچھے لاتے رہے اور

اَحَادِيثَ فَبَعَدَ الْقَوْمِ لَآ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾ ۴۴ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوسٰى وَاٰخَاةَ

کر دیا ہم نے ان کو مثالیں پس دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لاتے (رحمت خدا سے) پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے قائل تھے صرف طریق عبادت ان کا غلط تھا اور اپنے بنائے ہوئے بتوں

کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے حاجات طلب کرتے اور ان کو مشکل کے وقت سورتے اور پکارتے تھے۔ پس نبی کی حق بیانی اور

ہدایت ان کے جذبات کے خلاف تھی لہذا اعلان حق کرتے ہی یہ ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

غَنَاءٌ۔ پانی کے اوپر تیرنے والے تنکوں اور جھاگ کو کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا۔ یعنی قومیں بدلتی رہیں اور ہم یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتے رہے اور ہر قوم کا اپنے نبی اور رسول سے وہی وتیرہ رہا۔

۱۴۵ ہرُونَ بآئِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَاِيْهِ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

بارون کو اپنی نشانیوں اور برہان ظاہر کے ساتھ طرف فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کے پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے وہ سرکش

۱۴۶ عَالِيْنَ ۙ فَقَالُوْا اَنْوَمِنَ الْبَشَرِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۙ فَكَذَّبُوْهُمَا

لوگ پس کہنے لگے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو انسانوں پر حالانکہ انکی قوم ہماری غلام ہے پس انہوں نے ان کو

۱۴۷ فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلِكِيْنَ ۙ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۙ وَجَعَلْنَا

جھٹلا یا تو ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ ہدایت پائیں اور کیا ہم نے یرم کے

۱۴۸ اِبْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٖ اَيَّةً ۙ وَآوَيْنَهُمَا اِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِيْنٍ ۙ ع

بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور ٹھکانا دیا ہم نے ان کو بلند جگہ جو اچھی رہنے کے قابل اور بیٹھے پانی والی تھی

احادیث ص ۷۸، اُحْدُوْثِہٖ کی جمع ہے یعنی اب وہ ختم ہو گئے اور ان کی باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ پس زندہ اقوام کو ان سے درس حاصل کرنا چاہیے کہ بعد والوں کے لئے ہماری بھی باتیں ہی باتیں رہ جائیں گی لہذا ایسی زندگی گزاریں کہ بعد والے ہماری اچھی باتیں بیان کرتے رہیں۔

جَعَلْنَا اِبْنَ مَرْيَمَ ۙ یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم دونوں کو اپنی نشانی و معجزہ قرار دیا کہ وہ بیٹا بغیر باپ کے تھا اور اس کی ماں بغیر شوہر کے تھی۔ پس عیسیٰ کا بیٹا ہونا معجزہ ہے جس طرح کہ مریم کا ماں بنا معجزہ ہے۔

وَآوَيْنَاهُمَا ۙ جہاں مریم و عیسیٰ کو ٹھکانا دیا گیا وہ فلسطین یا مصر یا دمشق یا بیت المقدس تھا۔ چار اقوال ہیں اور پانچواں قول امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ ربوہ سے مراد کوفہ کا گرد و نواح ہے اور قرار سے مراد مسجد کوفہ ہے اور معین سے مراد دریائے فرات ہے۔ (مجمع البیان)

معین کے متعلق دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) اس کا مادہ اشتقاق عین ہو تو یہ مفعول بروزن بیع ہوگا۔ پس اس کا موصوف نکتہ علمیہ مخذوف ماننا پڑیگا یعنی ماء معین (چشمے سے نکلنے والا پانی) (۲) اس کا مادہ اشتقاق عین کو قرار دیا جائے تو معین بروزن فعل ماعون کے معنی میں ہوگا۔ جس سے مراد آسان اور تھوڑی چیز لی جاتی ہے اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ جگہ اچھی قرار گاہ ہے اور اس میں زندگی کی آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں۔

امرئ مخلوق | دورِ حاضر کی کج بحثیوں اور مویشکانیوں میں سے محمد و آل محمد علیہم السلام کا امرئ مخلوق ہونا زبان زد عوام ہے ایسے مسائل میں پڑنا اگرچہ میرے نزدیک چنداں فائدہ مند نہیں لیکن عوامی رجحان سے یکسر پہلو ہتی بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امرئ مخلوق ہونے کی تین صورتیں ذہن میں آتی ہیں (۱) وہ امر پروردگار سے منصف شہود پر جلوہ گرہوئے ہیں اگر یہ معنی مراد

ہو تو اس میں کوئی خاص امتیازی شان ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تمام مخلوق امر پروردگار سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ (۲) محمد و آل محمد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ماتحت جملہ مخلوق سے برکت پیدائش نرالی شان و عظمت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے باب النوازل کے اخیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

آپ نے فرمایا امام کی چند نشانیاں ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ عالم، تمام لوگوں سے داناتر۔ تمام لوگوں سے زیادہ متقی تمام لوگوں سے حلیم تر تمام لوگوں سے زیادہ بہادر۔ تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔ وہ خستہ شدہ اور پاک و پاکیزہ پیدا ہوتا ہے وہ پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ سامنے دیکھتا ہے اس کا سایہ نہیں ہوتا اور جب ماں کے شکم سے زمین پر آئے تو دونوں ہتھیلیوں کے بل بلند آواز سے کلمہ شہادتین پڑھتا ہے۔ اس کو احتلام نہیں ہوتا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا ذل نہیں سوتا اس کے ساتھ فرشتے باتیں کرتے ہیں اس کے جسم پر رسالت مآب کی زرہ پوری آتی ہے۔ اس کا پیشاب و پاخانہ کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اللہ نے زمین پر فرض عائد کیا ہے کہ اس سے نکلنے والی ہر چیز کو نکل جائے اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لئے اپنے نفسوں سے بھی اولیٰ ہوتا ہے اور ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اللہ کے سامنے زیادہ انکساری کرتا ہے وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے۔ لوگوں سے زیادہ اس پر عامل ہوتا ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے لوگوں سے زیادہ اس سے خود پرہیز کرتا ہے اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر پتھر پر دعا کرے تو وہ بھی ڈھکڑے ہو جاتا ہے اور اس کے پاس رسالت مآب کے ہتھیار اور اس کی تلوار و انصاف ہوتی ہے اس کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت

قال للامام علامات۔ یكون اعلم الناس و  
 احلم الناس و اتقى الناس و احلم الناس و  
 اشجع الناس و اعبد الناس و اسخى الناس و  
 يولد محتونا و يكون مطهرا و يري من خلف  
 كما يري من بين يديه و لا يكون له ظل  
 و اذا وقع الى الارض من بطن امه وقع على  
 راحتيه و افاض صوتته بالشهادتين و لا يحلم  
 و ينام عينيه و لا ينام قلبه و يكون محمدا  
 و يستوي عليه روح رسول الله و لا يري  
 له بول و لا عائط لان الله عز وجل و كل  
 الارض باطلاع ما يخرج منه و يكون راحته  
 اطيب من راحته المساك و يكون اطي بالناس  
 منهم بالناس و اشفق عليهم من ابا عهد  
 و امهاتهم و يكون اشد الناس تواضعا لله جل  
 ذكراه و يكون اخذ الناس بما يامرهم و  
 اكف الناس عما ينهى عنه و يكون دعائه  
 مستجابا حتى انه لو دعا على صخرة لا تسقت  
 بتصفين و يكون عنده سلاح من رسول الله و  
 سيفه ذل الفقر و يكون عنده صحيفه فيه اسماء  
 شيعته الى يوم القيمة و صحيفه فيها اسماء اعدائه  
 الى يوم القيمة و تكون عنده الحاميه و هي  
 صحيفه طولها سبعون ذراعا فيها جميع ما

يَخْتَجِرُ إِلَيْهِ وَلِدَادِمَ وَيَكُونُ عِنْدَهُ الْجَفْرُ  
الْأَكْبَرُ وَالْأَصْغَرُ۔

تک ہونے والے اس کے نام شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں  
اور اس کے پاس جامعہ ہے یعنی وہ صحیفہ جس کی لبائی سنزراع  
ہے اور اس میں تمام وہ امور درج ہیں جن کی طرف نبی آدم کو احتیاج

فِيهَا جَمِيعَةُ الْعُلُومِ حَتَّى ارْتَضَى الْخَدِشَ الْخَبِرَ۔

ہوتی ہے اور اس کے پاس جفر اکبر ہے اور جفر اصغر ہے۔۔۔ جن میں تمام علوم موجود ہیں حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی۔ الخبر

پس اگر امری مخلوق سے یہ مراد ہے کہ ان کی ولادت ہمارے عام بچوں کی ولادت سے جدا گانہ ہے کہ وہ پاک پاکیزہ ناف بریدہ  
اور مضمون متولد ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کا نشوونما ہمارے بچوں کے نشوونما  
سے ممتاز ہوتا ہے کہ وہ دنوں میں ہفتوں کے برابر ہفتوں میں مہینوں کے برابر اور مہینوں میں سالوں کے برابر ترقی کرتے ہیں اسی  
طرح ان کی زندگی کے حالات ہماری زندگی سے مختلف ہوتے ہیں جس طرح کہ روایت متذکرہ بالا میں گذر چکا ہے تو اس طرح ان کے  
امرئ مخلوق ہونے میں کوئی کلام نہیں یعنی وہ ایک خاص مخلوق ہیں جو عنایت عالیہ الہیہ کے خاص محل و مورد ہیں (۲) امری مخلوق کا تیسرا  
معنی یہ ہے کہ وہ عام مخلوق کے عمومی طریق پیدائش اور صلبی و رحمی قیود سے بالاتر ہو کر عالم وجود میں قدم رکھے۔ حضرت محمد وآل محمد  
علیہم السلام کے متعلق اس معنی سے امری مخلوق کا قائل ہونا بالکل غلط اور سراسر جھوٹ بلکہ بہتان عظیم ہے کیونکہ ان کا سلسلہ نسب صحیح  
طور پر آباء و اہلبات کے ذریعے سے ان تک پہنچتا ہے۔ یہ کیف اصلا پاکیزہ ارحام طاہرہ سے ان کا منتقل ہونا  
ناقابل انکار حقیقت ہے اور ان کا تو اگد و تناسل واضح ترین امور میں سے ہے۔

دیکھئے موجودات عالم کے سلسلہ پیدائش پر غور کرنے سے انسان حتیٰ طور پر اس  
موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ | نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق ایک جیسی نہیں ہے بعض کی پیدائش امر

پروردگار سے ہے کہ اس میں تدریج و ترتیب کا کوئی دخل نہیں مثلاً آسمان و زمین اور سورج چاند ستارے پانی ہوا، اور  
اکثر جمادات کی پیدائش اسی طرح ملاکہ و ارواح و انوار وغیرہ کی تخلیق نیز تدریجی اور اسباب و علل کے ذریعے سے پیدا ہونے  
والی اشیاء کا فرد اول اور نروادہ کے ذریعے سے جنم لینے والی مخلوق کا پہلا جڑا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ مثلاً انسانوں میں آدم و حوا  
قوم جنات میں بروایتے مارج و مارجه یا جو بھی ان کے پہلے ماں باپ ہوں۔ اسی طرح حیوانات کی اقسام میں ہر نوع کا پہلا جڑا  
اور نباتات کے اقسام میں سے ہر قسم و نوع کا پہلا فرد صرف امر پروردگار سے کتم عدم سے منصفہ وجود پر پہنچے ہیں اس کے بعد  
نروادہ کے باہمی ارتباط سے یا نباتات میں پہلے فرد کے بیج یا پودوں سے اس کا سلسلہ نسل قائم ہوا اور بعض کیڑوں مکوڑوں  
کا مٹی سے یا غلیظ مواد سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی قسم سے قرار دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو علل و اسباب کے  
ذریعے سے قدرت کا تدریجی تخلیقی کارنامہ قرار دیا جائے۔

بنا بریں پہلے ماں باپ کے بعد جنات کا سلسلہ اولاد اور آدم و حوا کے بعد انسانوں کا سلسلہ پیدائش اور اسی طرح حیوانات  
و نباتات کی تخلیق اگرچہ امر پروردگار سے ہے لیکن دستور خداوندی کے ماتحت تدریجی و نسلی بقاء و ارتقا کے قانون تو والد و تناسل

لہ تو والد کا معنی باپ بیٹا پوتا و پڑپوتا ہونے کا سلسلہ اور تناسل کا معنی نسل بہ نسل سلسلہ پیدائش (مصنف)

کے ذریعے سے ہے اور اگر ان میں سے کوئی فرد اسباب و علل کی قیود سے بالاتر ہو کر یا رحام و اصلاب کی بندش سے آزاد ہو کر کسی نبی یا ولی کی دعا سے یا ان کی شوکت و شان کے اظہار کے لئے یا صداقت و حق کی توضیح و اعلان کی خاطر یا کسی اور مصلحت واقعہ کے ماتحت امر خداوندی سے معرض ظہور میں آئے تو اس کو زبان شرع میں معجزہ کہا جاتا ہے اسی بنا پر آیت مجیدہ نمبر ۵۰ میں ارشاد ہے جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً ۖ لَعْنَىٰ هُمَ نَعَسَىٰ اور اس کی ماں کو آیت (معجزہ) قرار دیا۔ حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ذات پروردگار کا وہ تخلیقی کارنامہ ہے جو اسباب و علل کے قانون سے مستثنیٰ اور صلب پدر سے بے نیاز ہونے کے لحاظ سے امری تخلیق کہلانے کا سزاوار ہے جس طرح کہ خود آدم و حوا اسی امری تخلیق کے منظر ہیں اور حضرت مریم کو اس لئے معجزہ کہا گیا ہے کہ وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہوئیں۔ پس چونکہ ان کا حمل علل و اسباب سے بالاتر ہے۔ لہذا اس کو امری کہا جاسکتا ہے اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی نازقہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ذبیحے والا ذنبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا وغیرہ امری تخلیقی کارنامے ہیں لہذا ان کو معجزہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی پیدائش چونکہ اصلاب طاہرہ اور رحام مطہرہ کے ذریعے سے ہے لہذا وہ امری نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ ان کی خلقت نوری امری ہے اور خلقت جسمانی بھی اس معنی سے امری ہے کہ وہ عنایت الہیہ خاصہ کے مورد ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی بر فضل و کمال میں ان تک تو بجائے خود ان کی گرد راہ تک بھی رسائی نہیں پاسکتا۔ بعض عبادِ قبا میں ملبوس جبہ و عمامہ کے حاملین کہ علمی میدان میں پیش قدمی کرنے سے ان کے پاؤں ننگ اور حقائق بیانی کے لئے اظہار واقع سے ان کی زبان گنگ ہے وہ صرف رقص منبری اور چرب لسانی سے عوام کو مسحور کر کے اپنے وقار کی پاسبانی کرتے ہوئے اور ان کے سادہ دماغوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰ امری مخلوق ہو سکتا ہے تو محمد و آل محمد امری مخلوق کیوں نہیں ہو سکتے یہ عقل کے اندھے نہیں سوچتے کہ بحث ہو سکتے ہیں نہیں بلکہ ہونے نہ ہونے میں ہے۔ ہم کہتے ہیں محمد و آل محمد تو بجائے خود اگر خدا چاہتا تو ساری کائنات کو علل و اسباب کے بغیر امری طور پر پیدا کرتا وہ ایسا کرنے پر قادر ہے پس محمد و آل محمد بھی امری مخلوق ہو سکتی ہے لیکن ہے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان کے آباء و اہمات کا سلسلہ صحیح طور پر حضرت آدم حوا تک پہنچتا ہے جس طرح کہ ان کی اولاد کا سلسلہ نسب ان تک پہنچتا ہے۔

رقاصان منبر اور جاہل ذاکروں نے عوام کے اذیان میں یہ بات راسخ کی ہوئی ہے کہ مرد و عورت کا ہمبستر ہونا ایک غیب ہے اور انبیاء و ائمہ چونکہ عیوب سے پاک و پاکیزہ ہیں لہذا ہمبستر ہونے کے عیب سے بھی پاک ہیں پس وہ امری مخلوق ہیں۔ ایسی بے تکلیباتوں سے عقل کا ناطقہ بند اور طاثر ہوش و خرد منقار زیر پر نظر آتا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ مرد نامزد و کھانا ہے جس میں قوت مردی نہ ہو اور جنسی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح عورت کے عیوب میں سے بھی بدترین عیب یہ ہے کہ اس میں جنسی خواہش کا فقدان ہو پس جنسی خواہش کا زین و مرد میں موجود ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے ہاں اس خواہش کا غلط استعمال کرنا نقص اور عیب ہے جس سے خدا کے برگزیدہ بندے انبیاء و اولیاء و صلحا منزه و مبرا ہوا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ

محمد و اہل بیت محمدؐ جس سے پاک و منزه ہیں لیکن شادی کرنا بہتر ہونا گھریلو میاں بیوی کے تعلقات قائم کرنا اولاد ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ جس نہیں بلکہ انسانی فرائض میں سے ہے اور معاشرہ کی اہم ضروریات میں سے ہے جس کی اصلاح کے وہ علمبردار تھے۔

نیز وہ یہ نہیں سوچتے کہ جناب رسالت مآبؐ کے والدین جناب آمنہ و جناب عبداللہ اسی طرح حضرت علیؑ کے والدین جناب فاطمہ و جناب ابوطالب پھر ان کے والدین تادم و حوا یہ سب کے سب زن و مرد نبی یا امام تو نہ تھے۔ پس ان کا سلسلہ پیدائش و افزائش کس طرح قائم رہا۔ پس جب ان کے آباء و اجداد کے لئے میاں بیوی کے مخصوص تعلقات عیب نہ تھے تو ان کے لئے وہی تعلقات عیب کیسے بن گئے؟ پھر ان کی تاقیامت اولاد کے لئے وہی جنسی تعلقات عیب کیوں نہ قرار دیئے گئے؟ اگر کہا جائے کہ یہ چیز صرف معصوم کے لئے عیب ہے تو حضرت آدمؑ بھی معصوم تھے۔ پس خدا نے حضرت حوا کو اس معصوم کے لئے کیوں پیدا کیا جب کہ ان کے تعلقات باعث عیب تھے۔ پھر ہر زمانہ چونکہ حجت خدا سے تو خالی ہو نہیں سکتا لہذا ہر زمانہ کے نبی اگر اس مفروضہ عیب سے خالی تھے تو ہر امت کے لئے اس عیب کو روک دیا کیوں رکھا گیا۔ جب کہ انبیاء کی بعثت ہی دینی اخلاقی معاشرتی عیوب سے لوگوں کو بچانے کے لئے ہوتی ہے اس لحاظ سے تو انبیاء کی شادیوں کا قصہ بھی معرض انکار میں آجائے گا اور لطف یہ کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؑ علیہم السلام کی شادیوں کا انکار کار سے وارد کا مصداق ہے حضرت رسالت مآبؐ کی چودہ یا اس سے زیادہ شادیاں ثابت ہیں اور حقوق ازواج کی پاسداری کی روایات حد تو اترا کو پہنچتی ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور جناب بتول مغزہ سلام اللہ علیہا کی شادی پر قوم شیعہ آج تک نازاں ہے کہ عرش بریں پر ان کی شادی کی خوشی منائی گئی تھی۔ اسی طرح باقی تمام آئمہ نے شادیاں کیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے مصلحت وقت کے ماتحت کافی شادیاں کیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اگر ان تمام چیزوں کو مفروضہ قرار دیا جائے تو اس مذہب ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حق ہے تو ثابت ہوگا کہ نہ شادی کرنا اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا باعث عیب ہے اور نہ شادی کے ذریعے سے پیدا ہونا باعث عیب ہے۔ ورنہ اگر یہ امر باعث عیب ہوتا تو انبیاء و اکابر خود شادیاں نہ کرتے اور اپنی امت کے زن و مرد کو اس سے پر زور روکتے اور بصورت دیگر کسی کی شادی پر خوش نہ ہوتے اور غسل جنابت کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ التکاء من سننی و من رغب عن سننی فلیس منی۔ یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میری امت سے نہیں ہے اسی طرح فرمایا۔ تَنَا كْحُوا تَنَا سَلُوا۔ نکاح کرو اور اپنی نسل بڑھاؤ۔ کیونکہ یہ چیز بروز محشر میرے لئے باعث فخر ہوگی وغیرہ نیز آجکل کے سادات کی عزت اور ان کا احترام علوی و فاطمی خون کے لحاظ سے ہے اگر آئمہ کا صلب سے رحم کی طرف خون کے نقل و انتقال کا انکار کیا جائے تو نسل فاطمی کا سر سے سے انکار لازم آئے گا اور جو لوگ نسل فاطمہ سے ہیں ان کے وقار و احترام میں فرق آجائے گا۔ نیز ان کے لئے صدقہ غیر سید کی حرمت اور جنس کی حلیت اسی نسلی اور خوئی شرف کی بدولت ہے۔ نیز اگر ان کی شادی ازدواجی زندگی کے قیام کے لئے نہیں



تو بلاوجہ متعدد عورتوں کو اپنے نکاح کی قید میں رکھنا جس بے جا کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اگر ان کے درمیان باہمی ہیبتی کے تعلقات قائم نہ ہوں تو ازواج پیغمبر کو اہبات المؤمنین کہنا فضول ہو گا اور امت کے مردوں پر ان کا حرام ہونا جہاں ایک طرف بالکل بے بنیاد بنتا ہے وہاں دوسری طرف ان منکوحہ عورتوں کو عمر بھر کے لئے انسانی معاشرتی جائز حقوق سے محروم کرنا بھی لازم آتا ہے۔ پس اس ساری تفصیل و توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام آدم و حوا و عیسیٰ علیہ السلام کی طرح امری مخلوق نہیں اور ان کا ان پر قیاس کرنا بے تکی یا ٹکنے کے مترادف ہے۔ پس حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ زہرا علیہما السلام کے حقیقی والدین ہیں۔ آپ جس طرح حضرت ابوطالب کے صلب میں رہے اسی طرح جناب فاطمہ کے رحم میں رہے اور بیت اللہ میں ان کی ولادت حد تو اتر کر پہنچتی ہے اور شیعہ حضرت ابوطالب کا ایمان اسی لئے تو ثابت کرتے ہیں کہ یہ پاک نورنا پاک صلب میں نہیں رہا اور نہ کبھی ناپاک رحم میں منتقل ہوا۔

ہمیں ایک ایسے جاہل شخص سے گفتگو کا موقع ملا جسے عوام کا لالچام نے اس کی چرب لسانی کی بدولت بڑا عالم سمجھ رکھا تھا حالانکہ منبر پر ادھر ادھر کی چند بے تکیاں باتیں کر چکا تھا۔ اس نے واشگاف لفظوں میں حضرت ابوطالب کے نطفے سے حضرت علیؑ کے پیدا ہونے کا انکار کر دیا اور علماء سے عوام کو متفر کرنے کے لئے اڈو پیر فقرہ کس دیا کہ دیکھو علماء حضرت علیؑ کو نجس اور گندے نطفے کی پیداوار جانتے ہیں۔ میں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت علیؑ کی پیدائش کا انکار کرو اور حضرت ابوطالب کو حضرت علیؑ کا باپ ماننے سے گریز نہ کرو کیونکہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے باپ کا ماننا کفر ہے، اسی طرح حضرت علیؑ کے لئے باپ کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں حضرت علیؑ کی توہین ہے تو وہ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے باپ کا ماننا تو یقیناً کفر ہے کیونکہ قرآن کا انکار لازم آتا ہے لیکن حضرت علیؑ کے لئے والد کا انکار کفر نہیں میں نے پوچھا اگر عورت و مرد میں میل ملاپ نہیں تو شادیاں کیوں رہ پائی گئیں تو کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا جس طرح مورنی مور سے آنکھ کے ذریعہ حاملہ ہو جاتی ہے اسی طرح معصوم شکم مادر میں قرار پکڑتا ہے و حالانکہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے بیچ ابلاغ میں مور اور مورنی کے جنسی ملاپ کا ذکر فرمایا ہے اور ماہر جنیات لوگ خوب جانتے ہیں۔ بالخصوص جن لوگوں نے گھروں میں مور رکھے ہوئے ہیں کہ مور کے نر اور مادہ میں جنسی ملاپ ہو کرتا ہے، وہ کہنے لگا کہ حضرت علیؑ صلب ابوطالب میں اس طرح رہے جس طرح پرندہ پتھر سے میں ہوتا ہے اور جس طرح پرندے اور پتھر سے کی جنس الگ الگ ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ اور ان کے والد کی جنس جدا جدا ہے۔ میں نے جب یہ سوال کیا کہ آجکل کے سادات کا ان سے خون کی رابطہ کس طرح قائم ہے جب کہ ان میں میل و ملاپ کی صورت ہی نہیں وہ تو اپنے ماں باپ کے شکم و صلب میں پرندے و پتھر سے کی حیثیت سے رہے تو آجکل کے بلکہ قیامت تک کے سادات ان کے اصلا ب میں کس حیثیت سے رہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سادات ان کی صلب سے نہیں تو احترام سادات ختم ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ ان کی صلب سے ہیں تو جنس کا تفاوت

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ

اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک تحقیق میں اس سے جو تم کرتے

عَلَيْكُمْ ۝ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ (۵۲)

ہر آگاہ ہوں اور تحقیق یہ تمہارا دین ایک دین تھا اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو

مانع ہے پس اس کا جواب نہ بن آیا۔ فہمت الٰہی۔۔۔۔۔ میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم اپنے بالوں کے صلبوں میں رہے اور انہی کے لطف سے پیدا ہوئے اور وہ پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتے رہے اور یہ چیز باعث توہین نہیں ہے۔ لہذا عوام کے جذبات سے کھینے کے بجائے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجیے یہ نہ کہو کہ علماء ان کو جس لطف کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اگر تمہاری نظر میں لطف کا لفظ باعث توہین ہے تو اس کا نام خونی رابطہ تجویز کر لو۔ لیکن یہ بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ ائمہ طاہرین کا اپنے ماں باپ سے خونی تعلق تھا اور جنس ایک تھی نہ کہ پرندہ و پتھر کی حیثیت تھی اور اسی سورہ کی آیت ۱۲-۱۳-۱۴ میں ہر انسان کی پیدائش کو لطف سے قرار دیا گیا ہے (آدم و حوا و عیسیٰ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جلد انبیاء و ائمہ علیہم السلام نوع النسانی کے کامل افراد ہیں۔

یا ایہا الرُّسُلُ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ خدا خود پاک و پاکیزہ ہے۔ لہذا رکوع نمبر ۴ پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ پس اس نے مومنوں کو ایسی چیز کھانے کی اجازت دی ہے جس کے کھانے کا رسولوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ رسولوں کو خطاب فرمایا۔ یا ایہا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ۔ یعنی اے رسولو! پاکیزہ غذا کھاؤ۔ اور مومنوں سے فرمایا۔ یا ایہا الدین امنوا کُلُوا مِنَ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔ یعنی اے ایمان والو! کھاؤ ہمارے پاکیزہ رزق سے ممکن ہے اس جگہ بھی خطاب رسولوں سے ہوا اور مراد ان کی اُمتیں ہوں۔ آج کل ایک جاہل طبقہ پیدا ہوا ہے جو حضور ﷺ کے کھانے پینے کا منکر ہے خدا مومنوں کو ایسے غلط عقائد سے محفوظ رکھے۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اس جگہ امت سے مراد مذہب و دین لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی جانب سے سب لوگوں کے لئے دین صرف ایک ہی ہے۔

تَتَّقِعُوا۔ یعنی لوگوں نے اپنی خواہشات و جذبات کے پیچھے پڑ کر باہمی اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ملت و مذہب کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور اپنے اپنے مسلک کے لئے کتابیں مخصوص کر لیں اور دوسری کتابوں کا انکار کر دیا جیسا کہ یہودیوں نے تورات کو لے کر انجیل و قرآن کا انکار کیا اور نصرا نیوں نے انجیل سے منسک کر کے قرآن سے انحراف کیا۔ پس فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہوا اور وحدت ملی ختم ہو کر رہ گئی۔ پس ہر شخص اپنی جگہ اپنے خیالات و عقائد پر خوش ہے۔

أَيُّسِبُونَ ص۔ یعنی جن لوگوں کو دنیا میں ہم مال و اولاد سے خوشنود کرتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ہم پر راضی

فَنَقُطِعُوا أَمْرَهُمْ بِبَيْنِهِمْ زُبُرًا ط كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۵۳﴾

تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنا باہمی معاملہ کتابوں کے ذریعے ہر گروہ ساتھ اس کے جو اسکے پاس ہے خوش ہوتا ہے

فَذَرَهُمْ فِي غَمَرِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾ اِيْحْسِبُونَ اِنَّمَا نُمِدُّهُمْ

پس ان کو چھوڑیے اپنی تاریکی میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی امداد کرتے ہیں

بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿۵۵﴾ نَسَارِعْ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾

مال و اولاد سے ان کی بہتری میں جلدی کرتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے نہیں

ہے اور اسی بنا پر وہ ہمارے اور اپنی نعمات کی بارش کر رہا ہے بلکہ باوجود گناہوں کے نعمات کی فراوانی ان کے لئے استدراج ہے اور عذاب کی پیش کش ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب سے حدیث قدسی میں منقول ہے۔ خدا فرماتا ہے مومن بندے پر جب میں کوئی تنگی نازل کرتا ہوں تو وہ غمزہ ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں اس کی بھلائی کا راز مضمر ہوا کرتا ہے۔ اور جب میں اس پر نعمتوں کی زیادتی کرتا ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے حالانکہ یہ چیز واقعا مجھ سے اس کی دوری کا پیش خمیہ ہوتی ہے۔ (مجمع البیان)

ہر کیف کسی آدمی پر دنیاوی نعمات کی بارش اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر خوش ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ استدراج ہو یا یہ کہ کسی نیکی کا بدلہ دنیا میں اس کو دیا جا رہا ہو تاکہ آخرت میں صرف عذاب دائمی کا ہی مستحق رہ جائے اسی طرح کسی پر دنیاوی تکالیف تنگی رزق اور گونا گوں پریشانیوں میں مبتلا ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر ناراض ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز اس کی بلندی مراتب کا پیش خمیہ ہو یا بعض کردہ گناہوں کی اس دنیا میں سزا دی جا رہی تاکہ آخرت میں جنت الفردوس میں اس کا ٹھکانا بنے اور کسی عذاب کا استحقاق اس میں نہ ہو۔

اِنَّ الدِّينَ - ان آیات میں پروردگار مومنوں کی صحیح نشانی بیان فرماتا ہے کہ ان کے دل میں خوفِ خدا ہمیشہ جاگزیں رہتا ہے وہ اللہ کی حمد و ثناء پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور شرک نہیں کرتے پھر اعمالِ صالحہ کی سجاوڑی کے بعد ان کے دلوں میں کھٹکار ہوتا ہے کہ کہیں لغزش کی وجہ سے وہ ناقابلِ قبول نہ ہو جائیں۔

ہمارے بعض صالح علماء اعلام کا دستور یہ ہے کہ جب کافی عرصہ تک ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور نعمات پروردگار میں کمی نہ آئے تو توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور گونا گوارا اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں کہ کہیں استدراج نہ ہو جس طرح کہ فرعون کے چار سو سالہ دورِ اقتدار میں اس کے سر میں بھی درد نہ ہوا اور یہ اللہ کی جانب سے استدراج تھا نہ کہ خوشنودی پس وہ مومن ہے جو خوشحالی اور بدحالی کے ہر دو زمانوں میں شکر و صبر کا شیوہ اختیار کرے اور طبعِ بخشش کے ساتھ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں رکھے اور بعض عارفین کا قول ہے کہ مومن نیکی بھی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی رہتا ہے۔ اور بخلان

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ

تحقیق وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب کے ڈر سے خون زدہ رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان

رُكِبُوا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ

رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور وہ جو ادا

يُؤْتُونَ مَا اتَّوُوا قُلُوبَهُمْ وَّجِلَّةٌ أَهْمُ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

کرتے ہیں (امور خیر) اور ان کے دل کاچلتے ہیں کیونکہ رہتے ہیں کہ انہیں رب کی طرف جانا ہے اس کے منافق برائی بھی کرتا رہتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی نہیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حفص بن غیاث سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کر سکو کہ تمہیں کوئی نہ پہچانے تو ایسا ہی کرو کیونکہ اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو اس میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر چہ لوگ تمہاری مذمت بھی کریں تو کوئی حرج نہیں جب کہ اللہ کے نزدیک تم قابل تعریف ہو۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں صرف دو قسم کے آدمیوں کے لئے خوبى ہے ایک وہ جو ہر روز اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا رہے اور دوسرا وہ جو اپنے گناہوں کا توبہ سے علاج کرتا رہے۔ لیکن توبہ کہاں۔ خدا کی قسم سجدے کر کے اگر اس کی گردن ٹوٹ بھی جائے۔ خدا اس کی کسی نیکی کو قبول نہ کرے گا جب تک کہ ہماری دلا نہ رکھتا ہو۔ اور جو ہمارے حق کو پہچانے تو اب کی امید رکھے۔ وہ نصف مد کی معمولی خوراک معمولی لباس اور اور معمولی سر ڈھانپنے کے مکان پر رضامند ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے جس طرح آیت ۶۰ میں ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر تیرے بس میں ہو تو گھر سے قدم باہر نہ رکھو۔ کیونکہ گھر سے نکلنے کے بعد تجھے گلہ جھوٹ حسد یا تصنع اور منافقانہ چالوں سے بچنا ہوگا۔ پھر فرمایا مومن کے لئے بہترین صومعہ (خلوت کی عبادت گاہ) اپنا گھر ہے کہ وہاں اپنے دل زبان آنکھ اور شرم گاہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے جو دل سے اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے وہ زبان پر کلمہ شکر لانے سے پہلے زیادہ کا حق دار بن جاتا ہے اور جو دوسروں پر اپنی برتری کا خیال کرے وہ متکبرین میں شامل ہے۔ راوی نے پوچھا اگر کوئی بندہ کسی دوسرے انسان کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے۔ پس دل میں خیال کرے کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ میں اس گناہ سے بچا ہوں تو آپ نے فرمایا ایسا بھی خیال نہ کرے۔ کیوں کہ ممکن ہے توبہ سے اُس کا گناہ بخش دیا جائے اور تجھے مقام حساب میں کھڑا کر دیا جائے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتوں کی فراوانی سے دھوکہ میں مبتلا ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اللہ کی عیب پوشی کی وجہ سے ڈھیل میں پڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہماری معرفت رکھنے والوں کے لئے نجات کی امید ہے۔ سوائے تین قسم کے لوگوں کے، ظالم حکمران کا دوست (۲) ناجائز خواہش رکھنے والا (۳) اعلانیہ فسق کرنے والا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی إِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ - الخ۔ پھر فرمایا اے حفص محبت

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ فَمَهَّمَهَا سَبِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا

ایسے لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں کہ وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں ہم نہیں

تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ

تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی برداشت کے مطابق اور ہمارے (فرشتوں کے) پاس کتاب ہے جو سچی گوہی دیتی

لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قَلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ

اور ان پر نہ ظلم کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل (غفلت کی) تاریکی میں ہیں اس سے اور ان کے

أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ هُم لَمَّا عَمِلُوا ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جب

خوف سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم وہ اللہ کا محب نہیں جو دنیا کا طالب اور ہمارے دشمن کا دوست ہو اور جو ہمارا حقیقی چہان کر  
ہماری محبت رکھے وہ اللہ کا دوست ہے۔ یہ سن کر ایک شخص رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کیا تو روتا ہے۔ حالانکہ تمام اہل ارض  
و سما اگر مل کر گواہی دے کہ تیری سفارش کریں کہ تجھے جہنم سے نجات دے کر خدا جنت میں داخل کر دے تو خدا قبول نہ کرے گا۔  
اے حفص پیچھے چلنے والا بن اور پشیر و بن۔ جناب رسالتاً نے فرمایا۔ جو شخص اللہ سے ڈرے۔ اس کی زبان خاموش  
ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ کا وعظ سن کر ایک شخص نے گریبان چھاڑ ڈالا تو وحی ہوئی اے موسیٰ اس سے کہو گریبان بھاڑنے  
کی بجائے دل کے پردے دُور کرے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے ایک آدمی کو بے سجدے میں جاتے ہوئے اور پھلٹے  
ہوئے بھی دیکھا تو فرمانے لگے۔ اگر تیری حاجت میرے قبضے میں ہوتی تو میں پوری کرتا۔ پس وحی ہوئی اے موسیٰ اگر سجدے  
کرتے ہوئے اس کی گردن بھی ٹوٹ جائے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ جب تک میری مبعوض چیزوں سے پرہیز  
کر کے میری پسندیدہ چیزوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

کِتَابٌ۔ اس سے مراد وہ اعمال نامہ ہے جو فرشتے (کراما کتابین) لکھتے ہیں۔

بَلْ قَلُوبُهُمْ۔ یعنی کافر لوگوں کے دل میں غفلت جہالت یا کفر کے تاریک گڑھے میں ہیں۔ اور ان کے اعمال

زشت اس کے علاوہ ہیں۔ یعنی جس طرح ان کا باطن سیاہ ہے اسی طرح ان کا ظاہر بھی سیاہ ہے۔

إِذَا أَخَذْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت رسالت مآب نے کفار مکہ پر قحط سالی کے لئے بردعا کی تھی چنانچہ

وہ اس عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ اور قحط اتنا بڑھا کہ وہ لوگ مردار اور کتے کھانے لگے۔ پس وہ چیتے تھے اور گرفتار اگر وہ نہیں

مانگتے تھے۔ لیکن عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد دعا کی شنوائی نہیں ہوتی۔

أَخَذْنَا مَثَرًا لِّفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يُجْرُونَ ﴿٦٣﴾ لَا تَجْرُوا

ہم نے پکڑ لیا ان کے بڑے بڑوں کو عذاب میں تو وہ چھتے ہیں (ہم نے کہا) اب نہ چیخو

الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنصِرُونَ ﴿٦٤﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

کیونکہ تمہاری ہماری طرف سے کوئی مدد نہ ہوگی تحقیق تم پر ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم

فَكَنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تُكْمِنُونَ ﴿٦٥﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سِمِرًا

پھلے پاؤں مڑ جایا کرتے تھے تہمت کرتے ہوئے ساتھ اس کے قصہ گوئی میں کہ اس

تَهَجِرُونَ ﴿٦٦﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ

کو چھوڑ دیتے تھے کیا وہ نہیں سوچ بچار کرتے بات میں کیا ان کے پاس آئی ایسی بات جو ان کے گزشتہ

آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٧﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ

باپ دادا پر نہیں آئی تھی؟ کیا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ ان کے

مُنْكَرُونَ ﴿٦٨﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَ

منکر ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے

مُسْتَكْبِرِينَ یعنی حضور اپنی برتری جلاتے اور تکبر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو جب اکٹھے ہو کر بیٹھتے تو حضور ص کی توہین کے قصہ کو دہراتے اور حق پر تمسخر کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے یہ نئی بات نہیں اس سے پہلے نبیوں کے ساتھ ہی ان کے باپ دادا کا یہی وتیرہ رہا ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوا یہ کفار مکہ کے لئے توینح اور منزلش ہے کہ تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول وہی تو ہے جس کو تم لوگ حسب و نسب کے لحاظ سے جانتے ہو کہ نسب کے لحاظ سے ان کا خاندان خاندانوں سے اشرف ہے اور حسب اس قدر بلند ہے کہ دوست و دشمن بلا استثناء اس کی صداقت امانت اور دیانت کو مان چکے ہیں تو جس نے پچھنے اور جوانی میں اپنی زبان کو جھوٹ سے ملوث نہیں کیا وہ چالیس برس کے بعد کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور جو لوگوں کی امانت میں خیانت نہیں کرتا وہ خدائی پیغامات میں کیونکر خیانت کر کے اپنی طرف سے باتیں بنا کر پیش کر سکتا ہے کہ کفار مکہ جانتے ہیں کہ محمد صادق و امین ہے لیکن چونکہ پیغام رسالت تسلیم کرنے میں ان کی عیاشیوں اور باشیوں رنگ رلیوں اور جملہ خرافات و رسومات جاہلانہ پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ نیز ان کی چوہدراہٹ کو بھی خطرہ لاحق ہے اس لئے حق کی بات کو تسلیم کرنے سے کتراتے

اَكْثَرُهُمُ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ

اور اکثر ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اگر پیچھے چلے حق ان کی خواہشات کے

لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ طَبَلٌ اَتَيْنَاهُمْ

تو فاسد ہو جائیں آسمان و زمین اور جو ان کے اندر ہے بلکہ ان کے پاس ہم ذکر لائے

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۷۱﴾ اَمْ لَسَاءُ مَا خَرَجْنَا مِنْ

پس وہ اپنے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں کیا تو ان سے اجرت مانگتا ہے پس رب کی

پس انکار کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ مثلاً یہ لوگ دانستہ طور پر ایسی باتیں کرتے ہیں تاکہ ان کو

کلمہ حق کہنے کی کسی میں جرأت نہ رہے اور لوگوں میں بھی بات بنی رہے۔ نیز پارٹی بھی قائم رہے۔ لیکن حق ایک ایسی ٹھوس

اور مضبوط اصول پر مبنی حقیقت ہے جس میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے خواہشات و جذبات کی پاسداری کے لئے

ذرا بھر لچک پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق اگر خواہشات کے تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی حقیقت ختم ہو کر رہ جائے

کیوں کہ نظام سماوی و راضی پائدار اصول اور غیر متزلزل حکمت پروردگار کے دستور کے مطابق قائم و دائم ہے، ورنہ اس میں خواہشات

و جذبات کا اگر دخل ہو تو ہر ایک کی خواہش الگ، جذبہ جدا اور احساس علیحدہ ہونے کی وجہ سے پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا

اسی طرح شرعی نظام بھی صرف اس ایک اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے ماتحت ہے۔ لہذا لوگوں کے جذبات سے

بالا تر ہے۔

ذِكْرِهِمْ۔ اس مقام پر ذکر کے دو معانی کئے گئے ہیں داہ شرف و فضل، یعنی ہم نے ان کو شرف و فضل عطا کیا کہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شرف سے منہ موڑنے والے ہیں (۷۲) بیان حق یعنی ہم نے حق

کے بیان کے لئے ان کو قرآن عطا کیا لیکن وہ لوگ قرآن سے منہ پھرتے ہیں۔

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ۸۱۔ روایات اہل بیت میں اس کی تاویل ولایت علی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت

کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اگر خدا چاہتا تو اپنے بندوں

کو خود اپنی معرفت کا القاب کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہمیں اپنے باب صراط سبیل اور وجہ قرار دیا جو اس کی طرف

جانے کا وسیلہ ہیں۔ پس جو شخص ہماری ولایت سے اعراض کرے اور ہمارے غیر کو ہم پر فضیلت دے وہ سیدھے راستہ

سے بھٹکا ہوا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔

وَلَوْ رَجَسْنَا هُمْ۔ تفسیر صافی میں ہے جب حضور ص کی بددعا سے اہل مکہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

تو ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آپ کیسے رحمہم للعالمین ہیں کہ ہمارے بڑوں کو تلواروں سے مار دیا ہے اور

رَبِّكَ خَيْرٌ مَّا هُوَ خَيْرُ الرِّزْقَيْنِ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ

اُجْرَتِ بَہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور تو ان کو بلاتا ہے ایک راہ کی طرف جو بالکل

مُسْتَقِيمٌ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

سیدھا ہے اور تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے آخرت پر وہ سیدھے راہ سے بھٹکنے والے

لَنَكْبُونَ ﴿٤٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُوا

ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور دور کر دیں ان کی تکلیفوں کو تو زیادہ کہتے ہیں اپنی

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا

سرکشیوں میں کہ سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق ہم نے پکڑا ان کو عذاب کے ساتھ پس نہ وہ

اسْتَكَانُوا لِلرَّبِّهِمْ وَمَا يَضُرُّعُونَ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ

جھکے اپنے رب کے آگے اور نہ گریہ و زاری کی یہاں تک کہ جب ہم نے کھولا ان پر دروازہ

بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْسُونٌ ﴿٤٧﴾ وَهُوَ

سخت عذاب کا تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ گئے اور وہ وہ ہے

الَّذِي أَسْأَلُكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ طَقِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾

جس نے پیدا کئے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل ٹھوڑا ہی تم اس کا شکر کرتے ہو

چھوٹوں کو جوک سے مارتے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی

ذَا عَذَابٍ اہل مکہ پر پہلا عذاب بدر کے دن قتل کا عذاب تھا اور دوسرا عذاب شدید قحط سالی کا عذاب تھا کہتے  
مردار جانور اور خون کے چپٹھڑے کھانے پر وہ مجبور ہو گئے تھے۔

السمع۔ تمام اعضاء میں سے کانوں آنکھوں اور دلوں کا تذکرہ مخصوص فرمایا کیونکہ دنیاوی نعمات  
رکوع نمبر ۵ ذکر توحید خداوندی سے فائدہ اٹھانے میں ان کو بدن انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور مقصد  
یہ ہے کہ جس نے تم کو نفع اٹھانے کے لئے یہ اعضاء دیئے ہیں، اسی نے تمام اعضاء عطا کئے ہیں لیکن تم اس کا شکر



وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا زمین میں اور اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ وہ ہے جو زندہ کرتا

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ

ہے اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اختلاف شب و روز کا کیا تم نہیں سمجھتے ؟ بلکہ

قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کہنے لگے ویسی بات جو کہی پہلے لوگوں نے کہنے لگے کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور

وَعِظَامًا إِنَّا لَبَدُّعُثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا

دوسرے، بڑیاں تو ہم اٹھائے جائیں گے تحقیق ہمیں وعدہ دیا گیا اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے

مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ

پہلے نہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے پوچھو کس کی ہے زمین

وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾

اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو ؟ وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟

نہیں کرتے یہاں قلیل نفی کے معنی میں ہے۔ آیات مجیدہ میں جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے۔ صرف انہی تک محدود نہیں۔

بلکہ مقصد یہ ہے کہ کائنات کا تخلیقی کارنامہ جس طرح میری ذات سے مخصوص ہے اس کی بقا و ارتقاء اور موت و حیات

اور نشور بھی میرے اختیار میں ہے۔ پس اگر تم غور و فکر اور تدبیر و تعمق سے کام لو تو تم کو مجال انکار نہیں رہے گی کہ میں سب کچھ

کر سکتا ہوں لہذا تم کو موت کے بعد زندہ ہو کر میرے دربار کی پیشی اور باز پرس کا خیال کرتے ہوئے دامن اسلام سے وابستہ

ہو جانا چاہیے، لیکن اس کا جواب انہوں نے وہی دیا جو ان سے پہلے کے لوگ دیتے رہے ہیں کہ مرجانے اور خاکستر سوجانے

کے بعد ہم کیونکر دوبارہ اٹھائے جاسکیں گے۔ یہی باتیں ہمارے اسلاف کو بھی سنائی گئیں۔ پس یہ صرف افسانہ ہی افسانہ

ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں پس اساطیر جمع ہوگی اسطور کی اور اس کا معنی جھوٹا افسانہ اور اس وزن کا استعمال لہویات و

لغویات کے لئے ہوتا ہے جس طرح اکذوب اور اضحوک اور یہ بھی ممکن ہے۔ اسطار کی جمع ہو جو سطر کی جمع ہے۔ صافی

قُلْ لِمَنِ۔ خداوند کریم نے ان کو قیامت اور حشر و نشر کا قائل کرنے کے لئے تین طریقے اختیار فرمائے۔ پہلا یہ کہ ان

سے پوچھو۔ زمین اور اس میں ہونے والی جملہ مخلوق کس کی ملکیت ہے اور ان سب کا خالق کون ہے ؟ تو وہ یقیناً جواب میں

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ

پوچھیں کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور رب عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے

لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ

اللہ کے لئے ہے تو کہو کیا تم نہیں ڈرتے؟ پوچھیں گے ہر چیز کی بارشاری ہر چیز کی اور وہ پناہ

يَجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ

دیتا ہے (جسے چاہے) اور نہیں پناہ دیا جاتا کوئی اس (کے عذاب) سے اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے کہ یہ اللہ کے لئے ہے کہہ دو

کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا مالک و خالق ہے تو پھر ان سمجھاؤ کہ جو خدا کتم عدم سے اس ساری مخلوق کو ہستی و شہود پر جلوہ گر کر سکتا ہے کیا وہ خدا کتم کو مرنے کے بعد اور خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ حالانکہ پہلی ایجاد دوسری دفعہ کے اعادہ سے مشکل تر ہوا کرتی ہے تو جو مشکل امر پر قادر ہے وہ آسان پر یقیناً قادر ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ پھر دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ عالم علوی میں غور کرو۔ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یقیناً ہی دیں گے کہ اللہ ہے تو کہہ دو کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اس اللہ سے ڈرو کیونکہ جو اتنی بڑی کائنات کو بغیر مادہ کے ایجاد کر سکتا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے پھر تیسری دفعہ پوری کائنات کے تصرفات میں غور و خوض کی دعوت دے کر ارشاد فرمایا ان سے دریافت کرو وہ کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر ہونے والی شے کی حکومت و بادشاہت ہے اور وہ جسے چاہے پناہ دیدے لیکن اس کی گرفت سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو اس کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ اس قسم کی محیط و وسیع سلطنت کا مالک صرف اللہ ہے تو ان سے پوچھو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جانتے بوجھے ہوئے ایک واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو ان آیات مجیدہ میں جہاں ایک طرف اثبات قیامت کے لئے دلیل قائم کی گئی ہیں وہاں دوسری طرف توحید حق سبحانہ کو بھی قابل قبول انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی جو ذات اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے سب کی ایجاد پر قادر ہے وہ سب کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور جس طرح ایجاد مخلوق میں وہ یکا و تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے اور اٹھانے میں بھی وہ تنہا قادر ہے۔

تُسْحَرُونَ۔ جس طرح باد میں فریب ہوتا ہے کہ خلاف واقعہ امر کا اظہار کر کے آنکھوں کو دھوکے میں ڈالاجاتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی جانتے ہوئے فریب خوردہ ہو۔

بَلْ أَتَيْنَاهُمُ بِالْعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ رَسُولًا مُنْجِيًا لَهُمْ مِنْ دُونِ آلِهَتِهِمْ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُم بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَقَدَرْنَا لَهُمْ فِيهِ مَا شَاءُوا مِنْ دُونِ آلِهَتِهِمْ وَلَقَدْ آتَيْنَاهُم مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِذْ سَأَلَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ آلِهَتِهِمْ فَذَرْنَاهُمْ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ أَتْلَاكُمْ أَمْ إِنَّمَا يُجِيزِ الْبَشَرُ نَجْمًا مَدْمُومًا ﴿۹۰﴾

آئے۔ کسی نے عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا اور کئی ایسے ہیں جنہوں نے خدا

فَأَنى لِّسِحْرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَآهَمُوكَذِبُونَ ﴿۹۰﴾ مَا تَخَذَ اللهُ

پھر کیوں فریب کھاتے ہو؟ بلکہ ہم نے ان کو دیا حق (پیغامِ توحید) اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں نہیں بنایا اللہ نے کوئی

مِنْ وَّلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الْإِلٰهِ إِذْ أَلْزَمَهُ بِمَا خَلَقَ

بیٹا اور نہ ہے اس کے ساتھ کوئی الٰہ (شریک) اور نہ بانٹ لیتا ہر الٰہ اپنی مخلوق کو اور حملہ کرتا ایک

وَلَعَلَّ لِبَعْضِهِمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾ عَلَيْهِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

دوسرے پر باک ہے اللہ اس سے جو وہ کہتے ہیں غائب اور حاضر کے جاننے والا ہے

کے علاوہ اور اللہ (خالق) تجویز کرے حالانکہ یہ سب جھوٹے ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی وہ شریک رکھتا ہے۔

اللہ کا معنی

آیت مجیدہ میں الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہیں یعنی خالق نہیں کیونکہ اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو وہ اپنی مخلوق بانٹ لیتا اور تقسیم میں جھگڑا پڑنے کی صورت میں دونوں میں لڑائی ہو جاتی اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس لڑائی کا نہ ہونا اور نظام کا قائم و دائم رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ساری خدائی کا خالق صرف ایک خدا ہے جس کی تدبیرِ محکم سے کائناتی نظام بدرجہ اتم و اکمل جاری ہے۔ بعض جاہل ایک معمولی خطبہ بیان کا منبر پر بیان کر کے سادہ لوح شیعوں میں شرک کی ترویج کرتے ہیں اور تمام کائنات کی تخلیق کو حضرت علی کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے اس دعویٰ کو حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بد عقیدہ لوگوں سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کر کے جیبیں پُر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عوام کے لئے عذابِ خداوندی سے کم نہیں۔ وہ دینِ دنیاداروں کے لحاظ سے خطرناک ڈاکو ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ حضرت علی اور باقی معصوم خالق ہوں تو کئی خالق بن جائیں گے پھر توحید کا عقیدہ کہاں جائے گا۔ پس انتہائی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کو خالق مانتے ہیں اللہ نہیں مانتے۔ لہذا ان کو خالق کہنے سے لالا الٰہ اللہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ آیت مجیدہ میں صاف طور پر الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے گویا جو اللہ کے علاوہ کسی کو خالق مانتا ہے وہ معنی اللہ میں شرک کرتا ہے۔ بعض جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے خلق کرتے ہیں حالانکہ آیت مجیدہ میں خداوندِ کریم نے واضح طور پر اس امر کی تردید فرمائی ہے کہ نہ میں نے کوئی بیٹا بنایا ہے جو کائناتی تخلیق اور نظام و تدبیر میں میرے ساتھ تعاون کرے اور نہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو میرا شریک کار ہو ورنہ ایسا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور جھگڑے فساد تک نوبت پہنچتی اور جن کو لوگ خالق تجویز کرتے ہیں اگر وہ اپنی مخلوق کو الگ نہیں کر سکتے تو وہ خالق کس کام کے ہیں؟ معلوم ہوا کہ اس کے سوا سب کے سب اس کے بندے ہیں اور اس کی قدرت و عظمت کے سامنے نہ گونا اور اس کے عبادت گزار ہیں۔ پس جن لوگوں نے آلِ محمد کی طرف پیدا کرنا منسوب کیا ہے وہ مشرک ہیں اور ایسوں کو نہ آلِ محمد معاف کریں گے اور نہ خدا معاف کرے گا۔ چنانچہ اس نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے اور اس کو قرآن مجید میں ناقابلِ عفو

جرم ٹھہرایا ہے۔

آیت مجیدہ میں توحید حق سبحانہ پر دو دلیل قائم کی گئی ہیں۔

**توحید** ۱، دلیل تائید و ۲، دلیل تانح

**۱، دلیل تائید** | یعنی اگر ایک سے زیادہ خالق اور الہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت میں دوسرے کی شرکت کو برداشت نہ کرتا اور اس کے قادر ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق کو دوسروں کی مخلوق سے الگ کر لیتا اور اپنی خلق کردہ اشیاء کو دوسروں کے قبضہ اور ان کی بالادستی سے نکال سکتے اور اپنی الگ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوتا نیز ہر ایک کے قادر ہونے کا لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ہر دوسرے کا دفاع کر سکتا اور جو بھی دوسرے

کے دفاع پر قادر ہوتا وہی صحیح الہ ہوتا۔ پس اس تائید کا انجام تدافع ہوتا اور نظام عالم درہم برہم ہوتا اس دلیل کا آئی بھی دلیل تانح ہے **۲، دلیل تانح** | **وَلَعَلَّ الْبَعْضُ مِمَّنْ** یعنی اگر ایک سے زیادہ الہ ہوتے تو قدرت ان کی عین ذات ہوتی لہذا ہر ایک ہر اس چیز پر قادر

ہو سکتا ہے۔ پس ایک کا ایک مخلوق میں دوسرے سے بسقت کرنا یا تو دوسرے کی بے علمی سے ہوگا۔ یا بے بسی سے ہوگا اور یہ دونوں چیزیں الہ میں ناممکن ہیں۔ پس مخلوق کے ہر فرد کے مقام تخلیق میں خداؤں کے درمیان رسد کشی شروع ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ہر ایک کی قدرت کا لازمہ یہ ہے کہ دوسرے کے دفاع پر قادر ہو۔ پس ہر ایک غالب بھی ہوتا اور مغلوب بھی۔ اور اسی کا نام تانح ہے کیونکہ دونوں کی قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مقام سے دھکیل سکیں اور نیز ان کی قدرت کا لازمہ یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے دھکیلے نہ جاسکیں۔ پس چونکہ مخلوق میں تائید نہیں اور خداؤں میں تانح نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات کا خالق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کے اعجاز کی زبردست دلیل ہے یہ بات کہ اس قدر مختصر بیان میں توحید خالق کی دو ایسی دلیلیں سمودی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کلام میں اس قدر مختصر فقرات ایسی معنویت پر مشتمل نہیں ہو سکتے۔

**سوال و جواب** | اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ممکن ہے کہ چند خالق ہوں لیکن ان کی ایک دوسرے سے صلح ہو اور وہ کامل اتفاق سے نظام کو چلا رہے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دوسرے کے برابر قدرت رکھنا ہر ایک کی قدرت کے محدود ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کا اگر دفاع کر سکتا ہے جیسا کہ قادر ہونے کا مطلب ہے، تو سابق خرابی یقیناً لازم آئے گی۔ اور اگر ہر ایک دوسرے کے دفاع پر قادر نہیں تو سب عاجز ہوں گے اور ان میں سے خدا کوئی بھی نہ ہوگا بلکہ خدا وہ ہوگا جو ان سب پر حاوی ہوگا۔ اور وہ ایک ہی ہوگا۔

**رکوع نمبر ۱** | **قُلْ رَبِّ صَلِّ** مروی ہے کہ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو اطلاع دی تھی کہ میں قریش مکہ پر عذاب نازل کروں گا۔ پس باذن پروردگار حضور نے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار! اگر میری زندگی میں اور میرے سامنے تو ان پر عذاب نازل کرے تو مجھے محفوظ رکھنا۔ حضور کا یہ طریقہ امت کی تعلیم کے لئے ہے کہ گرفتار عذاب کو دیکھو تو اپنے لئے

فَتَعَلَىٰ عِبَادِ الشِّرْكَونَ ﴿٩٢﴾ قُلْ رَبِّ اِمَّا تَرِيَنِي مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ

پس بندہ بالاجہ اس سے جو شرک کرتے ہیں کہہ دے اے رب اگر تو مجھے دکھائے (وہ عذاب) جس کا وہ وعدہ دئے گئے ہیں۔ اے

فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيْكَ مَا نَعِدُهُمْ

رب نہ کرنا مجھے ظلم کرنے والے لوگوں میں اور تحقیق ہم اد پر اس کے کہ دکھائیں تجھے وہ جس کا ان سے وعدہ

لَقَدْ رُوْنَا ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالتِّيْهِ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ حٰنْ اَعْلَمُ بِاَيِّ صِفُوْنَ

ہے البتہ قادر ہیں دفع کرو اس (طریقہ سے) جو اچھا ہو برائی کو ہم جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ ﴿٩٦﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

اور کہو اے رب میں پناہ مانگتا ہوں تیری وسوسہ شیطان سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اے رب

اَنْ يُّحْضِرُوْنَ ﴿٩٧﴾ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ مَتَال

اس سے کہ وہ حاضر ہوں میرے پاس ایساں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی پر موت

اپنے پروردگار سے دفع عذاب کی دعا مانگا کرو۔ اگرچہ اپنے متعلق نجات کا یقین بھی ہو۔

اِدْفَعْ بِالتِّيْهِ۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب بھی کوئی انسانی نیکی اور خدمت خلق کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو طعن و تشنیع اور اعتراضات و اشکالات کا بے پناہ سلسلہ کھارنیر سے روکنے کے لئے شروع ہو جاتا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ گھبرا کر کسی طرح وہ نیکی سے دست بردار ہو جائے اور آیت مجیدہ میں پروردگار بذریعہ اپنے حبیب کے نام ہدایت کے علم برداروں کو ایک بہترین اصول تبلیغ تعلیم دے رہا ہے کہ لوگوں کی جانب سے بدسلوکی کا جواب بدسلوکی سے نہ دو بلکہ ان کی برائی کو اپنی اچھائی کے ذریعے روکو اور ان کی ہر طرح کی بدذبانی کو اپنے حسن کردار کے دامن میں سمیٹے جاؤ۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی کا دشمن خدا ترس ہو تو اس کو اپنے دشمن کی ایذا رسانی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خوفِ خدا اس کو خود بخود دیر ہی ایذا سے روکنے والا موجود ہے۔ اور بعض اوقات اس کی خدا ترسی کو بزدلی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے لیکن وہ ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر حوادث دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کسی کا دشمن کوئی ناخدا ترس ہو تو وہ ہر وقت اپنی جان مال اور ناموس کو خطرے میں پاتا ہے دیکھئے ادا بیان دین کے دشمن خدا ترس تو ہونہیں ہو سکتے اور ناخدا ترس لوگوں کا کام ہی شرفاء کی بگڑی اچھائنا ہوتا ہے۔ پس خداوند کریم صبر و ضبط اور حلم و حوصلہ سے جہلا کی باتوں کو برداشت کر کے نیک راستے کی ہدایت کی تلقین فرماتا ہے۔ بنا بریں علمائے کرام کو دورِ حاضر میں بجائے گھبرانے کے کبر ہمت بانڈھ کر ہر باطل کے طوفان کے آگے سینہ سپر ہو جانا

# رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا

ترکے گا اے رب مجھے واپس بھیج تاکہ میں عمل کروں اس چیز کے بارے میں جو چھوڑ آیا ہوں (فرماتا ہے) ہرگز نہیں

## كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۰﴾

بلکہ یہ بات ہے جو اس نے کہہ دی اور ان کے پیچھے بَرزخ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے

چاہیے اور ہر بربزبانی کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے اپنے آثارِ علمیہ کی حفاظت کرتے ہوئے قدم آگے بڑھانا چاہیے  
انشاء اللہ تائید ایزدی شامل حال رہے گی۔

تفسیر بیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب جب سے مبعوث ہوئے  
اخلاقِ نبویہؐ تا دمِ زلیست کبھی تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا کسی مجلس میں کبھی کسی ہمنشین نے آپ کو ننگے زانو نہیں دیکھا۔  
جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو اتنے تک باتہ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ دوسرا آدمی باتہ نہ کھینچتا۔ کسی کی بدسلوکی کا بدلہ کبھی  
بدسلوکی سے نہ دیا۔ کبھی سائل کو دروازہ سے نہ روکا۔ اگر کچھ پاس ہوتا تھا تو دیدیتے ورنہ فرماتے تھے تجھے اللہ عطا فرمائے گا جس کسی  
کے ساتھ اللہ کی طرف سے ملنے کا وعدہ فرماتے تھے تو اللہ اس کو پورا کرتا تھا۔ اور ان کا بھائی ان کے بعد انہی کے اخلاقِ کریمہ کا  
آئینہ دار تھا۔ انہوں نے دنیا میں کبھی حرام کو منہ نہیں لگایا اور اگر ان کے سامنے دو امر اطاعت پروردگار کے پیش ہوتے تو اس کو اختیار  
فرماتے تھے جو بدن کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم انہوں نے رضائے پروردگار کیلئے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ایک ہزار  
غلام خرید کر کے آزاد کئے۔ خدا کی قسم جناب رسالت مآب کے کردار کا مکمل آئینہ دار ان کے بغیر اور کوئی نہ ہو سکا۔ خدا کی قسم جب بھی حضرت  
رسالت مآب پر کوئی مشکل آئی تو ان کو ہی سینہ سپر کیا کیونکہ ان پر ہی ان کو کامل اعتماد تھا اور جب بھی حضور ان کو کسی جنگ میں فوج  
کا علم دیکر روانہ فرماتے تھے تو جبریل ان کے دائیں اور میکائیل ان کے بائیں ہو کر مشغول جہاد ہوتے یہاں تک کہ فتح کے بغیر  
واپس نہیں پلٹتے تھے (محصلاً) نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ تام لوگوں سے زیادہ سیرت و کردار میں پیغمبر سے مشابہ تھے  
حضرت علیؑ اجرت پر لوگوں کے باغات کو سیراب کرتے تھے۔ اور نکلے جانے والے جنگل سے لاکھ فروخت کرتے تھے اور جناب فاطمہؑ  
گھر لویو کا روبرو اپنے ہاتھ سے انجام دیا کرتی تھیں چنانچہ کھانا خود پکاتی تھیں اور بچوں کے کپڑے خود سیا کرتی تھیں۔ (محصلاً)  
رَبِّ ارْجِعُونِ۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے اور یا ئے متکلم تعظیم کے لئے حذف کر دی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر  
صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا عذابِ موت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ مجھے ایک مرتبہ واپس زندگی  
دیکر بھیجا جائے تاکہ میں جو فریضہ ترک کر آیا ہوں اسے ادا کروں اور آیت مجیدہ کے الفاظ ہر کافر و ملحد و بے دین کو شامل ہیں جنہوں نے  
دعوتِ اسلام کو ٹھکرا کر خلافِ تعلیم پیغمبر غلط کاریوں میں وقت گزارا۔ اور جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ بوقتِ مرگ فرشتے  
مومن سے کہتے ہیں کہ اگر تیرا ارادہ ہو تو مجھے واپس دینا میں بھیجا جائے پس جواب میں مومن کہتا ہے کہ میں دوبارہ رنج و بلا کے گھر

کی طرف نہیں جانا چاہتا لیکن کافروں کو دیکھ کر کہتا ہے مجھے واپس پلٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمال کا تدارک کر لوں۔  
 بُرُزُخٌ ۸۹۔ اسکا لفظی ترجمہ ہے مانع اور اصطلاح شریعت میں مرنے سے تاقیامت کے درمیانی عرصہ کا نام برزخ ہے  
 تفسیر زبان میں قہمی سے منقول ہے کہ دنیا و آخرت کے درمیان ثواب و عقاب کی منزل کا نام برزخ ہے اور یہ آیت ان لوگوں  
 کی ترویج کر رہی ہے جو قیامت سے پہلے عذابِ ثواب و عقاب کا انکار کرتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے  
 فرمایا خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق صرف برزخ کا ڈر ہے ورنہ جب معاملہ ہمارے پاس پہنچے گا تو ہم تمہارے لئے اچھا انتظام کر  
 لیں گے۔

بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک راوی حدیث نے سوال کیا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے  
 تمام شیعہ جنت میں جائیں گے خواہ کسی قدر ہی ان سے لغزشیں سرزد ہوں یا آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے خدا کی قسم وہ سب کے سب  
 جنت میں جائیں گے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں یہ گناہ بڑے بڑے بھی تو ہوتے ہیں یا آپ نے فرمایا  
 قیامت کے دن تو تم سب کے سب نبی یا وصی نبی کی شفاعت سے جنت میں جاؤ گے لیکن برزخ کے متعلق مجھے تمہارا خطہ ہے راوی  
 نے پوچھا کہ برزخ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ۔

بروایت زہری امام علی بن العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسان پر تین وقت بہت سخت آتے ہیں پہلا موت کا وقت  
 دوسرا قبر سے اٹھنے کا وقت تیسرا اللہ کے دربار میں پیشی کا وقت پھر جنت والے جنت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ  
 میں ڈالے جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اے آدم زادے، اگر موت کے وقت تیری اچھی گذر گئی تو ٹھیک دانہ ہلاکت دائمی اور اگر قبر میں  
 تیری نجات ہو گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور پہل صراط سے اگر گذر گیا تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور منزل حساب میں تجھے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ  
 ہلاکت۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ الخ

فَلَا تُسَابُکُمْ بِآیَاتِ اللّٰهِ فَتَعْتَبُوْا اَنْتُمْ وَاَنْتُمْ اَعْمٰیؕ  
 فلا التساب کی تفسیر میں قہمی سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بروز قیامت ہر شخص اپنے اعمال کی  
 بدولت آگے بڑھ سکے گا اور اس کی دلیل حضرت رسالتاً کا فرمان ہے کہ عربی ہونا ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے  
 بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جو بھی بول لے وہی عربی ہے آگاہ ہونے کے سبب اولاد آدم ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے  
 خدا کی قسم اللہ کی اطاعت کرنے والا حبشی غلام اس سید قرشی سے بہتر ہے جو اللہ کا نافرمان ہو۔ اور اللہ کے نزدیک زیادہ عزت دار  
 وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ فَاِذَا لَفِظَتْہُ الرِّجَالُ

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ آیت مجیدہ میں صریح طور پر اعلان ہے کہ اس وقت لوگ ایک دوسرے سے بات تک  
 نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر ارشادِ قدرت ہے وَاَقْبِلْ لِبَعْضِہُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَاءَلُوْنَ۔ یعنی بروز محشر ایک دوسرے  
 سے پوچھ گچھ کریں گے یہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے موقف متعدد ہیں۔ وَلَا یَتَسَاءَلُوْنَ۔ اس موقف کی ترجمانی ہے جب  
 نفعِ صبر ہو گا اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے پس اس وقت کسی کو کسی سے کچھ پوچھنے کی مہلت و فرصت نہ ہوگی اور اَقْبِلْ لِبَعْضِہُمْ عَلٰی

فَاِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا اسَّابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

پس جب بھونکا جائے گا صور میں پس نہ رشتہ داریاں ہونگی آپس کی اس دن اور نہ احوال پرسی ہوگی

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

پس جس کا میزان بھارا ہوگا (نیکی کا) تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جن کا میزان ہلکا

مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾

ہوگا (نیکی کا) تو وہ وہ ہوں گے جنہوں نے گھانا دیا اپنے نفسوں کو وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

تَلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَتِي

جلانے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں کھلے منہ رو سیاہ ہونگے (کہا جائیگا) کیا نہیں پڑھی گئیں تم پر میری

والی آیت اس موقف کے بیان میں ہے جب لوگ اللہ کے دربار میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے۔

فَاِذَا نَفَخَ: نفع صور کی حقیقت کو سمجھنا تو ہمارے ناقص عقول کی پہنچ سے بالاتر ہے بس اسی قدر ہی روایات سے مستفاد ہے کہ نفع صور پر امام فرشتہ حضرت اسرافیل ہے۔ جب پہلی دفعہ نفع صور ہوگا تو تمام زندہ مر جائیں گے اور ایک وقفہ کے بعد جو سچا پس برس بتایا گیا ہے جب دوبارہ نفع صور ہوگا تو سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت دربار پروردگار میں پیشی کے لئے بلاوا ہوگا۔ پس ہر شخص اپنی فکر میں کھویا ہوا ہوگا۔ کسی کو اپنے عزیز و قریبی رشتہ دار کا کوئی خیال تک نہ آئے گا اور باوجود اسٹھے ہونے کے نہ ایک دوسرے کے شریک غم ہوں گے اور نہ آپس میں احوال پرسی کر کے غم غلط کر سکیں گے۔ جناب رسالت مآب سے مروی ہے

كُلُّ حَسَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ اَلْحَسْبِيُّ وَنَسْبِي۔ یعنی ہر حسب و نسب ختم ہو جائے گا۔ سوائے میرے حسب و نسب کے

رجح البیان مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو کسی رشتہ کا فائدہ پہنچے گا اور نہ کوئی کسی رشتہ پر ناز کر سکے گا بس اپنے اعمال کام آئیں گے لیکن جناب رسالت مآب کا نسب قیامت کے دن بھی فائدہ دے گا۔ نفع صور کی تشریح تفسیر کی بلذنب ۱۲ ص ۱۳۵ پر آئے گی۔

تَلْفَحُ: یعنی جہنم کی آگ ان کی شکلوں کو مسخ کر دے گی۔ چنانچہ مروی ہے کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو کھج جائے گا اور نیچے کا ہونٹ نافت تک ٹٹک آئے گا اور بقول ابن مسعود دونو ہونٹ جل کر گر پڑیں گے اور دانت نمایاں ہو جائیں گے۔ پس جب یہ لوگ قیامت میں آئیں گے تو آگ میں مجلس جانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کے منہ پھٹے کے پھٹے ہوں گے۔ نفع اور اور نفع دونو کا معنی ایک ہے۔ لیکن نفع نفع سے زیادہ سخت ہے پس نفع کا معنی ہے بادِ سموم کا منہ پر سختی سے پڑنا اور نفع کا معنی ہے تیز ہوا کا منہ پر پڑنا۔ (مجمع البیان)

قَالَ احْسُوا صَوْرًا خَسَاً يَنْسَأُ كَتِّهِ كَوَهْتِكَا نَعْنِي فِي هِي هِيَ۔ گو یا پروردگار کی جانب سے دوزخیوں کو ان کے سوال



تُثَلِّي عَلَيْكُمْ فَأَنْتُمْ رَهَايُتُكُذِّبُونَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

آیتیں پس تم ان کو جھٹلاتے تھے؟ کہیں گے اے رب سوار ہو گئی ہم پر

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا عِدْنَا

اپنی بد بختی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے رب نکال ہم کو اس سے پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم

فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَ ﴿۱۰۸﴾ رَبَّنَا

ظالم ہوں گے فرمائے گا دفع ہو جاؤ اس میں اور نہ بلو میرے ساتھ تحقیق

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَفْغَرْنَا وَارْحَمْنَا وَ

ایک گروہ میرے بندوں میں سے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو

کے جواب میں کہتے کی طرح دھتکارا جائے گا کہ دفع ہو جاؤ اور کب کو اس بند کرو۔

۱۰۵۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کیا اعمال تو لے نہ جائیں گے تو آپ نے نکات علمیہ فرمایا کہ نہیں کیونکہ وہ اجسام نہیں بلکہ صفات ہیں نیز تو نے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو اس کے عدو یا وزن کا علم نہ ہو حالانکہ خدا پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پس راوی نے پوچھا کہ میرا ان کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے عدل پس موازن کے ہمارے ہونے کا مقصد ہے نیک اعمال کی زیادتی اور بکے ہونے کا مطلب ہے نیک اعمال کی کمی

۱۰۶۔ کعب الاجبار سے مروی ہے قیامت کے دن لوگ چار قسموں پر مشہور ہوں گے۔ کچھ سوار ہوں گے کچھ پیدل ہوں گے کچھ گھٹنے ٹیک کر جانے والے ہوں گے اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہوگی جو منہ کے بل جائیں گے۔ اندھے بہرے اور گونگے ہوں گے۔ نہ بول سکیں گے اور نہ اپنا کوئی عندہ پیش کر سکیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں کعب نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مرتد ہو گئے اور بیعت توڑ کر خلیفہ رسول سے نبرد آزما ہوئے اور بر احوال ہو گئے ان لوگوں کا جو وحی پیغمبر کے خلاف جنگ لڑے اور کعب کے رب کی قسم وہ صرف علی کی ذات ہی ہے اور اسی کی نسل سے حضرت ہمدی علیہ السلام ہیں۔ عجل اللہ فرجہ (مخضاً) برمان

۱۰۷۔ مسخریاً کفار کا مومنین سے تمسخر و طرح کا تھا۔ ایک یہ کہ مومنین کے غریب طبقہ کے لوگوں کو مزدوری پر لے جاتے تھے اور سارا دن ان سے مزدوری کرانے کے بعد بغیر اجرت دیئے ان کو گھروں کی طرف بھیج دیتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ جب مومنوں کو دیکھتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے ان لوگوں کو دیکھو جو دنیا میں پست ترین زندگی پر راضی ہیں اور آخرت میں اس کے بدلہ کی امید رکھتے ہوئے ہیں حالانکہ نہ کوئی آخرت ہے اور نہ ثواب۔ پس ان آیات مجیدہ میں خداوند کریم فرماتا ہے۔ ان کو دوزخ میں بھیج کر ہم یاد دلائیں گے کہ تم کس طرح مومنوں سے مسخری کرتے تھے۔

أَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَأَخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّى أَنْسُوكُمْ

بہتر رحم کرنے والا ہے تو تم بناتے تھے ان کو جائے منزل بازی یہاں تک کہ ان کی (چھٹی بازی) نے

ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۗ

بھلا دیا تم کو میرا ذکر اور تم ان سے ہنستے تھے میں نے ان کو جزا دی ہے آج ان کے صبر کی بدولت کہ وہ

أَفْهَمَهُمُ الْفَأْتِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدُوِّ سِينِينَ ﴿۱۱۲﴾

کامیاب ہونے والے ہیں پلوچھو گئے رہے ہو زمین میں سالوں کی تعداد

قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِينَ ﴿۱۱۳﴾ قُلْ إِنْ

کہیں گے ٹھہرے ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا پس پلوچھو گئے والے (فرشتوں) سے کہے گا نہیں ٹھہرے تم

لَبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۴﴾ أَفَجِبْتُمْ أَنْ يَخْلُقَكُمْ

مگر تھوڑا عرصہ کاش تم جانتے تھے کیا تم یہ سمجھے کہ ہم نے پیدا کیا ہے تم کو

عَبَادًا وَأَنْتُمْ إِلَيْنَا لَتَرْجِعُونَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ

بے فائدہ اور تحقیق تم ہماری طرف نہ لٹائے جاؤ گے پس بلند ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے

النُّسُوكُمْ۔ یعنی کفار لوگ مومنوں پر طعن و تشنیع میں وقت ضائع کر کے ان کے لئے پریشانی کا موجب بنتے تھے اور اپنے ذہن و دماغ کے دروازوں کو مقفل کر کے کفر و شرک کی تاریک وادی میں رہنے پر مصر تھے ورنہ اگر مومنوں کی تحقیق و تامل کے درپے ہونے کی بجائے عقل و خرد سے کام لیتے ہوئے دعوتِ اسلامیہ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آخرت کی پریشانیوں اور پریشانیوں سے بچ جاتے۔ پس قیامت کے دن گرفتار عذاب ہونے کے بعد ان کو کہا جائے گا کہ تمہیں آج یہ سوچ آ رہی ہے کہ واپس پلٹ کر ہم اچھے کام کرتے حالانکہ دنیا میں مومنوں کے ساتھ مسخری کرنے میں وقت ضائع کرنے کی وجہ سے تم مجھے بھلا بیٹھے تھے۔ آیت مجیدہ میں انصار کا فاعل ضمیر کم کو قرار دیا گیا ہے جو مومنوں کی طرف راجع ہے کیونکہ کفار کی یادِ خدا سے غفلت کا سبب مومن تھے یعنی کافر لوگ ان کی چھٹی بازی کی بدولت دعوتِ توحید کو نظر انداز کر بیٹھے تھے۔

لَبِئْنَا۔ قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر انہیں دنیاوی گذشتہ زندگی ایک ادھ لوم معلوم ہوگی اور ممکن ہے ایامِ آخرت کے لحاظ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَدْعُ

نہیں کوئی معبود مگر وہی جو عرش کرم کا پروردگار ہے اور جو پکارے

مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ

اللہ کے ساتھ کسی اور الہ کو تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں پس اس کا حساب اس کے رب

عِنْدَ رَبِّهِ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَبِّ

کے پاس ہے تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے کافر لوگ اور کہہ اے رب

اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۱۸﴾

بخش دے اور رحم کر اور تو بہتر رحم کرنے والا ہے

سے وہ دنیاوی زندگی کو ایک آدھ یوم سمجھیں گے

لَوْ أَنْتُمْ مَعَهُ، یعنی اگر تم جانتے ہو تے کہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں اس قدر تھوڑی ہے تو تم اسلامی تعلیمات کو شکرانے کی جرات نہ کرتے اور فنا کو بقا پر ترجیح نہ دیتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ ۙ یعنی ہر عقلمند اور باہوش انسان نظام عالم میں فکر و تدبیر کرنے سے اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ اتنا لباچر اور پراز حکمت و مصلحت سچتہ نظام کسی غرض و غایت کے بغیر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس نظام کا خالق مدبر اور حکیم ہے اور حکیم کا کام بے فائدہ نہیں ہوا کرتا لہذا ماننا پڑتا ہے کہ اس تخلیق کی کوئی غرض اہم ضرور ہے اور اگر غرض کا مرجع اللہ کی ذات ہو تو محال ہے کیونکہ اللہ اغراض سے پاک ہے۔ اس لئے کہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے غرض کا اور اللہ محتاج نہیں بنا بریں ضروری ہے کہ غرض کا مرجع مخلوق ہو اور وہ ہے دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام اور رد کرنے والوں کے لئے عذاب و عقاب اور اس کا محل روز قیامت ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ فعل جس کا فائدہ نہ فاعل کو پہنچے اور نہ کسی دوسرے کو عیب شمار ہوتا ہے اور خدا عیب سے پاک ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت علی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم فنا کے لئے نہیں بلکہ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ اس کی جنت ختم ہونے والی ہے۔ اور نہ اس کی آگ خاموش ہونے والی ہے۔ پس ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# سُورَةُ نُورٍ

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی آیات کی تعداد چونتیس<sup>۶۴</sup> ہے اور بسم اللہ کے ساتھ پینچھ<sup>۶۵</sup> ہے۔

تفسیر برٹان میں بروایت ابن ابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی ذات کو اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو سورہ نور کی تلاوت سے پاکلاسن بناؤ کیونکہ جو شخص شب و روز اس کی تلاوت کرتا رہے تو وہ مرتے دم تک اپنے خاندان میں برائی نہ دیکھے گا۔ اور مرنے کے بعد تترہزار فرشتے قبر تک اس کے جنازہ کے ساتھ جائیں گے اور قبر میں پہنچے تک اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کریں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ عورتوں کو بلا خانوں میں جگہ نہ دو اور ان کو کھانا نہ سکھاؤ البتہ ان کو چرخا کانا سکھاؤ اور سورہ نور کی تعلیم دو۔

جناب رسالت مآب سے مروی ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

احام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنی چادر میں رکھے یا بستر میں رکھ کر سو جائے تو اس کو احلام نہ ہوگا۔

## نور کی حقیقت

چونکہ اس سورہ مجید کا نام سورہ نور ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نور کے مفہوم کی وضاحت کریں۔ نور کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے **هُوَ انْفَاصٌ وَجِدَا قَبْهَ الْمَطْمَظِ لَغَيْرِهَا**۔ یعنی وہ جو خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا سبب اور موجب ہو۔ اگر نور کے تمام استعمالات عرفیہ اور اطلاقات شرعیہ کا جائزہ لیا جائے۔ تو انسان باسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نور عدم کے مقابلہ میں وجود کا نام ہے اور شر کے مقابلہ میں خیر کا نام ہے اور نور صفات میں سے ہے ذوات میں سے نہیں۔ یعنی عرض ہے جوہر نہیں۔ البتہ ذات وجود ہر اس کا اطلاق ازراہ مجاز کثرت سے ہوا کرتا ہے اور نور جو کہ صفت وجودی ہے اور خیر اس کی حقیقت میں داخل ہے۔ بنا بریں اس کا مقابلہ شروع عدم سے ہو گا۔ اور جن لوگوں نے نور کے مقابلہ میں بشر کو رکھا ہے وہ حقیقت نور کو سمجھنے سے قاصر ہیں پس یوں سمجھئے کہ اوصاف میں سے ہر روشن پہلو پر نور کا اطلاق صحیح ہے اور ہر تاریک پہلو پر ظلمت کا استعمال درست ہے۔ مثلاً نور وجود کے مقابلہ میں ظلمت عدم ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ خدا نے مخلوق کو ظلمت عدم سے نکال کر نور وجود عطا فرمایا۔ اسی طرح علم روشن پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت تاریک پہلو ہے۔ پس علم نور ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت ظلمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ علم پھٹنے پھانسنے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے خدا جس کے دل میں چاہے ڈالے۔ نیکی کے مقابلہ میں بُرائی ظلمت ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی ظلمت اور نتیجہ کے لحاظ سے جہنم کے مقابلہ میں جہنم ظلمت ہے۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔ **اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُونَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ السَّاعُونَ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ**۔ پ ۲۶ ترجمہ **اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُونَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ السَّاعُونَ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ**۔ ہے کہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور شیاطین کافروں کے ادیار ہیں کہ ان کو نور سے نکال کر ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں، یعنی اللہ اپنے بندوں کو گمراہی اور بُرائی سے نکال کر دعوت حقہ کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کی طرف لاتا ہے تاکہ جہنم کی سزا سے بچ کر جنت کی جزا پائیں اور اس کے برعکس کفار لوگ جو شیطانوں کے ہتھکنڈوں میں آگئے وہ ان کو خیر و رشد سے ہٹا کر شر و ضلالت کی طرف کیٹھ لے جاتے ہیں۔ پس جنت کی بہاروں سے محروم کر کے ان کو جہنم کے انکاروں کی طرف دھکیل دیتے ہیں اسی طرح ذرا وجود انسانی کا سرسری جائزہ لیجئے۔ آنکھوں میں بینائی نور ہے اور اندھا پن ظلمت ہے۔ کانوں میں سماعت کی قوت نور ہے اور بہرہ پن ظلمت ہے اور زبان میں قوت گویائی نور ہے اور گونگا ہونا ظلمت ہے و علیٰ ہذا القیاس ہر عضو میں اس کی مناسب قوت جو اس کا روشن پہلو ہے نور ہے اور اس کا نہ ہونا ظلمت ہے پس نور ہر صفت کمال کا نام ہے جس کا عدم ظلمت ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نور اگرچہ صفت ہے لیکن جب کسی موصوف میں بدرجہ کمال موجود ہو تو ازراہ مجاز ذات موصوف پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا ہے جس طرح کسی عادل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر عادل ہے گویا مجسمہ عدل ہے۔ اسی طرح شجاع کو مجسمہ شجاعت اور عالم کو مجسمہ علم اطلاق مجازی میں درست ہے۔ خداوند کریم جو جمیع صفات کمال کا جامع اور واجب الوجود ہے۔ اس پر نور کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ **اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔ یعنی اللہ جو نور محض ہے اور اس میں کوئی ظلماتی پہلو نہیں کیونکہ صفات ثبوتیہ اس کی عین ذات ہیں اور صفات سلبیہ سے وہ منزہ و مبرا ہے۔ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو نور وجود سے

متور کرنے والا ہے کہ ظلمت کو عدم سے نکال کر منصف شہود پر خلعت وجود سے آراستہ کر کے ان کو بقعہ نور بنایا۔

اس کی مخلوق میں سے فرشتے نور ہیں کہ صفات خیر سے آراستہ اور صفات شر سے یکسو و مترا ہیں۔ قرآن مجید میں انجیل کی آیات پر نور کا اطلاق موجود ہے۔ اَتَيْنَاهُ الْاِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ پ ۱۱۔ یعنی ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسی طرح تورات کی آیات پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ پ ۱۱۔ یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا کہ اس میں ہدایت اور نور تھا اور قرآن مجید پر صرف نور نہیں بلکہ نور میں کا اطلاق ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا۔ پ ۱۰ ترجمہ۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور میں بھیجا ہے (قرآن مجید) بعض روایات میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ جس طرح تفسیر کی جلد نمبر ۱۷ پر گزر چکا ہے یعنی خدا کی جانب سے آنے والی کتابیں جن میں قرآن مجید سید الکتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں کوئی ایک جگہ بھی ایسا نہیں ہے جو دعوت خیر و ہدایت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے نہ ہو، پس وہ نور کی طرف لیجانے بلکہ مجسمہ نور کتابیں ہیں۔ اسی طرح چاند چونکہ خود روشن اور اہل زمین کے لئے روشنی کا باعث ہے۔ اس پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا۔ پ ۶۔ وہ ذات ہے جس نے سورج کو تابانی اور چاند کو روشنی عطا فرمائی اسی بنا پر خدا کے وہ بندے جو صفات بد سے مبرا و منزہ اور صفات خیر سے آراستہ ہیں ان کو نور کہا جاتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصیاء اطہار میں سب نور ہیں۔ اور حضور رسالت اکابر پر نور کا اطلاق قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورًا وَكِتَابٌ مُبِينٌ پ ۱۰۔ ترجمہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آچکے ہیں۔ اس جگہ نور سے مراد حضرت رسالت اکابر ہیں۔ جس طرح ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۱۷ میں ص ۱۸ پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی نور کا اطلاق ذات باری پر موجود ہے۔ چنانچہ دعائے نور کے الفاظ ہیں بِسْمِ اللَّهِ التَّوْحِيدِ بِسْمِ اللَّهِ نُورِ النَّوْصِرِ الخ۔ اور حضرت رسالت اکابر اور اس کی آل اطہار کی ذات مقدسہ پر نور کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ چنانچہ خلقت نوری کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۱۷ میں صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت ابراہیم کی سیر ملکوتی کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۱۷ میں ص ۲۳۳ پر مندرج ہے اسی طرح زیارت کے الفاظ ہیں اَنْتَ كُنْتَ نُورًا فِي الْاَصْلَابِ الشَّارِحَةِ وَالْاَحْجَامِ الْمُطَهَّرَةِ الخ۔ معصوم کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ تو بلند پشتوں اور پاکیزہ رجھوں میں نور کی حیثیت سے موجود تھا۔ چنانچہ اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر کے عنوان آگے نبی کا اسلام میں حدیث نور مذکور ہوگی ص ۲۱۸۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔ پس جس طرح نور کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا باعث ہو۔ لہذا وہ ذات ظاہر جو اپنے مقام پر ہمیں و کثافت سے پاک اور ہر فضل و کمال کی صفت سے آراستہ ہوں وہ نور کے صحیح مصداق ہیں اور تمام مخلوق میں سے محمد و آل محمد نور کے اکل و اشرف افراد ہیں۔ کیونکہ انہی کی بدولت تمام عالم بقعہ نور بنا۔ اور خدا اس لئے نور ہے کہ وہ تمام انوار کا خالق و موجد اور جامع جمیع صفات کمال ہے۔ بایں طور کہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔

**قرآن میں نور کا استعمال** قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نور سے مختلف معانی مراد لئے گئے ہیں لیکن نتیجہ اور مآل کے لحاظ سے سب کی بازگشت ایک معنی کی طرف ہے یعنی نور سے مراد صفاتِ کمالیہ ذاتیہ کا مثبت

اور روشن پہلو اور اس کے مقابلہ میں ظلمت سے مراد اس صفت کا منفی اور تاریک پہلو ہے (۱) ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ - پ ۳ ع ۳۔ ترجمہ - ختم کر دیا اللہ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ان کو تاریکی میں۔ نور سے مراد روشنی اور ظلمت سے مراد تاریکی ہے (۲) اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ لَهُمُ الظُّلُمَاتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ - پ ۲ ع ۲۔ ترجمہ - اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو دکھو شرک و گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر و اسلام و ایمان و خیرات کی روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیاء شیاطین ہیں جو ان کو (اسلام و ایمان و خیرات کی روشنی سے نکال کر) دکھو شرک و گمراہی کی تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہاں نور سے مراد اسلام و ایمان و جملہ امور خیر ہیں اور ظلمت سے مراد کفر و شرک و الحاد و جملہ امور شر ہیں (۳) قَدْ جَاءَكُمْ نُورٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا - پ ۲ ع ۲۔ ترجمہ - تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے اور ہم نے اتار تمہاری طرف نور میں کو یہاں نور سے مراد ہدایت قرآنیہ ہے یا ولایت علی ہے اور اس کے برعکس ظلمت ہے۔ یہی قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ۔ پ ۲ ع ۱۔ ترجمہ تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتابِ مبین۔ اور اس جگہ نور سے مراد نورِ نبوت ہے اور اس کا انکار ظلمت ہے (۵) وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ - پ ۹ ع ۹۔ اور اتباع کی اس نور کی جو اتارا گیا ساتھ اس کے یہاں نور سے مراد بروایت صافی و کافی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ تفسیر نزاہت نمبر ۶ ص ۱۵۱ اور اس کے برعکس ظلمت اس کے انکار کا نام ہے (۶) مَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ - پ ۱۱ ع ۱۱۔ جس کے لئے اللہ نور کا سامان پیدا نہ کرے تو اس کو نور نہیں ملتا۔ یہاں نور سے مراد ہدایت ہے اور اس کے برعکس ظلمت گمراہی کا نام ہے (۷) أَلَمْ نَكُنْ مِن قَبْلِهِ قَوْمًا مُّسْلِمِينَ - پ ۱۱ ع ۱۱۔ ہم اس سے پہلے اس کے لئے خدا کو مل دے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر گامزن ہوتا ہے یہاں نور سے مراد نورِ ہدایت اور صراطِ مستقیم ہے اور اس کے برعکس گمراہی اور کج روی کا نام ظلمت ہے (۹) يُؤْتِي السُّورَ الْأَمْثَلِ وَالْمَنَافِعَاتِ لِلَّذِينَ آمَنُوا نَظْمًا وَوَاوَاظِعَاتٍ مِّن نُّورٍ كَرِيمٍ - پ ۱۸ ع ۱۸۔ جس دن کہیں گے منافق مراد منافق عورتیں مومنوں سے کہ ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں۔ یہاں نور سے مراد ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی جزا و نعتِ جنت ہے۔ اور اس کے برعکس وہ خود جس ظلمت میں ہوں گے وہ کفر و اعمالِ بد کی سزا جہنم ہے (۱۰) لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ - پ ۱۸ ع ۱۸۔ ترجمہ - اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے ان کا اجر اور نور ہوگا نور کا عطف اجر پر عطف تفسیری ہے۔ پس نور سے مراد جزائے خیر اور ثوابِ جنت ہے اور اس کے برعکس کافروں اور منکروں کی سزا اور عذاب کا نام ظلمت ہے (۱۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتِغُوا جُزْءًا مِّنْهُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ - پ ۲ ع ۲۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول

کے ساتھ ایمان لانے میں ثابت قدم رہو خدا تمہیں دو کفل رحمت سے دے گا اور تمہارے لئے ایک ایسا نور پیدا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے۔ یہاں نور سے مراد وقار رعب اور ہیبت ہے اور اس کے مقابل میں ذلت و خواری ظلمت ہے۔ قرآن مجید کے دس مذکورہ استعمالات کا تجزیہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نور صفت خیر کے مثبت پہلو اور اس کے روشن انجام پر بولا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کا منفی پہلو اور تاریک انجام ظلمت کہلاتا ہے اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی نور کا استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

## نورِ ہدیٰ اور رحمت

قرآن مجید میں جن معانی پر نور کا اطلاق ہوا ہے انہی معنوں پر ہدیٰ اور رحمت کی لفظیں بھی استعمال کی گئی ہیں، انجیل کی آیات کو جہاں نور کہا گیا ہے وہاں ہدیٰ بھی کہا گیا ہے۔ **وَإِنشَاءَ الْاِنْجِيلِ**

فِيهِ هُدًى وَنُورٌ۔ پ ۱۱۔ یعنی ہم نے اس کو انجیل دی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ (۲۵) **اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهِ هُدًى وَنُورًا۔** پ ۱۱۔ ہم نے نازل کیا تورات کو کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ (۳) **قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهٖ مُوسٰى نُورًا وَهُدًى۔** پ ۱۶۔ کہہ دو کس نے نازل کی ہے وہ کتاب جو موسیٰ لایا کہ وہ نور اور ہدایت تھی (۴) **لَقَدْ جَاءَهُمْ بِيْكَاتِبٍ فَضَّلْنَا عَلٰى حُلُمٍ هُدًى وَرَحْمَةً۔** پ ۱۳ اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کو علم سے درجائیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے (۵) **جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً۔** پ ۱۷ تحقیق آیا تمہارے پاس بینہ اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت (نبوت اور دعوت اسلام) (۶) **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔** پ ۱۸ قرآن ہدایت ہے متقیوں کے لئے (۱۷) **اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيِّنًا نَّكُلُّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً۔** پ ۱۸۔ ہم نے اتاری تیرے اوپر کتاب جو واضح بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ہے (۱۸) **يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِّن رَّحْمَتِيْهِ۔** پ ۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دو کفل رحمت کے دے گا۔ تو جہاں مومنوں کے اجر پر نور کا اطلاق ہوا وہاں رحمت بھی اس کو کہا گیا ہے۔ پس ان تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ نور رحمت اور ہدایت ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور جہاں نور کے اطلاق میں حضرت محمد مصطفیٰ ام تمام نوری افراد کے سید و سردار ہیں وہاں رحمت کے تمام مصداق بھی آپ کے دستِ کرم کے ممنون احسان ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے **وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔** یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کی رحمت بنا کر اور حضرت علی علیہ السلام جس طرح حضورؐ کے صحیح جانشین ہونے کی حیثیت سے عالمین پر رحمت ہیں اسی طرح ہدایت میں **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** کے مصداق بھی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ نور ایک مثبت حقیقت ہے جو خیر و رشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ بنا بریں نور کو بشر کے مقابلہ میں لانا اور ان کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینا محض جہالت اور نا فہمی ہے اور جو لوگ یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ انبیاء و ائمہ نور تھے یا بشر ہے اسی لقمہ جہالت کو بار بار چبانے ہیں۔



**اول مخلوق** خداوند کریم خیر محض ہے اور الخیر لا یضد منہ الا الخیر۔ یعنی خیر سے صرف خیر ہی صادر ہو سکتی ہے۔ بنا بریں اول مخلوق کو خالص خیر اور محض نور ہونا چاہیے جس میں شر کا کوئی شائبہ اور ظلمت کا کوئی پہلو نہ ہو

اور احادیث میں جناب رسالت ص سے منقول ہے۔ **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي**۔ یعنی سب سے پہلی چیز جو اللہ نے خلق فرمائی وہ میرا نور تھا۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا اَنَا وَعَلِيٌّ مِّنْ نُورٍ وَاحِدٍ۔ یعنی میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں۔ خلقت نوری کی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علیؑ و فاطمہ و حسن و حسین کو پیدا کیا پھر میرے نور سے عرش کے نور کو علیؑ کے نور سے ملائکہ کے نور کو فاطمہ کے نور سے زمین و آسمان کو حسن کے نور سے شمس و قمر کو اور حسین کے نور سے جنت و حور العین کو پیدا کیا۔ مفصل حدیث تفسیر کی جلد ۱۰ میں ص ۱۰۰ پر مرقوم ہے نیز اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر میں بھی اسی قسم کی روایت انشاء اللہ آجائے گی ص ۱۲۱ پس خداوند کریم نور کل اور خیر محض ہے بایں معنی کہ وہ خود مظاہر و باہر اور روشن و جلی ہے اور باقی ہر شے کو ظلمت کہہ عدم سے نکال کر وجود کے بقعہ نور میں داخل کرنے والا ہے اس کا اپنا ظہور کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ باب بصیرت کے نزدیک اس کی مخلوق کا ہر فرد اپنی زبان عجز سے اس کے وجود کا بولتا ہوا ناقوس ہے۔ اسی لئے عرفانے اس کے وجود کے اثبات کو دلیل و برہان سے بھی جلی تر قرار دیا ہے کیونکہ باقی ہر شے اپنے وضوح و جلال میں اس کی رہن منت ہے۔

اور تمام مخلوق میں سے حضرت محمد مصطفیٰؐ نور کل اور خیر محض ہیں بایں طور کہ وہ اول مخلوق ہیں اور باقی تمام مخلوق کا کرم عدم سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہونا انہی کے طفیل سے ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے **لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلاَكِ**۔ ممکن میں جو جو خوبیاں ہو سکتی ہیں ان میں سب موجود ہیں اور ممکن میں جو نقائص ہو سکتے ہیں آپ سب سے منزہ و مبرا ہیں۔ پس تمام ممکنات کے لئے ہدایت کل رحمت مجتہد روح حیات اور عقل آپ کی ذات بابرکات ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اول مخلوق کی مختلف تعبیریں اس کی شاہد ہیں۔ اول مخلوق کے متعلق وارد شدہ احادیث میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے جب عقل کو پیدا کیا اور اس کو گویا کیا تو پھر فرمایا آ۔ پس وہ آیا پھر فرمایا جا۔ پس وہ گیا پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اور میں نے تجھ کو نہیں کامل کیا مگر اپنے محبوب بندوں میں۔ میں تجھ کو ہی امر و نہی کروں گا اور تجھے ہی (غلطی پر) سزا دوں گی پر جزا دوں گا۔

وصاحب دانی فرماتے ہیں اس حدیث کو سننی و شیعی علماء نے

کافی۔ باسنادہ عن ابی جعفر علیہ السلام  
قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْعَقْلَ اسْتَنْطَقَهُ ثُمَّ قَالَ  
لَهُ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهُ اُدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ  
قَالَ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي مَا خَلَقْتُ خَلْقًا هُوَ  
اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْكَ وَلَا اَكْمَلْتُكَ اِلَّا فِيمَنْ اَحَبُّ  
اِمَّا اِنِّي اِيَّاكَ اَمْرًا وَاِيَّاكَ اَنْهَى وَاِيَّاكَ  
اَعَاظُ وَاِيَّاكَ اُثِمُّ

هذا الحديث مما روتہ العامة

والخاصة بأسانيد مختلفة والفاظ متغايرة

والعقل جوهر ملكوتي نوراني خلقه الله  
سبحان من نور عظمته وبه اقام السموات  
والارضين وما فيهن وما بينهن من الغيبرات  
ولا حله البس الجميع حلة نور الوجود  
وبوساطته فتح ابواب الكرم والوجود ولولا  
لكن جميعاً في ظلمة العدم ولا خلقت  
دوننا ابواب النعم

وهو اول خلق من الروحانيين عن  
يمين العرش وهو بعين نور نبينا وروحه  
الذي تشعب منه انوار اوصيائه المعصومين  
وارواح الانبياء والمرسلين سلام الله عليهم  
اجمعين ثم خلقت من شعاعها ارواح  
شيعتهم من الاولين والآخرين

قال نبينا اول ما خلق الله نوري وفي  
رواية اخرى روي وفي حديث القدسي  
كولاني كما خلقت الافلاك وفي هذا المعنى  
وحدث روايات كثيرة وفي حديث المفضل  
عن الصادق عليه السلام انا خلقنا النوار  
وخلقت شيعتنا من شعاع ذلك النور  
فلذلك سميت شيعة روايا

اسانيد مختلفه اور الفاظ متغايره کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور عقل ایک جوہر ملکوتی و نورانی ہے جس کو اللہ سبحانہ نے  
اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور اسی کے ساتھ زمین و آسمان کو اور  
ان کے اندر ہونے والی تمام چیزوں کو قائم کیا اور اسی کی بدولت  
تمام مخلوق کو نور وجود کی خلعت بخشی اور اسی کی وساطت  
سے اپنے کرم وجود کے دروازے کھولے۔ اگر یہ نہ  
ہوتا تو سب مخلوق ظلمت کدہ عدم میں ہوتی اور نعمات کے  
تمام دروازے بند ہوتے۔

اور روحانیوں میں سے وہ پہلی مخلوق ہے جو عرش  
کے دائیں طرف ہے اور وہی بعینہم ہمارے نبی کا نور اور روح  
ہے۔ جس سے اس کے اوصیائے معصومین علیہم السلام کے  
ارواح الگ ہوئے اور اس سے انبیاء و مرسلین کے ارواح  
پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شعاعوں سے اولین و آخرین سے ہونے  
والے ان کے شیعوں کے ارواح پیدا ہوئے۔

حضور نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی  
وہ میرا نور تھا۔ دوسری روایت میں ہے میرا روح تھا۔ اور  
حدیث قدسی میں ہے اگر قرنہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا  
اور اسی مطلب کی حدیث کثرت سے منقول ہیں اور بروایت  
مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم انوار  
پیدا ہوئے اور ہمارے شیعہ اس نور کی شعاع سے پیدا ہوئے  
اور اسی لئے ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

پس ایک حدیث میں اول مخلوق عقل ہے۔ دوسری میں اول مخلوق نور محمدی ہے اور تیسری میں روح محمدی ہے تو معلوم  
ہوا کہ سب ایک ہی مطلب کی الگ الگ تعبیریں ہیں یعنی عقل نور اور روح سب سے مراد نور رسالت ہے۔  
بنابراین سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل کو پیدا کرنے اور قوت گویائی دینے کے بعد کہنا اقبل یعنی آ اور  
اقبال و ابرار کا معنی پھر فرمانا اذ بول یعنی جہاں اس کا کیا مقصد ہے۔ حالانکہ خدا ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے۔

تو اس کے حل میں سرکارِ ملامحسن فیض کاشانی صاحب وانی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں :-  
 ۱۔ پہلی صورت یہ کہ عقل سے مراد اگر روح محمدی ہو تو عالم ظہور میں قدم رکھنے کے بعد اقبال یعنی آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کسب کمالات اور ترقی درجات کی طرف پیش قدمی کی دعوت دی گئی جس پر اپنے نہایت خوش اسلوبی سے عمل کیا اور دوبار یعنی جانے کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ کمال ذاتی کے بعد ان کو بہایت خلق اور دعوتِ حق کے لئے مامور کیا گیا جس کو آپ نے بطریق احسن نبھایا۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ عقل سے مراد اول مخلوق ہو عالم ظہور سے پہلے تو اقبال کا معنی ہے عالمین کی رحمت بن کر دنیا کی طرف جانا اور زمین پر پہنچنا تاکہ حسب استعداد مخلوق ان سے فیض یاب ہو کر حیوانی پستی سے نکل کر ادراج انسانی تک پہنچے اور دوبار سے مراد ہے۔ اپنا فریضہ نبوت اور عہدہ رسالت ادا کرنے کے بعد دعوتِ حق سبحانہ پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ اقدس میں واپس پہنچنا۔ پس حضور نے اقبال و ادبار کی دو فوٹوز لیں لکھا حقہ نبھائیں اور ان کے نور سے پیدا ہونے والے تمام انوار طاہرہ اور ارواحِ طیبہ نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض کو کما حقہ ادا فرمایا پس اقبال کا معنی ہے عالم جسمانی کی طرف آنا اور ادبار کا معنی ہے ادائیگی فرض کے بعد عالمِ قدس کی طرف رجوع کرنا۔

اس کے بعد مثال سے مطلب کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ غیب میں نور عقل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو عالمِ ظاہر میں نور شمس کو حاصل ہے۔ پس جس طرح آنکھ نور شمس کی بدولت چیزوں کو دیکھتی ہے اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو آنکھ کچھ نہ دیکھتی۔ اسی طرح بصیرت کی آنکھ نور عقل کی بدولت معقولات کو دیکھتی ہے۔ اگر نور عقل نہ ہوتا تو چشم بصیرت کچھ نہ دیکھ سکتی نیز اگر کسی کی آنکھ نہ ہو تو نور شمس اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جس کے پاس چشم بصیرت نہ ہو۔ نور عقل اس کو فائدہ نہیں بخشتا۔

علاوہ ازیں علمائے اعلام نے اقبال و ادبار کی اور تاویلیں بھی کی ہیں۔

۱۔ اقبال کا معنی امورِ خیر کی طرف رغبت جو عقل نے فوراً قبول کی اور ادبار کا معنی امورِ بد سے قدری جس کو عقل نے بلا پس و

پیش مان لیا ہو۔

۲۔ اقبال کا معنی منفعتِ خوشی شد رستی اور خوشحالی میں شکر پروردگار کی بجا آوری اور ادبار کا معنی نقصان غمی بیماری اور بحالی کی آمد پر دامنِ صبر کو تمام کر رضائے خالق پر راضی رہنا۔ پس عقل نے اس کو بھی قبول کر لیا۔

۳۔ اقبال کا معنی اطاعتِ حکم پروردگار جب کہ اس اطاعت میں ظاہری طور پر منفعت بھی ہو۔ اور ادبار کا معنی اطاعتِ پروردگار جب کہ ظاہری طور پر کوئی منفعت و مصلحت کارفرمانظر آتی ہو یا بجائے منفعت کے اس کو نقصان اٹھانا پڑتا ہو۔ پس اقبال و ادبار کا معنی ہے دونوں صورتوں میں رضائے خالق کو مد نظر رکھنا

عقل کی عظمت | حدیث کے آخر میں سزا و جزا کا تعلق عقل کے ساتھ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ عقل سے اگر عقل کل جو

مخلوق اول ہے مراد ہو تو معنی یہ ہے کہ تیری وجہ سے سزا و جزا ہوگی جو تیرے اطاعت گزار ہوں گے جزا کے حق دار ہوں گے اور جفا فرمان ہوں گے وہ سزا کے سزا دار ہوں گے اور عقل سے اگر مراد عام انسانی عقول ہوں جو عقل اول یعنی نور محمدی کی شعاع سے پیدا ہوئے تو مراد یہ ہے کہ اگر یہ عقول اپنے صحیح مقتضا پر قائم رہتے ہوئے وہم و خیال و خواہشات و جذبات کی اتباع سے بلند ہو کر فرمان خداوندی کو قبول کریں گے تو جزائے خیر کے مستحق ہوں گے لیکن اگر اپنے مقتضا سے ہٹ کر وہم و خیال و خواہشات و جذبات کے جالوں میں پھنس کر فرمان خداوندی کو نظر انداز کر دیں گے تو سزا کے حق دار ہوں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود عقل بذاتہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے متنفر ہے۔ اسی لئے توہن کو رسول باطنی کہا گیا ہے اور خداوند کریم نے خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کرنے کا ذریعہ عقل کو قرار دیا ہے۔ اگر یہ خود صالح نہ ہوتا تو اس کو معیار امتیاز کیوں قرار دیا جاتا۔ کائنات کے امور میں غور و فکر اور تدبیر کی دعوت صاحبان عقول کو دی گئی ہے۔ اگر عقل کی ذات میں غلط کاری اور کج روی ہوتی تو اس کو دعوت دینے کا مقصد ختم ہو جاتا۔ بے شک ذات عقل جملہ برائیوں سے پاک اور معصوم ہے۔ اسی لئے رسول باطنی کے لقب کی اہل ہے۔ البتہ بعض اوقات جذبات و خواہشات کی قیدی ہو کر غلط کاری کی طرف اقدام کرتی ہے۔ لیکن تاہم اپنے مقام پر وہ غلطی کو غلطی سمجھتی ہے۔ اور اندر ہی اندر غلطی کرنے والے کو اس کے غلط کردار پر ملامت کرتی رہتی ہے۔ خواہ خواہشات و جذبات کا اٹوانے یا نہ مانے یہ الگ بات ہے۔ عقل قیدی ہو کر بھی اپنے فریضہ سے کوتاہی نہیں کرتی پس کسی انسان میں نیکی کا وجود اس کی عقل کی سرشت کے ماتحت ہوتا ہے۔ جو اس کا نورانی پہلو ہے اور برائی کا وجود عقلی دعوت کو پس پشت ڈال کر نفسانی و جذباتی خواہشات کے پیش نظر ہوتا ہے جو اس کا ظلمانی پہلو ہے۔ اور بالعموم انسانوں میں جو ارباب عقل و دانش ہیں۔ نورانی پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ جو نیکیوں کی شکل میں ان کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے اور ظلمانی پہلو بھی ہوتا ہے جو برائیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے لیکن بعضوں میں دونو پہلو یکساں ہوتے ہیں اور بعضوں میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے اور تاریک پہلو مغلوب ہوتا ہے لہذا اسے نیک کہا جاتا ہے اور بعضوں میں تاریک پہلو غالب اور روشن پہلو مغلوب ہوتا ہے پس اسے بد کہا جاتا ہے۔ اور جن میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ ان میں نیکی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گناہ کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے غلطی ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس ان کا تاریک پہلو مضہمل اور نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں جن کا تاریک پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے گناہان کبیرہ ان کی سرشت بن جاتے ہیں۔ پس ان کی جزوی نیکیاں برائیوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ لہذا وہ فاسق و فاجر بلکہ کافر و ملحد کہلاتے ہیں۔ اور معصوم وہ ہے جو کبھی مقتضائے عقل سے ہٹ کر جذبات و خواہشات کا قیدی نہ ہو سکے اور جس میں تاریک پہلو برائے نام بھی نہ ہو۔ پس وہ عقل کل بھی ہوتا ہے اور نور مجسم بھی۔ بنا بریں ہر نبی اپنی اپنی امت کے لئے عقل کل اور نور مجسم تھا لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ام کل کائنات کے لئے خدا کا انبیاء و مرسلین ملائکہ مقررین اور اوصیائے طاہرین سب کے لئے آپ کی ذات نور کل ہدایت کلیہ اور رحمت مجسمہ حقہ۔ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک آئمہ معصومین علیہم السلام تمام کائنات کے لئے عقل کل اور

نور مجسم ہیں۔ پس گذشتہ تمام انبیاء کے مقابلہ میں ان کی ہدایت ہدایت کاملہ اور ان کی عصمت عصمت کبریٰ ہے۔ ان سے ترک اولیٰ ہو سکتا تھا لیکن ان سے ترک اولیٰ بھی نہیں ہو سکتا۔

ملا معین کاشفی نے معارج النبوة کے رکن اول خلقت نور محمدی کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد اول مخلوق کے متعلق وارد شدہ چار احادیث نقل کیں۔ (۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورَهُ (۲) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الرُّوحَ (۳) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ النُّفْلَ (۴) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ۔ پہلی حدیث میں اول مخلوق نور محمدی بیان ہوا ہے دوسری میں روح تیسری میں عقل اور چوتھی حدیث میں اول مخلوق قلم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملا کاشفی نے احادیث مذکورہ کی توفیق و تطبیق کے لئے چار تاویلیں ذکر کی ہیں (۱) پہلی حدیث میں اولیت سے مراد اولیت حقیقیہ ہے۔ اور باقی تینوں حدیثوں میں اولیت اضافیہ مراد ہے یعنی روحانی میں سب سے پہلی مخلوق روح محمدی ہے۔ مجردات میں سے پہلی مخلوق عقل ہے اور اجسام میں سے پہلی مخلوق قلم ہے (۲) نور محمدی کی اولیت بنی برحقیقت ہے کہ اس کی تخلیق نام اشیا سے پہلے ہے اور تمام عقول میں سے پہلی مخلوق وہ عقل ہے جو اقبال و ادبار سے خطاب کیا گیا اور اطاعت کے تقاضوں پر پورا اُترا اور تمام قلموں سے پہلی مخلوق وہ قلم ہے جس کے ذریعے سے تمام اشیا کی تقدیریں لوح محفوظ پر نقش کی گئیں اور روح کا ذکر اس تاویل میں نہیں کیا گیا شاید نور محمدی اور روح محمدی دونوں کو ایک قرار دیا گیا ہے (۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ احادیث مذکورہ میں اگرچہ تعبیریں چار ہیں لیکن درحقیقت سب سے مراد ایک ذات ہے جس کا حیثیت کے اختلاف سے نام الگ الگ کر دیا گیا ہے یعنی ایک ہی حقیقت مقدسہ جو وجود واجب ازلی وابدی کے نوری پر تو سے متاثر ہو کر باقی نام ہونے والی مخلوق میں ظاہر لہذا اور منظر لغیرہ ہے اور کائنات میں ہونے والے جملہ کمالات و فیوض کا منبع و سرچشمہ ہے پس اس کو نور محمدی سے تعبیر کیا گیا کہ باقی تمام موجودات عالم کا تخلیق کار نامہ ان کے وجود کی بدولت ہے اور اس حیثیت سے ان کا وجود عالم کے لئے سراپا رحمت ہے اور انہوں نے خدا داد علم و استعداد کی بناء پر حقیقت مبداء و معاد کو خود ادراک کیا حتیٰ کہ ان کے نوری اجسام کی نوری زبانوں سے تسبیح و تقدیس اور تحمید اور تمجید پروردگار کے نوری افکار نورانی ملائکہ کے لئے مشعل راہ بنے۔ پس وہ عالمین کے عقول میں عقل کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہی پہلی مخلوق ہیں جن کو حدیث میں عقل سے تعبیر کیا گیا ہے نیز روح چونکہ بدن کیلیئے باعث زندگی ہے اور نور محمدی عالمین کے جسم کلی کے لئے باعث زندگی ہے۔ اس لئے اس کی تعبیر روح سے کی گئی۔ اور صفحہ عالم پر تخلیق کائنات کی مفصل تحریر اسی نور کامل کے وجود کی بدولت ہوئی لہذا اس کو قلم سے تعبیر کیا گیا (۴) اس کی چوتھی تاویل یہ ہے کہ درحقیقت مخلوق اول نور محمدی ہے پس تمام انوار کو خدا نے ان کے نوری پر تو سے پیدا کیا۔ اور تمام ارواح اور روح دار مخلوق کو ان کے روح مقدس کی وساطت سے خلق فرمایا اور تمام عقول کو ان کے عقل کل کی بدولت منصفہ شہود پر جگہ دی اور یہی وہ قلم ہے جس کو بد قدرت نے اپنے تخلیقی کارنامہ کی مفصل تحریر کے لئے واسطہ بنایا اور ان وَالْقَلَمِ میں اسی ذات کی قسم کھائی گئی۔

نور و بشر عوام میں نور و بشر کا مسئلہ معرکہ اللہ و حیثیت کا حامل ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ نور و بشر کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے اور جو صاحبان منبر نور و بشر ہیں تقابل بیان کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کو بے نقاب کرتے ہیں قرآن مجید میں جہاں حضور کو نور

رحمت اور ہمدانی کہا گیا ہے وہاں ان کو بشر بھی کہا گیا ہے۔ اگر بشر ہونا یا ان کو بشر کہنا ان کی توہین ہوتا۔ تو خداوند کرم قرآن مجید میں ان کو بشر نہ کہتا۔ بلکہ ان کی زبانی کہلوا یا کہ تم کہو۔ اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یعنی میں تم جیسا انسان ہوں گویا بشریت اور نبوت میں کوئی منافات نہیں اور کفار کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ بشریت اور نبوت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھتے رہے۔ پس ہر نبی کی دعوت کو رد کرنے کا ان کے پاس یہی ایک بہانہ تھا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو لہذا نبی کیسے بن سکتے ہو۔ اگر وہ نبوت و بشریت میں منافات نہ سمجھتے تو نبوت کا انکار نہ کرتے اور ہر آنے والے نبی نے امت کے اس بہانہ کا کبھی یہ جواب نہیں دیا کہ تم کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تم جیسا بشر نہیں ہوں بلکہ صاف کہتے تھے کہ واقعی میں تمہاری طرح کا بشر تو ہوں لیکن مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے مجرہ عطا فرمایا ہے اور احکام بشریت کی تبلیغ پر مامور فرمایا ہے وغیرہ۔ یعنی نبی یہ باور کرانے رہے کہ تم بشریت اور نبوت میں منافات نہ سمجھو کیونکہ ہم بشر بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی جلد نمبر ۱ میں صاف پتہ واضح کیا ہے۔ قرآن مجید میں بشر کے اطلاق کے متعدد مقامات دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ بشریت کو نبوت سے کوئی منافات نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۶ کا ترجمہ ملاحظہ ہو کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے۔ قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس رسول آئے واضح دلیل لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس کی طرف تم بلا تے ہو آیت نمبر ۱۰ کا ترجمہ تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تمہارے گناہ اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقرر تک قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو۔ اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا کوئی معجزہ لے کر آؤ آیت نمبر ۱۱ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادٍ ۗ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاتِيَكُمْ بِالسُّلْطٰنِ الْاَبْدٰنِ اللّٰهِ۔ الخ (پل۔ ع ۱۱) ان کو رسولوں نے کہا کہ واقعی ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ ان خدا کے۔ الخ

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ گذشتہ توہین نبیوں کی دعوت کو اسی بہانہ سے رد کرتی تھیں کہ تم ہم جیسے بشر ہو۔ لہذا تم عہدہ جلیلہ نبوت پر فائز ہونے کا غلط دعویٰ کرتے ہو۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں اس زمانہ کے مقررین نے اپنی چودہ ہاٹ کے باقی رکھنے کے لئے یہ بات پختہ کر رکھی تھی کہ جو نبی ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اس بات پر ڈٹ گئے۔ پھر اپنے انکار کو مزید تقویت دینے کے لئے کہتے تھے کہ اپنی صداقت کے لئے کوئی معجزہ لے آؤ اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ وہ لوگ محبذہ حق جوئی کے لئے نہیں طلب کرتے تھے ورنہ معجزہ کے بعد وہ ایمان ضرور لاتے بلکہ وہ معجزہ محض ازراہ تمسخر و انکار طلب کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر تھی کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نبی نے باذن خدا معجزہ دکھایا بھی تو فوراً ان کے ذہن تصدیق کی بجائے الٹی راہ چل کر اسے جادو کہنے پر تڑپ گئے اور نبی کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ورنہ اگر بشریت و

نبوت کے درمیان منافات ان کے ذہن نشین نہ کرائی گئی ہوتی تو معجزہ دیکھتے ہی ان کے دل شمع ایمان سے منور ہو جاتے اور کلمہ توحید و نبوت کو زبان پر جاری کر کے حسیض جہالت سے نکل کر اوج ایمانی پر جا پہنچتے۔ چنانچہ قرآنی حکایت کے ماتحت ہر زمانہ کے نبی نے اپنی امت کا اعتراض سُن کر کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن ہم پر اللہ نے احسان کیا ہے کہ اس نے ہم کو عہدہ نبوت عطا فرما کر تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ ان کی معجزہ طلبی ازراہ تمسخر و عناد تھی۔ لہذا نبی پر جواب دیتے تھے کہ معجزہ دکھانا ہمارے بس میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ہم دکھا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق صاف ارشاد ہے۔ اِنِّیْ خَالِقُ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ الْاَجْرِبَاءِ (۳۶) یعنی میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ آواز کرنے والی مٹی سے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام نبیوں کا باپ اور خود بھی نبی ہے لیکن مٹی سے پیدا ہونے والا بشر ہے اور اس کا انکار قرآنی ارشاد کا انکار ہے۔

اور اسی جلد میں ۱۹ رکوع نمبر ۳ میں آئے گا۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ الْبَشَرَ اَفَجَعَلَ لِسَبَاٍ وَّصَهْرًا۔ وَوَهُ ذَاتِ ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اس کو نسب اور صہرنیلا۔ تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ بشر سے مراد رسالت مآب اور نسب سے مراد جناب فاطمہ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہے۔

ایک مقام پر بالعموم نبوت کے دستور کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّوْتِیْهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَ وَ الْبُیِّنٰتَ الْاٰیٰتِ (۱۶) کسی بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب علم اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا پھر ہے بجز خدا کے۔ الخ۔ مقصد یہ ہے کہ جس بشر کو نبوت دی جاتی ہے وہ غلط تبلیغ نہیں کرتا اور نہ وہ اپنی عبادت کی ترویج کرتا ہے بلکہ وہ توحید کی دعوت کا علمبردار ہوتا ہے اور اسی پر کار بند رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر تمام نبیوں کی پوزیشن کو اس طرح واضح فرمایا۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِیْ اِلَیْهِمْ۔ ۱۳ ع ۱۶۔ حضور کو خطاب ہے کہ تم سے پہلے میں نے جس قدر رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ ایک مقام پر انکار کرنے والے لوگوں کے بہانہ بشریت کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمْ الْهُدٰی اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبْعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رِّسُوْلًا۔ ۱۷ ع ۱۔ ترجمہ۔ نہیں روکتی لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس رسول آئے دہی کا اطلاق رسول پر ہو سکتا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں مگر یہ بات کہ ازراہ تعجب کہتے ہیں کیا بشر کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی وہ بشریت اور رسالت میں منافات سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کا نظر یہ سراسر غلط ہے۔

ایک اور مقام پر حضور کی تسلی کے لئے ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَوْ اَنْ مِیْتَ فَمَهْمَا الْخُلْدُ وَاَنْ یُّحٰی۔ ۱۳ ع ۱۔ ترجمہ۔ ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے یا پس جلائے ایمانی کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ ورنہ بشریت رسول پر مشتمل آیات کی تعداد

قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے۔ اب ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی انسان بشریت اور نبوت میں منافات سمجھتا ہے تو ایسے منکر قرآن کا سمجھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔

پس وہ بشر جس میں نور بصیرت موجود ہو اور اس کے سر میں نور عقل کی قندیل روشن ہو وہ نور ایمان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ورنہ ظلمت کفر کے گرداب سے رہائی نہیں پاسکتا اور بشر نورانی وہ ہے جس کے دل میں نور ایمان کی شمع روشن ہو ورنہ وہ بشر ظلمانی ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام بشر ہونے کے باوجود ان میں نور عقل کی قندیل نہیں بلکہ امت کے مقابلہ میں وہ عقل کل تھے لہذا ایمان کل تھے۔ اور نور مجسم تھے اور حضرت محمد مصطفیٰ صرف بشر نہیں بلکہ سید البشر ہیں۔ اور کل کائنات کے مقابلہ میں عقل کل ایمان کل اور نور مجسم ہیں اور حضرت علی علیہ السلام سے حضرت مہدی علیہ السلام تک تمام ائمہ طاہرین کیے بعد دیگرے جناب رسالت مآب کے بعد تمام کائنات کے لئے عقل کل اور ایمان کل و نور مجسم ہیں۔

وافی میں ہے کہ محاسن برقی میں خلقت عقل والی حدیث کے آخر میں ایک جملہ کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ عقل کل ۹۹۹ جزئیں حضرت محمد مصطفیٰ کو عطا ہوئیں اور باقی ایک جز تمام بندوں میں تقسیم ہوئی اور اس کی شدت شر ہے۔ صاحب وافی فرماتے ہیں کہ تقسیم ہونے والی جز شعاعی جز ہے جس کے الگ ہونے سے عقل کل میں سے کوئی شیء کم نہیں ہوتی۔

**نور و عصمت میں تلازم** ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ نور کے معنی میں خیر اور بھلائی داخل ہے اور عقل اس کی دوسری تعبیر ہے پس ہر خیر و بھلائی کا پہلو نور و عقل ہوگا۔ اور اس کے برعکس ہر شر و برائی کا پہلو ظلمت و جہالت ہوگا۔ پس جس میں خیر و بھلائی غالب ہوگی اس کا نورانی و عقلی پہلو غالب ہوگا۔ اور جس میں شر و برائی غالب ہوگی۔ اس کا ظلمانی و جہالت کا پہلو غالب ہوگا۔ پس جس میں خیر اور بھلائی ہی ہو۔ اور شر و برائی بالکل نہ ہو تو وہ نور مجسم و عقل کامل اور ایمان کل ہوگا۔ اس کا مقابل جہالت مجسمہ ظلمت تامہ اور کفر کل ہوگا۔ اور اسی نکتہ کے پیش نظر حضرت رسالت مآب نے حضرت علی کے متعلق بروز خندق ارشاد فرمایا تھا۔ **بَرَزَ الْإِيْمَانُ حُلَّتْ اِلَيْهِ الْكُفْرُ كُلُّهُ**۔ یعنی آپ نے علی کو مجسم ایمان اور اس کے مقابل کفر مجسم قرار دیا۔ کیونکہ وجود علی میں تاریک پہلو کوئی نہیں تھا اور اس کے مقابل میں روشن پہلو کوئی نہیں تھا۔ پس یہ نور محض تھا۔ اور وہ ظلمت کا مرقعہ تھا اور چونکہ عقل و نور ایک ہی حقیقت کی تعبیریں ہیں۔ تو اس حدیث کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

چنانچہ وافی میں بروایت خصال صدوق حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ خدا نے عقل ایک نور سے پیدا کیا جو اس کے علم سابق میں کنون و مخزون تھا جس کا علم نہ کسی نبی مرسل کو تھا اور نہ ملک مقرب کو۔ پس علم کو اس کا نفس ہم کو اس کی روح۔ زہد کو اس کا سر جیا کو اس کی آنکھیں حکمت کو اس کی زبان۔ نرمی کو اس کی حکمت اور رحمت کو اس کا دل قرار دیا۔ اس کے بعد دس چیزوں کو عقل کی غذا و تقویت کا باعث قرار دیا۔ یقین۔ ایمان۔ صدق۔ سیکینہ۔ اخلاص۔ رفیق۔ عطیہ۔ نخبوغ ذکر اور شکر۔ الحدیث میں عقل کی اس تصویر کشی سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف عقل کے نشان ہیں اور ان کا نہ ہونا جہالت کا غماز ہے



گویا یہ اوصاف نور کی شعاعیں ہیں۔ اور ان کا عدم ظلمت کی گھٹائیں ہیں۔

اصول کافی میں بروایت سماء اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْعَقْلَ وَهُوَ أَوَّلُ خَلْقٍ مِنَ الرُّوحَانِيَّةِ عَنِ يَمِينِ الْعَرْشِ مِنْ نُورٍ بَدَأَ تَرْجَمَهُ تَحْقِيقُ اللَّهِ تَعَالَى نِعْمَ عَقْلٌ كَوَخَلَقَ فَرِيًّا۔ اور یہ عرش کے دائیں طرف روحانیین میں سے اس کی پہلی مخلوق ہے جس کو اس نے اپنے نور خاص سے پیدا کیا۔ پھر سلسلہ کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے عقل کے معاون پھیر بیان فرمائے اور ان کی ضدوں کو جہل کا معاون قرار دیا۔

۱) خیر و زبرد عقل اس کی ضد شر و زبرد جہل (۲) ایمان اور اس کی ضد کفر (۳) تصدیق اور اس کی ضد انکار (۴) رحمت خدا کا امیدوار ہونا اور اس کی ضد یائس ہونا (۵) عدل اور اس کی ضد جور (۶) اللہ کے فیصلہ پر رضا اور اس کی ضد ہے اس کے فیصلہ پر ناراض ہونا (۷) شکر اور اس کی ضد بے شکری (۸) امید عطا اور اس کی ضد نا امید ہونا (۹) توکل اور اس کی ضد حرص (۱۰) نرم دلی اور اس کی ضد سخت دلی (۱۱) رحمت اور اس کی ضد غضب (۱۲) علم اور اس کی ضد جہل (۱۳) دانشمندی اور اس کی ضد حماقت (۱۴) پاکدامنی اور اس کی ضد پردہ دری (۱۵) زہد اور اس کی ضد رغبت (۱۶) خودداری اور اس کی ضد چھپر چھپا پن (۱۷) خوف خدا اور اس کی ضد ناخدا ترسی (۱۸) تواضع اور اس کی ضد تکبر (۱۹) متانت اور اس کی ضد جلد بازی (۲۰) علم اور اس کی ضد بیوقوفی (۲۱) خاموشی اور اس کی ضد یادہ گوئی (۲۲) جھکاؤ اور اس کی ضد اکرٹانا (۲۳) تسلیم اور اس کی ضد شک (۲۴) صبر اور اس کی ضد بے صبری (۲۵) درگزر اور اس کی ضد انتقام (۲۶) غنائے نفس اور اس کی ضد فقر نفس (۲۷) تذکر و بھولی ہونی کا یاد آجانا اور اس کی ضد سپہود (۲۸) حفظ اور اس کی ضد نسیان (۲۹) صلہ رحمی اور اس کی ضد قطع رحمی (۳۰) قناعت اور اس کی ضد لالچ (۳۱) ہمدردی اور اس کی ضد لاپرواہی (۳۲) دوستی اور اس کی ضد دشمنی (۳۳) عہد کی وفا کرنا اور اس کی ضد عہد شکنی (۳۴) نیکی اور اس کی ضد گناہ (۳۵) فروتنی اور اس کی ضد بڑائی (۳۶) سلامتی اور اس کی ضد آزمائش (۳۷) سنجیدگی اور اس کی ضد جباوت (۳۸) حُب اور اس کی ضد بغض (۳۹) سچ اور اس کی ضد جھوٹ (۴۰) حق اور اس کی ضد باطل (۴۱) امانت اور اس کی ضد خیانت (۴۲) اخلاص اور اس کی ضد ملاوٹ (۴۳) زکی ہونا اور اس کی ضد لمبید ہونا (۴۴) معرفت اور اس کی ضد انکار (۴۵) سہل انگاری اور اس کی ضد چڑچڑاپن (۴۶) عدم موجودگی میں خیر خواہی اور اس کی ضد فریب کاری (۴۷) پردہ پوشی اور اس کی ضد افشا راز (۴۸) نماز اور اس کی ضد بے غازی (۴۹) روزہ اور اس کی ضد افطار (۵۰) جہاد اور اس کی ضد بزدلی (۵۱) حج اور اس کی ضد میثاق کا توڑنا (۵۲) بات کو دل میں رکھنا اور اس کی ضد چنل خوری (۵۳) والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اس کی ضد عنقوق الوالدین (۵۴) بے ریا ہونا اور اس کی ضد ریا کاری (۵۵) معروف اور اس کی ضد منکر (۵۶) پردہ اور اس کی ضد بے پردگی (۵۷) تقیہ اور اس کی ضد عدم تقیہ (۵۸) انصاف اور اس کی ضد انصاف کے تقاضوں کو چھوڑ دینا (۵۹) ٹھنڈے دل سے سوچنا اور اس کی ضد بغاوت (۶۰) ستم ہونا اور اس کی ضد میلہ رہنا (۶۱) حیا اور اس کی ضد بے حیائی (۶۲) میانہ روی اور اس کی ضد سرکشی (۶۳) دنیاوی جھیلو میں نہ پڑنا اور آرام سے رہنا اور اس کی ضد ہے دنیاوی کاموں میں انہماک اور تھکاوٹ (۶۴) نرمی اور اس کی ضد سختی (۶۵) برکت اور اس کی ضد بے برکتی (۶۶) عافیت اور اس کی ضد تکلیف (۶۷) متوسط گذار اور اس کی ضد خیرہ اندوزی (۶۸) دانائی اور اس کی ضد غلط رائے

(۶۹) وقار اور اس کی ضد ہلکا پن (۷۰) نیک بختی اور اس کی ضد بد بختی (۷۱) توبہ اور اس کی ضد گناہوں پر اصرار کرنا (۷۲) استغفار اور اس کی ضد دھوکے میں رہنا (۷۳) چستی اور اس کی ضد سستی (۷۴) دعا اور اس کی ضد دعائے گریز کرنا (استنکاف) (۷۵) نیک کاموں میں مدد اور اس کی ضد سست ہو جانا (۷۶) اللہ کی محبت میں غرض رہنا اور اس کی ضد دنیاوی غم (۷۷) اتفاق اور اس کی ضد بے چھوٹ (۷۸) سخاوت اور اس کی ضد بے سخی۔

**(اقول)** صاحبِ صفائی تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد میں یہ اٹھتر ہیں حالانکہ پچھتر کہا گیا تھا تو شاید تین اوصاف کا تکرار ہی اس کا موجب ہو ہو۔ مثلاً نمبر ۱۱ و ۱۲ اور اس کی ضد قنوط ہے۔ اور نمبر ۸ طبع اور اس کی ضد یاس ہے۔ اور ان دونوں کا ترجمہ ایک ہو سکتا ہے اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی رحمت سے ناامیدی۔ اسی طرح نمبر ۳۶ سلامتی کی ضد بلا ہے اور نمبر ۲۲ عافیت کی ضد بلا ہے اور دونوں کا ترجمہ ایک جیسا ہے اور اسی طرح نمبر ۱۱، فہم کی ضد حق اور نمبر ۳ فہم کی ضد عبادت ہے اور دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہے ان تمام اوصاف کے گننے کے بعد آپ نے فرمایا۔ عقل کے یہ تمام معاون نہیں جمع ہو سکتے۔ مگر نبی میں یا نبی کے وصی میں یا اس مومن میں جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے آزمایا ہو۔ لیکن ہمارے باقی موالی جو ہیں وہ ان اوصاف میں سے کسی نہ کسی صفتِ خالی نہ ہوں گے اور باقی صفات کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے آخر کار کامل ہو جائیں گے اور جہل کے اوصاف سے کنارہ کش ہوتے ہوتے آخر اس سے بچ جائیں گے پس وہ انبیاء و اوصیاء کے ہمراہ بلند درجہ میں پہنچ جائیں گے لیکن یہ عقل اور اس کے معاونین کی معرفت اور جہل اور اس کے اوصاف سے پرہیز کرنے سے ہی ہو سکتا ہے پس اس طولانی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اور صحابی چونکہ عقل کل ہیں لہذا وہ عقل کے جمع اوصاف کے جامع ہوتے ہیں اور ان میں جہل اور اس کے جملہ اوصاف برائے نام بھی نہیں پائے جاتے اور چونکہ عقل فور ہے۔ پس انبیاء و اوصیاء فور ہیں۔ یعنی ان کے وجود مسعود میں تمام اوصاف حسنہ بدرجہ اتم موجود ہیں پس صفتِ جمال کے لحاظ سے وہ روشن پہلو کے حامل ہیں اور ان میں ظلمانی تاریکی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ لہذا باوجود بشریت کے نور محض ہیں۔ اور محمد و آل محمد چونکہ تمام انبیاء و اوصیاء سے اشرف و اکمل ہیں۔ لہذا ان کی بشریت پر بشر سے بلند تر اور ان کی نوریت تمام انوار سے اعلیٰ تر ہے نہ کوئی بشر ان کی بشریت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نور کو ان کی نوریت تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور جب کمالات انسانیت کا ہر روشن پہلو ان میں موجود ہے اور ہر تاریک پہلو سے وہ منزہ و متبرک ہیں تو اسی کا نام عصمت ہے پس نور عقل و عصمت طہارت و رحمت میں معنوی طور پر سنخیت و یگانگت موجود ہے۔

**فنِ منطقی میں نئے باب کا اضافہ** | ایک صاحب جو درِ حاضر کے چوٹی کے مقررین میں سے ہیں۔ اپنی سحر بیانی کی بدولت بڑے سے بڑے مجمع کے دلوں کو موہ لینا اور ان کو گرویدہ بنانا۔ نیز خاص مجلسوں کو چند جملوں میں

اچھا لینا اور ان سے داد وادہ حاصل کر لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

بہر کیف آپ رقص منبری میں بہت ماہر ہیں اور عوام میں سحرِ علم کے خواص بھی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے علمائے اعلام کی تحقیر

و تذلیل میں اپنی مزخرفات کا ایک طومار لکھا ہے جسے وہ علمی خدمت تصور کرتے ہیں۔ مجھے ان کے علم کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں

البتہ ان کے وہاں قلم سے نکلے ہوئے بعض الفاظ ان کی علمی بے کسی کا روناخوردہ روتے ہیں کیونکہ نہ تو بازاری لب و لہجہ سے کسی مطلب کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ خطابیہ جملے حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کر سکتے ہیں انہوں نے اپنے زور خطابت سے فن منطق میں ایک باب کا اضافہ کرنے کی جرأت کی چنانچہ انبیاء کو الگ نوع ثابت کرنے کے لئے بشر کو بنی اور عام انسان کے لئے جنس کا نام دے دیا۔ فرماتے ہیں جس طرح حیوان جنس ہے اور اس کے ماتحت انواع ایک دوسرے سے بذریعہ فصل مجزبہ ہوتی ہیں اسی طرح بشر جنس ہے اور بنی و دیگر انسان اس کی الگ الگ دو نوعیں ہیں چنانچہ مثلاً وحی کا ہونا بنی کی فصل مجزبہ اور وحی کا نہ ہونا انسان کے لئے فصل مجزبہ ہے۔ پھر اپنے مزعمودہ فاسدہ کو تحقیق ایتق قرار دیتے ہوئے معلمین کو چیلنج کرتے ہوئے علماء کا منہ چڑانے کی بھی انہوں نے کوشش کی کہ معتین حضرات قرآن مجید میں نبی پر کہیں بشر کا اطلاق دکھائیں کہ فصل مجزبہ کے ساتھ موجود نہ ہو اور ہم نے اچھی نوری بشر کے بیان میں متعدد آیات ذکر کی ہیں جن میں نبی کو صرف بشر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنِّیْ خَالِقُ بَشَرٍ مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوْنَ۔ پلا ع ۲۔ یہاں بشر سے مراد حضرت آدم ہیں اور ان کا بنی ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرِیْنَ مِّنْ قَبْلِكَ الْخَلْدَ اَفَا نَمِتُّ فَمَا لَ الْخُلْدُوْنَ پلا ع ۳۳۔ یعنی ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے؟ آیت مجیدہ میں حضور کو صرف بشر کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے بالعموم کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا مقرر نہیں کیا تو آپ بھی اسی قانون کے ماتحت جام موت پیئیں گے اور وہ لوگ بھی مریں گے جو آپ پر مقرر ہیں اسی جگہ پارہ نمبر ۱۹ کے رکوع نمبر ۳ میں خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا وَّجَعَلْنَا نَسَبًا وَّوَحْشًا۔ تفسیر اہل بیت میں بشر سے مراد حضرت رسالت مآب سے نسب سے مراد جناب فاطمہ اور صہر سے مراد حضرت علی ہیں صلا ۱۸۲ کسی فصل مجزبہ کا ذکر ساتھ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر اس لحاظ سے انبیاء کو الگ نوع کہا جائے کہ ان میں نور نبوت اور روح نبوت موجود ہے جو باقی انسانوں میں نہیں تو اس نئی اصطلاح کے پیدا کرنے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ اس قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں کوئی وضع کرتا پھرے اس پر کسی صاحب ذوق کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ لامشاحتہ فی الاصطلاح اس طرح نئی اصطلاح پیدا کرتے ہوئے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عالم اور جاہل دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ عالم میں نور علم موجود ہے اور جاہل اس سے خالی ہے۔ اسی طرح مومن اور کافر دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ مومن میں نور ایمان ہے اور کافر اس سے خالی ہے۔ اسی طرح معصوم اور غیر معصوم دو الگ الگ نوعیں ہیں۔ اسی طرح نیک و بد سخی و بخیل نڈرت و بیار و علیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحب صفت کو فاقہ صفت سے الگ نوع قرار دیکر ایک اصطلاح قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوان کی باقی انواع اونٹ گھوڑا گدھا بیل بھیڑ بکری حشی کہ مرغ تک کو جنس قرار دیکر ان کی ماتحت اصناف کو انواع کا نام دیتے ہوئے عبرت پسندی کی ہوس کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس کو منطقی اصطلاح قرار دیا جائے تو علم معقول ایسے دیرہ دہن مجدد کے منہ پر تھوک دے گا۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

۱۔ بشر کا بنی سے عام ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ بشر کو بنی کی جنس قرار دیا جائے اس میں شک نہیں کہ ہر بشر بنی نہیں ہوتا اور ہر بنی بشر ہوتا ہے لیکن بعینہ اسی طرح کہا جاتا ہے ہر بشر شریف انسان نہیں لیکن ہر شریف انسان بشر ہوتا ہے ہر بشر صاحب علم نہیں

لیکن ہر صاحب علم بشر ہوتا ہے۔ اور ہر بشر سخی نہیں لیکن ہر سخی بشر ہوتا ہے۔ وعلیٰ ذلک القیاس۔ تو اس عموم کا یہ مطلب نہیں کہ بشر کو ان تمام کے لئے جنس قرار دیکر ان کو اس کی انواع قرار دیا جائے بلکہ اہل منطق کے نزدیک ان کو اصناف کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسالتاً نے خود اس کو ایک صفت خاصہ کا درجہ دیا ہے جس طرح انسان کے مختلف افراد میں مختلف صفات علم و جہل اور حسن و قبح وغیرہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ فرقان کی تفسیر میں ص ۱۶۵ پر بیان ہوگا۔

۲۔ نبی پر بشر کا اطلاق جائز ہے اور بغیر لوحی کے جس کو فضل حمیزہ ٹھہرایا گیا ہے۔ بشر کا اطلاق نبی پر قرآن مجید میں ہوا ہے جس طرح ہم نے ابھی ثابت کیا ہے اور اگر اصرار کیا جائے کہ بغیر لوحی کے بشر کا اطلاق نبی پر ناجائز ہے تو دوسری طرف عام انسانوں پر بھی بغیر فضل لگائے بشر کا اطلاق ناجائز ہوگا کیونکہ بشر کی نوع ہونے میں دو برابر ہیں۔ پس فضل حمیزہ دونوں کے لئے ضروری ہے۔

۳۔ کسی جنس کی الگ الگ نوعیں ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ہر نوع کا آبائی و نسلی سلسلہ اسی نوع کا ہی ہوتا ہے حالانکہ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جن کے والدین نبی نہیں تھے اور اگر بعض نبیوں کے باپ نبی ہیں تو ماں کسی نبی کی بھی نہیں تھی اسی طرح انبیاء کی اولاد ساری نبی نہیں اور تمام انسان ایک نبی حضرت آدمؑ کی تو لقیناً اولاد ہیں اسی طرح جملہ سادات حضرت علیؑ کی اولاد ہیں حالانکہ نوعی اختلاف اس اختلاف کی اجانت نہیں دیتا۔ (۴) اگر انسان نبی کے مقابلہ میں الگ نوع ہو تو نبی پر انسان کا اطلاق غلط ہو جائے گا حالانکہ نبیوں پر انسان کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے۔ خلقنا الانسان من صلصال افریض (ع ۳) ہم نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا اور اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ الرحمن علم القرآن خلق الانسان ۲۔ یہاں بھی انسان سے مراد نبی ہے اُمّ یحسّدون الناس ۵۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں باطن اور تاویل کے لحاظ سے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے یہاں ناس سے مراد ہم ہیں اور ہم ہی حمد کئے گئے ہیں۔ (روافی عن اسکافی) رفاضان مزعلمائے اعلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے ان کو غلط تاثر دلاتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہتان عظیم اور افتراء جہیم ہے جو شخص انبیاء کو یا آدم کو اپنے جیسا عام انسان سمجھے وہ کافر و ملحد و بے دین ہے بلکہ علمائے اعلام کے نزدیک خدا کی ساری خدائی میں بنیاد اشرف و افضل ہیں اور وہ بشر ہوتے ہوئے اپنی استوں میں عقل کل، نور کل اور ایمان کل تھے اور محمدؐ و آل محمدؐ پوری کائنات حتیٰ کہ گذشتہ انبیاء و مرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین کے لئے بھی عقل کل، نور مجسم اور رحمت مطلقہ تھے پس وہ بشر تھے لیکن تمام بشر ان کے غلام اور وہ سب سے اشرف تھے اور کوئی ان کی حیثیت بشری کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کا بشری وجود نورانیوں کے نورانی وجود سے اشرف و اعلیٰ تھا حتیٰ کہ جہاں ان کا بشری وجود پہنچ گیا وہاں سب لگتا جبریلؑ سا تہ جانے کا دم نہ بھر سکا۔ اسی طرح وہ بشریت کے باوجود نور مجسم تھے اور ان کا نور تمام عالم وجود کے ابعاد کا باعث تھا۔

البتہ عالم انوار میں ان کے نور کو نوع مفرد کہنا سجا ہے کیونکہ فلاسفر یونان نے چونکہ اول مخلوق عقل اول کو قرار مخلوق اول کی نوع مفرد دیا ہے اور اس کے بعد عقل ثانی ثالث تا عاشرہ عقل عشرہ کے قائل ہیں اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عقل اول کا خالق خدا ہے اور علی الترتیب ہر پہلے عقل بعد والے عقل کا خالق ہے اور عقل عاشرہ اپنے بعد میں ہونے والی جملہ مخلوق کا خالق ہے

علاوہ ازیں وہ عقل کو قدیم بھی جانتے ہیں۔ پس وہ عقل کو نوع مفرد اور عقول عشرہ کو اس کے افراد قرار دیتے ہیں یا عقل کو جنس مفرد اور عقول عشرہ کو اس کے ماتحت انواع کا درجہ دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اجناس مترتبہ اور انواع مترتبہ کے سلسلہ میں عقول شامل نہیں ہیں اور وہ لوگ چونکہ ملائکہ کے وجود کے قائل نہیں تھے اور نہ انوار محمد و آل محمد کا تصور رکھتے تھے۔ لہذا ان کے متعلق نوع یا جنس کا کوئی مرتبہ نہ معین کر سکے۔

اگر ان عقول کی شرعی تعبیر ملائکہ سے کی جائے تو ملک کو نوع مفرد یا جنس مفرد کا نام دیکر ماتحت کو افراد یا انواع کا درجہ دیا جاسکے گا لیکن نہ ملائکہ قدیم ہیں اور نہ اول مخلوق۔ بلکہ اول مخلوق صرف نور محمد ہے جس کے چودہ افراد ہیں اور وہی باعث تخلیق کائنات ہے اور اسلامی عقیدہ کی رو سے نہ تو اول مخلوق کو ہم قدیم مانتے ہیں بلکہ مخلوق کا ہونا ہی اس کے حدوث کی دلیل ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب پیدا ہوئے اور جو بھی اس کی تحدید کرے جھوٹا ہے اور نہ ہم اس کو بعد والی مخلوق کا خالق مانتے ہیں اور جو شخص کہے گا کہ اللہ ان کا خالق ہے اور وہ باقی مخلوق کے خالق ہیں وہ فلاسفہ یونان کی نقالی کرے گا۔ اور یقیناً یہ قول باطل اور شرک ہے اور محمد و آل محمد خود اس سے بیزار ہیں۔

بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ تخلیق کائنات کا دستور عادی یہی ہے کہ ہر شئی علیٰ واسبب مناسبہ کی بدولت منصفہ وجود میں قدم رکھتی ہے تو ان نام عقل و معلولات کا سلسلہ ایک علت تک منتہی ہونا چاہیے جو علت العلل ہو اور اس کا صدور ذات واجب الوجود کی تخلیق سے ہو اور چونکہ اول مخلوق اسلامی فقط نگاہ سے نور محمد و آل محمد ہے لہذا باقی تمام ہونے والی مخلوق کا صدور ان سے ہوا تو اس عقیدہ سے جہاں ایک طرف تفویض لازم آتی ہے وہاں دوسری طرف خدا کا فاعل مجبور ہونا بھی لازم آتا ہے۔ بنا بریں اس قول کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں اور شیعی عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے اول مخلوق محمد و آل محمد کے نور کو پیدا کیا اور انہی ذوات مقدسہ کی خاطر تمام عالم موجودات کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا۔ پس وہ جس طرح ان کا خالق ہے اسی طرح باقی سب مخلوق کا خالق بھی وہ خود ہے۔ پس محمد و آل محمد نہ اس کے شریک ہیں اور نہ آلہ تخلیق ہیں اور نہ ان کو تخلیق تفویض کی گئی ہے ہماری ذاتی تحقیق کے ماتحت شیخ احمد احسانی مرحوم کا دامن ان اتہات سے پاک ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں۔ واللہ اعلم

بہر کیف محمد و آل محمد کے انوار بقول فلاسفہ یونان عقول ہیں اور نہ باصطلاح شرع ملائکہ ہیں بلکہ یہ اول مخلوق ہیں اور اول ما خلق اللہ نورانی کے مصداق ہیں اور اس نور کے چودہ افراد ہیں تو جب یہ نور اجناس و انواع کے ترتیب وار سلسلہ میں داخل نہیں تو ماننا پڑتا ہے جو اول مخلوق ہے وہ ایک نوع مفرد ہے جس کے چودہ افراد ہیں۔ نور کی توضیح اور متعلقہ بحث میں اگرچہ طول ہو گیا ہے لیکن خالی از فائدہ نہیں اور ابھی آیت نور کی تشریح میں اس پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ نور سورہ رکوع نمبر ۷۔ شان نزول نساء کے بعد نازل ہوا کیونکہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں بدکار عورتوں کی سزا کا حکم تھا کہ

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے ( شروع کرتا ہوں )

سُوْرَةُ اَنْزَلْنٰهَا وَقَرَّضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱

یہ اسورت جس کو ہم نے اتارا اور فرض کیا ( اس پر عمل کرنا ) اور اتاریں اس میں نشانیاں واضح تاکہ تم نصیحت پاؤ

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً وَلَا تَأْخُذْكُمْ

زنا کرنے والے عورت و مرد کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان میں سے ایک سو کوڑے اور نہ غلبہ کرے تم پر

اگر چار گواہ عینی شہادت دے دیں تو ان کو گھروں میں قید کرو۔ یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا یہ کہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر فرمائے اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔ پس اس سبیل کو اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زانی مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ الخ۔ اور غلامے امامیہ کے نزدیک یہ سزا کنوارے جوڑے کے لئے ہے۔ ورنہ شادی شدہ زانی جوڑے کی سزا جرم سنگساری ہے۔

سُوْرَةُ۔ یا سُوْرَةُ البَنٰء سے ہے جس کا معنی ہے بلندی یا اس کا معنی ہے ایک دار جو دیوار پر رکھا جائے۔ پس قرآن مجید کے ایک ٹکڑے کو سورہ کہنا تو اس کی بلندی کے پیش نظر ہے۔ یا اس لئے کہ بنائے قرآن میں اس کو ایک دار کی حیثیت حاصل ہے۔

الزَّانِيَةُ۔ اس بارے میں جامع روایت وہ ہے جو اصنع بن نباتہ سے منقول ہے۔ بروایت قتی زنا کی شرعی سزا اختلاف ثانیہ کے دربار میں چھ آدمی زنا کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ہر ایک پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام موجود تھے فوراً آپ نے ٹوک دیا کہ ایسا مت کرو۔ پس خلیفہ نے عرض کی آپ خود ہی ان پر حد جاری فرمائیں۔ پس ان میں سے ایک کو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو گردن زدنی قرار دے کر قتل کر دیا۔ دوسرے کو لایا گیا تو آپ نے اس کے جرم کا حکم دیا۔ پھر تیسرے کو ایک سو کوڑے (حد) لگانے کا حکم دیا اور چوتھے کو نصف حد یعنی پچاس کوڑے لگوائے اور پانچویں کو تعزیر و تادیب کر کے چھوڑ دیا۔ اور چھٹے کو رہا کر دیا۔ آپ کے اس فعل سے لوگ بجز تعجب میں ڈوب گئے۔ اور خلیفہ خود اپنے مقام پر حیران و ششدر رہ گیا۔ پس عرض گزار ہوا مولا ایک ہی مقدمہ میں گرفتار ہونے والے ملازموں کی سزائیں الگ الگ کیوں ہے آپ نے جواب کو تفصیل وار بالترتیب بیان فرمایا کہ پہلا شخص کافر ذمی تھا۔ جب اس نے زنا کیا تو اس کے ذمی ہونے والا عہد ختم ہو گیا۔ پس وہ واجب القتل ہو گیا۔ لہذا سے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ملازم محض (شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا جرم یعنی سنگساری تھی۔ تیسرا ملازم غیر محض (غیر شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا ایک سو کوڑا ہے۔ چوتھا ملازم غلام تھا اور غلام کی سزا نصف حد ہوتی ہے۔ پس اس کو پچاس کوڑے

بِمَارَافَةٍ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْشَهَدُ

ان کے لئے نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یومِ آخر پر اور چاہیے کہ حاضر ہو

عَذَابِهِمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ

ان کی سزا کے وقت ایک گروہ مومنوں میں سے زانی مرد نہ نکاح کرے مگر زانیہ یا مشرک

مَشْرُكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمٌ

عورت سے اور زانیہ نہ نکاح کرے اس سے مگر زانی یا مشرک اور حرام ہے

لگوائے۔ پانچواں ملازم شبہ کی بنا پر فعل کا مرتکب ہو لہذا اس کو تعزیر و تادیب کی گئی اور چٹا طرم چونکہ دیوانہ ہے۔ لہذا مرفوع القلم ہے پس اس کو رہا کر دیا گیا۔ (دسانی)

مسئلہ۔ رجم کی آیت قرأت کے لحاظ سے منسوخ ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ یعنی جب شادی شدہ جوڑا زنا کرے اور ثابت ہو جائے تو ان دونوں کو رجم کیا جائے گا اور علمائے اعلام کا متفق علیہ فتویٰ ہے۔

مسئلہ۔ محصن سے مراد شادی شدہ مرد اور محصنہ سے مراد شادی شدہ عورت ہے اور اس سے مراد دائمی نکاح ہے پس متعہ کرنے سے مرد یا عورت کو محصن نہیں کہا جاتا۔ معصوم نے فرمایا محصن وہ ہے جو حلال طریقہ سے جنسی خواہش جس وقت چاہے اور جتنی دفعہ چاہے مٹا سکتا ہو۔ (مرادی ترجمہ)

مسئلہ۔ غلام اور کینز کو محصن نہیں کہا جاتا اگرچہ شادی شدہ بھی ہوں پس ان کے زنا کی حد آزاد کنوارے کی سزا کی نصف ہے یعنی پچاس کوڑے اس کو لگائے جائیں گے۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں ہے کہ کنوارا جوڑا اگر زنا کرے تو ایک ایک سو کوڑے کی سزا کے علاوہ ایک سال تک ان کو شہر بدر کیا جائے گا۔ اور جس جوڑے کا نکاح ہو چکا ہو لیکن شادی نہ ہوئی ہو تو کنوارا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تک چار آدمی عینی شاہد نہ ہوں تو مرد و عورت کو رجم نہیں کیا جاسکتا۔ مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر رجم کیا جائے گا اور ان کے سر اور شرمگاہ پر پتھر نہ برسائے جائیں گے اور مروی ہے کہ پشت کی طرف سے رجم کیا جائے گا اور ان کے منہ کو بچایا جائے گا۔ (برہان)

مسئلہ۔ زانیوں کو سزا تنہائی میں نہ دی جائے بلکہ ایک ظائفہ ان کی سزا دیکھے تاکہ عبرت و نصیحت حاصل ہو اور طائفہ کی حد مقرر نہیں۔ امام وقت جس قدر آدمیوں کو بلا لے درست ہے۔

مسئلہ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کوڑے سخت طور پر لگانے چاہئیں اور ننگے جسم پر لگائے جائیں۔

مسئلہ زانیہ کو رجم کرنے کے وقت پتھر سختی سے مارے جائیں اور اللہ کی حدود میں نرمی ممنوع ہے۔  
 مسئلہ۔ سزا کا حکم بیان کرنے میں زانیہ کو پہلے ذکر کیا۔ کیونکہ عورت کا جرم زنا بہ نسبت مرد کے سنگین تر ہے ایک تو قوم و قبیلہ کے لئے باعث تنگ و عار ہے اور دوسرے نسل انسانی کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر عورت پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس بارے میں ایمن کی حیثیت رکھتی ہے پس اس کی خیانت نسل انسانی کی تباہی کی موجب ہے۔

مسئلہ۔ حدود کا قائم کرنا فرض ہے چنانچہ ارشاد ہے (فرضناھا)

فرض اور واجب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ فرض وہ ہے جو حاکم و آمر کے حکم سے ضروری قرار دیا جائے اور واجب بعض اوقات حاکم کے حکم کے بغیر بھی ہو جاتا ہے جیسے شکر منعم کا واجب گویا واجب کا مفہوم فرض سے عام ہے۔

طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کم از کم کی کیا حد ہے۔ چار۔ دو۔ ایک تک کا قول بھی موجود ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ کم از کم ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے (مجمع) اور اس کا شاہد قرآن مجید کا یہ فرمان ہے **وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا**۔ یعنی مومنوں کے دو گروہ جب لڑیں۔ یہاں طائفتان سے مراد دو مومن بھی ہو سکتے ہیں۔

**فصل خلافت** خلافت اجماعیہ کو ثابت کرنے والے بعض لوگ اس آیت اور اس قسم کی جملہ آیات کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ یہ مسلم ہے کہ حدود شرعیہ امام کے بغیر جاری نہیں ہو سکتیں اور خدانے تمام مومنوں کو بالعموم یہ حکم دیا ہے **فاجلِعُوا** کہ ان کو حد لگاؤ یا چور کے ہاتھ کاٹو۔ تو اس کا التزامی نتیجہ یہی ہے کہ مومنوں کو امام نصب کرنے کا حکم ہے یعنی امام کا انتخاب کر لو تاکہ وہ حدود کو جاری کرے۔

واقعی کسی شئی کی محبت انسان کو اس کے عیب دیکھنے سے اندھا اور ناس کی برائی سننے سے بہو کر دیا کرتی ہے۔ چوں کہ خشیت اول غلط نصب ہو چکی ہے لہذا دیوار کی کچی کی مذمت کی بجائے اس کی صحت ثابت کرنے میں اپنی علمی طاقت کو خرچ کیا جاتا ہے اور اگر چشم بصیرت سے جنبہ داری و تعصب کی ٹہنی ہٹا کر غور کیا جائے تو آیت مجیدہ بانگِ دل نصی خلافت کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ جب مسلم ہے کہ امام کے بغیر کسی کو حدود کے قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تو حدود قائم کرنے کے لئے جس قدر قرآن مجید میں احکام ہیں ان کا خطاب عوام سے نہیں بلکہ انہی سے ہے جنہوں نے حدود کو قائم کرنا ہے اور اس کا التزامی نتیجہ یہ ہے کہ حکم صادر کرنے سے پہلے خدا امام کو متعین کرے اور بعد میں عمل درآمد کے لئے فرمان جاری کرے اور جن لوگوں سے فعل کا تعلق نہیں وہ خود بخود حکم کے متعلق سے خارج ہوتے ہیں۔ مثلاً ناز و روزہ کے احکام میں عورتیں مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔ لہذا خطاب دونوں کو شامل ہے لیکن جہاد میں چونکہ عورتیں مردوں کے ساتھ شامل نہیں ہوتیں۔ لہذا حکم جہاد اگر چہ یا ایہا الذین امنوا کے لہجہ سے آئے۔ تاہم مردوں کے لئے مخصوص ہوگا اور عورتوں کو اس سے خارج سمجھا جائے گا۔ نیز قرآن مجید کے عمومی فرامین جن پر عمل کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے وہاں خطاب عامۃ المسلمین کو ہے لیکن جن امور کا تعلق نظام حکومت اور تہذیب و تمدن سے ہے وہاں خطاب کو عامۃ الناس کے لئے قرار دینا کج سمجھی بلکہ کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرآن مجید قیامت تک کے لئے تکمیل



انسانیت کا مکمل گورنر اور نظام مملکت کا کامل دستور ہے۔ پس جہاں عوام کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہاں حدود شرعیہ کی محافظت کے لئے قرآنی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا کی جانب سے نامزد غائبوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک خدا کی جانب سے یکے بعد دیگرے متعین ہیں۔ اور نظام شرعی کو برقرار رکھنے اور حدود قرآنیہ کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر خطابات وارد ہیں ان کا تعلق انہی سے ہے اور ان کا ان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اقتدار مملکت ان کے ہاتھ میں ہو۔ پس اس قسم کی آیات سے اجماع اور ایکشن کے جواز کے بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ حدود کا قیام واجب ہے جو امام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا عوام پر واجب ہے کہ خدا کی جانب سے نصب کردہ امام کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور اس سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کا اقتدار قائم رہے اور کوئی دشمن دین خدا کو سبقت نہ لے کر لپچائی ہوئی نظریں ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ مثلاً جہاد واجب ہے اور جہاد کرنا بغیر امام کے ناممکن ہے تو طاقت و مالوت کے قصہ میں خدا نے اس حقیقت کی قلعی کھول دی کہ طاقت کو تمہارا امام وقتاً مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس حکم کے سننے کے بعد انہوں نے کئی جتن کئے اور گدگد خلاصی کے بہانے تلاش کئے کہ وہ مال دار نہیں۔ وہ قوم و قبیلہ میں پست ہے لیکن خدائی اہل فیصلہ کے سامنے ان کی ایک چلی اور ارشاد ہوا جس کو خدا نے چنا ہے۔ علم اور طاقت میں زیادہ ہے۔ لہذا جہاد کی قیادت کے لئے وہ موزوں تر ہے اور تم پر اس کی گمان میں رہتے ہوئے اس کی اطاعت فرض ہے۔ وہ چونکہ عالم ہے لہذا اس کی تجویز کردہ ہر حکم کو کامیاب کرنے کے لئے اس کا بھرپور تعاون کرو تاکہ دشمن بے بس ہو کر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ پس اس امت میں بھی امام کا نصب کرنا اس کا کام ہے۔ اور اس نے بزبان پیغمبر باعلان عام حضرت علی سے حضرت مہدی تک مقرر فرمادئے ہیں اور عوام کو تعاون کی دعوت دی گئی ہے لیکن پہلے دن سے مسلمانوں نے ان کی جانب دست تعاون بڑھانا چھوڑ دیا اور ایک من مانے غلط راستے پر چل نکلے جس کے نتیجے میں نااہل لوگوں کی طرف اقتدار منتقل ہو گیا۔ پس احکام مضحل اور حدود معطل ہو گئیں اور آخر کار خدا کی جانب سے امام منصوب کو گوشہ مخفی میں آرام کرنا پڑا پھر جب اس کی مصلحت ہوگی تو غیب کا پردہ اٹھے گا پس اسلام دوبارہ زندہ ہوگا قرآن منبر پر آئے گا اور امن و انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اللہ عجل منجنا۔ نیز اگر حدود قائم کرنے کا حکم عوام کے لئے ہو تو چور زانی و دیگر جرائم پیشہ لوگ بھی تو عوام میں ہوتے ہیں۔ بلکہ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ شاید بہت کم مقدار ایسے افراد کی نکل سکے گی۔ جو زندگی بھر ایسے جرائم سے یکسو رہے ہوں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ عوام کو حکم دیا جائے کہ تم حدود قائم کرو یا ایسے شخص کا انتخاب کرو جو حدود کو قائم کرے کیا چور زانی و مجرم سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے شخص کے اقتدار کا حامی ہوگا جو ان کو سزائیں دے۔ ہاں اگر ہر زمانہ میں اکثریت کا رجحان نیکی کی طرف ہوتا تو اکثریت کی نظر انتخاب ایسے افراد پر پڑتی جو حدود قرآنیہ کا پاسدار ہو لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے کا انتخاب کرتے جو ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہوتا پس بجائے حدود کے قیام کے حدود معطل ہو جاتیں۔ لیکن اگر اکثریتی رجحان ہی معصیت کی طرف ہو۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہوں جن کا دامن جلا لائشوں سے پاک ہو تو ایسی صورت میں عوام تو ایسے شخص کے اقتدار کے حامی ہوں گے جو ان جیسا غلط

ہوتا کہ حدود شرعیہ کی زد سے بچ کر رنگ ریاں مناتے رہیں اور اسلام کا ببادہ بھی اوڑھے رہیں۔ نیز حدود جاری کرنے کا سزاوار وہی ہو سکتا ہے جو خود افعالِ ناشائستہ سے گریزاں ہو اور اس کا اپنا دامن غلط کاریوں سے منترہ ہو۔ پس وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے اور عصمت ایک ایسا جہر ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ کیونکہ عوام ظاہری نیکی کو دیکھ سکتے ہیں۔ باطنی برائیوں کو معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ پس حدود قائم کرنے کے لئے معصوم امام کا نامزد کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

نیز دنیاوی عام حکومتیں جب ملک کی تدریج و تنظیم کے قوانین نافذ کرتی ہیں تو جن امور کا تعلق پبلک سے ہوتا ہے وہاں خطاب بھی عوام کو کیا جاتا ہے لیکن جن امور کا تعلق نظامِ مملکت سے ہوتا ہے اور تعزیرات کا بیان ہوتا ہے وہاں خطاب عوام سے نہیں ہوتا کہ تم پر نظامِ مملکت کی بحالی واجب ہے۔ لہذا اپنے علاقہ میں ایک ناظم چن لو تاکہ وہ نظام کو قائم کرے بلکہ ایسے خطابات کا تعلق متعلقہ آفیسروں اور عہدیداروں سے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور نظامِ مملکت کی تدریج کے لئے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں عوام سے حکومت کا یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ آئین حکومت کے نفاذ کے لئے حکام طبقہ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ ملکی آئین کا میانی سے نفوذ پذیر ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ پس قانون الہی یعنی اسلامی ضابطہ حیات بھی اسی بوجہ سے خطاب فرما رہا ہے اور آئین کو حکم ہے کہ حدود شرعیہ کو جاری رکھیں اور اللہ کے دین میں نرمی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور پبلک کو ضمنی طور پر دست تعاون بڑھانے کا حکم ہے اور حدود شرعیہ کے اجراء کے وقت ایک طاقت کی شمولیت جہاں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو سکتی ہے۔ وہاں دست تعاون بڑھاتے ہوئے حکومت اسلامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کا راز بھی اس میں پنہاں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے اقتدارِ اعلیٰ کا حق صرف امام معصوم کو ہی حاصل ہے اور عصمت انتخابی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک جوہر ہے جس کو اللہ عطا فرمائے وہی معصوم ہوتا ہے اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ خود اس کا اعلان نہ فرمائے۔ پس اُمت کے لئے نصب امام کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اور اُمت پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اپنے دور اقتدار میں امام جن کو اپنا نائب مقرر کرے وہ ان تمام امور کا متولی ہوتا ہے جن کا انتظام امام کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس اقامتِ حدود کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے۔ اور غیبتِ امام کے زمانہ میں اگر فقہاء زمانہ کو موقوف ملے۔ اور حکومت وقت ساتھ دے تو حدود شرعیہ قائم کی جا سکتی ہیں۔ کیوں کہ ایسی صورت میں تین حالات سے خالی نہیں۔ یا تو حدود شرعیہ کو بالکل معطل چھوڑ دیا جائے۔ نیز یتیموں اور دیوانوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے یا حدود شرعیہ اور حقوقِ یتیمی کی سرپرستی کا حق جاہلوں اور دین کے دشمن لوگوں کے حوالے کیا جائے یا علماء فقہاء کو ان کی تولیت کا حق دیا جائے۔ پہلی دو صورتیں عقلاً قابل قبول نہیں ہیں۔ لہذا تیسری صورت پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ اگر چنانچہ کی طرف سے صریح فرمان اس بار سے میں نہیں ملتا۔ لیکن جن جن احادیث میں دینی معاملات میں علمائے امامیہ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ يُرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا

یہ مومنوں پر اور جو تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ لائیں

بِأَرْبَعَةِ شَهَدَاءٍ فَإِجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً

چار گواہ تر کرڑے لگاؤ ان کو ۸۰ کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت

أَبْدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا

کبھی اور وہ لوگ فاسق ہیں مگر جنہوں نے توبہ کر لی بعد اس کے اور اصلاح کر لی تو

ہے ان سے اس مسئلہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور دلیل عقلی کے ساتھ روایت کی تائید اثبات مطلب کے لئے کافی ہے  
 النَّاقِي لَإِنَّكَ مَنكُوحٌ مِّنْهُنَّ مَنْقُولٌ ہے کہ مکہ میں چند مرد عورتیں بدکاری و فحاشی میں مشہور تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ان  
 بدکار عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور حضورؐ سے اجازت چاہی تو یہ آیت اتری کہ زانی مرد زانیہ عورتوں سے  
 نکاح کریں اور زانیہ عورتیں زانی مردوں سے نکاح کریں کیونکہ ان سے رشتہ کرنا مومنوں پر حرام ہے۔ آیت مجیدہ میں حرمت کا معنی  
 کراہت پر محمول ہے۔ پس پاک دامن عورت کو بدکار مرد کے نکاح میں دینا یا نیک مرد کا بدکار عورت سے نکاح کرنا مکروہ ہے البتہ  
 توبہ کرنے کے بعد کراہت رفع ہو جاتی ہے اور آیت مجیدہ میں نہ نکاروں کو مشرکوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے کہ مشرک اور زانی  
 ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ گویا اللہ کے نزدیک زنا کی برائی شرک کے برابر ہے۔ اور تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام  
 سے مروی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں اتری۔ پس اللہ نے زانی مرد و عورت کو مومن کا نام نہیں دیا۔ حضور رسالت مآب نے فرمایا  
 زانی زانیہ نہیں کر سکتا جب کہ مومن ہو۔ اور چور چوری نہیں کر سکتا اگر مومن ہو۔ اگر ایسا کرے تو ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے جس  
 طرح قیص آثار نے کے بعد بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔

قذف کا معنی ہے بدکاری کی تہمت لگانا۔

قذف کی سزا وَالَّذِينَ - اگر کوئی کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو ثبوت کے لئے چار عادل گواہ

پیش کرنے ہوں گے۔ جو عینی شہادت دیں ورنہ تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور گواہ اگر چار سے  
 کم ہوں تو ہر ایک کو اسی کوڑوں کی سزا ملے گی۔ آیت میں حکم عورت پر تہمت لگانے کا ہے۔ لیکن مرد بھی اس میں شریک ہیں  
 پس اگر کوئی شخص کسی مرد پر مفعولیت یا فاعلیت لوطا یا زنا کی تہمت لگائے تو اس کی سزا بھی اسی کوڑے ہے اور آیت کا ملاک  
 اس کو شامل ہے۔

مسئلہ ہے۔ مرد عورت پر تہمت لگائے یا عورت مرد پر تہمت لگائے دونوں صورتوں میں سزا ایک ہے۔

مسئلہ۔ نابالغ لڑکا یا لڑکی یا دیوانہ کسی پر تہمت لگانے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والا آزاد ہو یا غلام اسی کوڑوں کی سزا ہوگی۔ (جمع)

مسئلہ۔ تفسیر صافی میں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ تہمت تین صورتوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ ایک شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگانے والے کسی کی ماں کو زانیہ کہے (۳) کسی کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا کہہ کر بلائے۔ ان تینوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اگر کوئی شخص دوسرے کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر خطاب کرے اور اس کی ماں زندہ ہو۔ پس وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو تہمت لگانے والے کو نہ کوڑوں کی اور اگر وہ گھر سے باہر گئی ہو تو اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا۔ پس واپسی پر اگر اس نے حق طلب کیا تو لازم مذکورہ کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اگر مر چکی ہو اور اس کی برائی معلوم نہ ہو تب بھی تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ آپ نے فرمایا اگر ایک شخص ایک جماعت پر تہمت لگانے۔ پس وہ سب کے سب مل کر اس کو پکڑ لائیں تو ایک سزا دی جائے گی لیکن اگر الگ الگ باری باری سے اس کو پیش کریں تو الگ الگ اس کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر چند آدمیوں پر ایک جملہ کہہ کر تہمت لگانے اور نام کسی کا نہ لے تو ایک سزا اس کو ملے گی لیکن اگر الگ الگ نام لے تو الگ الگ سزا ملے گی۔

مسئلہ۔ جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والوں کو کوڑوں سے لگاتے وقت سوائے روا کے باقی کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔

مسئلہ۔ حضرت سے مروی ہے کہ زانی کی مار شرابی سے سخت ہونی چاہیے اور شرابی کی مار تہمت لگانے والے سے سخت ہونی چاہیے اور تہمت لگانے والے کی مار تعزیر سے سخت ہونی چاہیے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والے کو کوڑوں سے نہ بہت سخت کر کے مارے جائیں اور نہ نرم۔ بلکہ متوسط انداز سے اس کو سزا دی جائے۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والے پر اسی کوڑوں کی حد بھی جاری ہوگی اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی بھی کسی عدالت میں مقبول نہ ہوگی کیونکہ قرآن نے اس کو فاسق کہا ہے۔ اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کر لے تو فسق کا نام تو اس سے ہٹ جائے گا لیکن پھر بھی اس کی گواہی مقبول ہونے میں اختلاف ہے اور قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہونی چاہیے کیونکہ صاف ارشاد ہے کہ ان کی شہادت ابرا مقبول نہ کرو۔ البتہ بعد والی آیت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان ہے۔ یعنی اس کے سابق جرم تہمت کو خدا غفور رحیم ہونے کی حیثیت سے بخش دے گا۔ پس وہ فاسق نہ کہلائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ استثناء کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔ یعنی سابق گناہ بھی بخشا جائے گا اور آئندہ کے لئے اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی۔ اور تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور توبہ کا مقصد یہ ہے کہ اعلانیہ اپنی تہمت کو غلط قرار دے اور اللہ سے معافی مانگے۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ

تو تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور جو لوگ تہمت (زنا) دیں اپنی عورتوں کو اور نہ ہوں

يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ

ان کے پاس گواہ سوائے اپنے نفسوں کے ہیں ان کے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہوں

شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ

ساتھ اللہ کے کہ تحقیق وہ سچا ہے (نسبت زنا میں) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اس پر

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُونَ عَنْهَا

اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) اور پٹائے گی عورت سے

الْعَذَابَ إِنْ تَشْهَدُ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

عذاب (سزا) یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں اللہ کے ساتھ کہ تحقیق وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں)

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ

اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق زنا کی نسبت دے تو جب تک چار مرتبہ نہ کہے گا شہادت قبول نہ ہوگی (صاف)

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے

پس اگر قذف (تہمت) کے بعد اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس کو قذف کی سزا دی جائے گی۔ لیکن عورت اس

پر حرام نہ ہوگی۔ اور اگر اپنے قول پر ڈٹتا ہے تو اس سے چار دفعہ شہادت لی جائے گی اور وہ اس طرح کہے گا۔ اَشْهَدُ

بِاللَّهِ اِنَّ لِمَنْ السَّادِقِينَ فَيَسْمَعُ مِثْلَهَا بِ۔ اور پانچویں دفعہ بصورت جھوٹ اپنے اوپر لعنت کرے گا اور یہ کہے گا

اِنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيَّ اِنْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِينَ فَيَسْمَعُ مِثْلَهَا بِ۔ (پس مرد قذف سے بچ جائے گا اور عورت پر رحم

ثابت ہوگا) اگر وہ اپنے اوپر عذاب (سزا) کو ہٹانا چاہے تو چار دفعہ شہادت دے گی کہ اَشْهَدُ بِاللَّهِ اِنَّهُ لَمِنَ

الْكَاذِبِينَ فَيَسْمَعُ مِثْلَهَا بِ۔ اور پانچویں دفعہ کہے گی اِنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيَّ اِنْ كَانَ مِنَ السَّادِقِينَ۔ پس عورت ایسا

نہ کرے تو اس پر رحم کی سزا آئے گی اور کرے تو رحم کی سزا سے بچ جائے گی۔ لیکن مرد پر حرام موبہ ہو جائے گی۔ راوی

# الصَّادِقِينَ ⑨ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

سچا ہو (نسبت زنا میں) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور

## رَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ⑩ ع

اس کی رحمت اور یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا حکیم ہے (تمہاری نسل فاسد ہوتی)

نے پوچھا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو کس کے ہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ ماں کو ملے گا اور وہ مر جائے تو ماں اس کی وارث ہوگی۔ اور ماں نہ ہو تو ماں کے قریبی ذنبہاں، اس کے وارث ہوں گے اور اگر کوئی اس بچے کو ولد الزنا کہے گا تو اس پر قذف کی سزا آئے گی۔ راوی نے پوچھا۔ اس کے بعد اگر باپ اقرار کرے تو بیٹا اس کو مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں البتہ اس کے اقرار کا یہ اثر ہوگا کہ بیٹا اس کی جائیداد کا وارث ہو سکے گا لیکن بیٹے کے مرنے پر یہ اس کا وارث نہ ہوگا۔

آپ سے مروی ہے کہ یہ واقعہ زمانہ خیبر میں ایک صحابی کو پیش آیا تو اس نے حضور سے شکایت کی۔ آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہ کہا۔ پس وحی نازل ہوئی اور حضور نے اس کو بلا بھیجا۔ اور پوچھا کہ کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اور تو نے اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا ہے یا کہنے لگا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی عورت کو لے آؤ۔ کیونکہ تمہارے متعلق حکم پر مرد کو گارہنیج چکا ہے، چنانچہ وہ اپنی عورت کو ساتھ لایا۔ آپ نے پہلے مرد سے چار دفعہ شہادت لی۔ اس کے بعد اس کو وعظ و نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی لعنت کو اپنے اوپر واجب نہ کرو جب وہ اپنے دعویٰ پر مصر رہا تو آپ نے پانچویں مرتبہ اس سے لعنت جاری کرالی۔ پھر عورت سے چار شہادتیں لیں اور وعظ و نصیحت فرمائی کہ اللہ کے غضب سے بچو۔ جب اسے اپنی بات پر مصر پایا تو غضب کا صیغہ اس سے جاری کر لیا۔ پس صیغہ لعان پورا ہونے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے لعان تب ہو سکتا ہے کہ مرد دعویٰ کرے کہ میں نے عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے مسئلہ۔ لعان کے وقت امام قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے گا اور لعان کرنے والے عورت و مرد اس کے سامنے قبلہ رخ ہوں گے۔ پہلے صیغہ مرد جاری کرے گا۔ اور بعد میں عورت۔ ایک روایت میں ہے کہ مرد امام کے دائیں اور عورت امام کے بائیں جانب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر لعان کے صیغہ کے مکمل ہونے سے پہلے مرد اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس پر جہد قذف جاری ہوگی اور عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ شوہر اگر عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کی چار شہادتیں لی جاتی ہیں اور قذف کی حد اس پر جاری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر عورت کا بھائی باپ یا کوئی اور قریبی یہ بات کہے تو گوگواہوں کے نہ ہونے کی

صورت میں اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا مرد کو عورت پر داخل ہونے کا ہر وقت حتیٰ حاصل ہے وہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں جب چاہے عورت کے پاس جا سکتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت عورت کو ناجائز حالت میں دیکھے۔ لہذا اس کے دعوے کی صحت کا امکان ہے لیکن اور کسی قریبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عورت پر ہر وقت وارد ہو سکے۔ اس لئے اس سے گواہ طلب کئے جائیں گئے۔ ورنہ حد قذف اس پر جاری ہوگی۔

مسئلہ۔ جس طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد لعان ہو سکتا ہے اسی طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد مرد کے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے بلکہ زنا سے پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی لعان کرنے سے حد جاری نہ ہوگی۔ لیکن عورت و مرد ایک دوسرے پر حرام موبد ہو جائیں گے اور بچے کا نسب باپ سے کٹ جائے گا وہ صرف ماں کو ملے گا۔ بایں ہمہ اس کو دلالت ناکہنے والا حد قذف کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں معصوم سے سوال کیا گیا کہ زنا کے اثبات میں چار گواہ اور قتل کے لئے دو گواہ کافی ہوا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا زنا میں حد دو نو پر جاری کی جاتی ہے لہذا ہر ایک کے لئے دو گواہ ہونے لازمی ہیں لیکن قتل میں ملزم صرف ایک ہوتا ہے اور سزا کا تعلق اسی ایک سے ہی ہوتا ہے لہذا دو گواہ کافی قرار دیئے گئے۔

مسئلہ۔ قہی سے منقول ہے کہ رسالت مآب نے جب صحابی اور اس کی زوجہ کے درمیان لعان کا صیغہ جاری کرا کے ان کو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا حکم دیا تو صحابی مرد نے عرض کی حضور میں نے اس کو مال دیا ہوا ہے وہ تو مجھے واپس دلوائیے آپ نے فرمایا اگر تو نے اس عورت پر غلط الزام لگایا ہے تو تجھے اس مال کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تو سچا ہے تو اس وقت تک تو نے جو اس کے جسم سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس کے بدلہ میں ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ مرد پر سات قسم کی عورتیں نسب کے لحاظ سے حرام ہیں اور سات قسم کی عورتیں سبب کے لحاظ سے حرام ہوا کرتی ہیں جن کی تفصیل تفسیر کی جلد ۱۵ پر ذکر کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ تین قسم کی عورتیں بطور سزا کے مرد پر حرام موبد ہو جایا کرتی ہیں۔ ۱، اگر کوئی مرد کسی مشکوٰۃ شوہر دار عورت سے زنا کرے یا اس کی عدت کے اندر اس سے زنا کرے تو وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے اور علمائے امامیہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

۲، اگر مرد اپنی کم سن بیوی سے مجامعت کرے اور افضا ہو جائے یعنی اس کے مقام پیشاب اور مقام حیض کا درمیانی پردہ پھٹ جائے تو اس صورت میں وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

۳، اگر مرد عورت کو زنا کی تہمت دے یا بچے کے حلالی ہونے کا انکار کرے۔ پس حاکم شرع کی عدالت میں لعان تک نوبت پہنچ جائے تو لعان کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ - لَوْلَا كَأَجَابِ مَحْذُوفٍ هِيَ لَعْنَةُ إِذَا تَوَلَّى نِسْمًا وَإِنَّهَا تَبَاتِي يَأْتِي عَلَى عَذَابٍ فُورِي آجَانًا وَغَيْرِهِ  
اور عیاشی سے منقول ہے کہ فضل سے مراد رسالت مآب اور رحمت سے مراد ولایت ائمہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا حَسْبُوهٗ شَرَّ الْكُفْرِ

تحقیق جو لوگ لائے رہتے ہیں ایک ٹولہ ہے تم میں سے نہ خیال کرو اس کو برا

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ

اپنے لئے بلکہ وہ اچھا ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصہ ہوگا جو کمایا اس نے گناہ سے

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا

اور وہ جس نے بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس کے لئے بڑا عذاب ہوگا کیوں نہیں کہ

رکوع نمبر ۸ قصہ افک میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس کا محض یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک مقام پر قیام ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حاجت کے لئے قافلہ سے دوڑ نکلی گئیں اور ان کا بارگم ہو گیا۔ تو پھر واپس اس کے ڈھونڈنے چلی گئیں۔ اتنے میں قافلہ نے کوچ کیا اور عائشہ کے خالی کجاوہ کو اونٹ پر لاد کر روانہ ہوئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ عائشہ اس میں سوار ہے۔ بعد میں صفوان نامی ایک شخص جو رات کو کہیں پہنچے رہ گیا تھا صبح سویرے اس مقام پر پہنچا تو عائشہ کو تنہا پایا۔ پس اس کو اونٹ پر سوار کر کے تیزی سے سفر کیا اور قافلہ کو پایا جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ پس لوگوں کی بدگمانیاں کا دروازہ کھل گیا اور افزا پردازی میں جتنے منہ اتنی باتیں ظاہر ہوئیں۔ حضور کی طبیعت پر بھی اثر پڑا۔ پس یہ آئینیں نازل ہوئیں اور افزا پردازی میں سب سے بڑا پارٹ ادا کرنے والا عبد اللہ بن ابی سلول تھا جو اس بات کو ہوا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ صفوان اور عائشہ نے جو اکیلے رات گزاری ہے۔ بس دال ہیں کالا کا لا ضرور ہے اور وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ کا مصداق یہی شخص ہے۔

اور تفاسیر امامیہ میں ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ ام المومنین کے ہاں جب ابراہیم فرزند رسول صہ پیدا ہوا۔ تو دوسری ازواج رسول کو حسد پیدا ہوا اور عائشہ و حفصہ اس میں پیش پیش تھیں۔ پس یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم جناب رسالت کا بیٹا ہے۔ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات اپنے غلام جرجح کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ بچہ اسی کا ہے۔ حضور کو اس بات کا کافی قلق ہوا پس آپ نے حضرت علی کو ڈیوالفقار سے جرجح کا کام تمام کرنے کا فرمان دیا اور جلد بازی سے منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی جب حجۃ ماریہ میں پہنچے تو دیکھا کہ جرجح اور ماریہ ایک جگہ موجود ہیں اور جرجح ماریہ کو سلطانی آداب کا درس دے رہا ہے اور پیغمبر کی تعظیم و تکریم کی تلقین کر رہا ہے۔ تلوار برہنہ دیکھ کر جرجح کے دل میں خوف طاری ہوا۔ پس وہ بھاگ کھڑا ہوا اور کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ہوا کے جھونکے سے اس کا لباس سنبھلا نہ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک نامرد غلام ہے (نہ وہ مرد ہے نہ عورت)



إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۗ

جب تم نے یہ بات سنی تو گمان کرتے ہوئے مرد اور عورتیں اپنے نفسوں پر اچھائی کا

وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ

اور کہتے کہ یہ صاف بہتان ہے کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ

شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ

پس جب گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک بھڑے

الْكٰذِبُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

ہیں اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت دنیا و

وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾

آخرت میں تو پکڑ لیتا تم کو بوجہ اس کے جس بات میں تم گھے تھے بڑا عذاب

إِذْ تَلْقَوْنَهُ بِالْسِّنِّتِمْ وَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

جب زبان و زبانی ایک دوسرے سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم کو کوئی علم

پس حضرت علی اس کو خدمت رسالت میں لائے۔ اور سارا ماجرا بیان کیا اور یہ آیتیں ماریہ کی پاک دامنی کی ترجمانی کے لئے

اُتْرئیں۔ یہ روایت تفسیر برہان و صافی میں مفضلاً امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہما السلام سے مختلف سندوں سے منقول

ہے۔ نیز بروایت ابن ابیہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور امام رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

بِأَنْفُسِهِمْ۔ یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے ان پر اچھا گمان کیوں نہ کیا جو ان کے لئے اپنے نفسوں کی طرح تھے کیونکہ

سب مومن ایک دوسرے کے ساتھ نفس و احد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حکم ہے کہ دوسرے مومن کے لئے وہی پسند کرو جو

اپنے لئے پسند کرتے ہو اور کیوں نہ اس کو انک اور بہتان قرار دیا ہے پھر کیوں نہ چار گواہ پیش کئے۔ یہ سب تنبیہات ہیں کہ مومن

کو ایسی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ خصوصاً ائمہ المؤمنین کے حق میں زبان کشائی قطعاً مومن کو نہیں دیتی اور جب عام

مومنوں پر جس ظن کا حکم ہے۔ تو اپنی ماں پر بدگمان ہونا کہاں کی شرافت ہے؟

إِذْ تَلْقَوْنَهُ۔ یعنی سنی سنائی باتوں کو باور کر لیتے تھے اور پھر آگے پھیلانا شروع کر دیتے تھے جو قطعاً خلاف عقل

و دیانت ہوئے علماء بعد از شرافت بگھے۔ تَلْقَوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ کا معنی ہے اپنے مومنوں سے دوسروں تک پہنچانا اور تَلْقَوْنَ

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

نہ تھا اور تم اس کو خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک غیر معمولی ہے اور کیوں نہیں جب تم نے اس کو

قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَكَلِّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ

سناتے کہتے کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ایسی باتیں کریں تو پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان

عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ

ہے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم ہو

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حِكْمٌ ﴿۱۸﴾

مومن اور بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور وہ خدائے علیم و حکیم ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ

تحقیق جو لوگ چاہتے ہیں کہ پچھلے برسی بات ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

وردناک عذاب ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ جانتا ہے حالانکہ تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

جانتے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ

بِالسِّنِّتِ كَلِمَةً كَمَا مَعْنَى هِيَ أَيْ دُورِ سَمْعٍ سَمْعٍ زَبَانٍ وَزَبَانِيَّاتٍ قَبُولُ كَرَامًا

وَلَوْلَا مَقْصِدٌ يَرِيءُ كَيْسَبُ كَوْنِي شَخْصٍ كَسِي مَوْمِنٍ كَيْ مَتَعَلَقِي كَوْنِي أَيْسِي بَاتِ كَرِيءُ جَسِبِ مِاسِ كَيْ كَرْدَارِ پَرِجَلِءِ هُوَ تَوَ  
تَام مَوْمِنُونَ پَرِوَا جِبِ هَيْ أَيْسِي بَاتِ مَت سِنِي اَدْرِ بِيَانِ كَرِنِيءُ وَا لِيءُ كَو فَوْرِ اَلْوَ كِ دِي جِبِ تَكِ اَسِ كَيْ پَاسِ كَوَا هِ عَادِلِ مَوْجُو دِ  
نَهِيءُ وِرِنَا فَرَا كَا كِنَا هُوَا كَا

سُبْحَانَكَ - اس مقام پر تشریح پروردگار کا کلمہ اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَسِي كِي أَيْسِي بَرَانِي بِيَانِ كَرِنَا جَوَا سِ مِاسِ هُوَا سِ كَو عِنْبِتِ كَيْتِيءُ هِي اَدْرِ كَسِي كِي اَيْكِ اَيْسِي بَرَانِي  
عِنْبِتِ اَدْرِ بَهْتَانِ مِاسِ فَرِقِ بِيَانِ كَرِنَا جَوَا سِ مِاسِ نَهِيءُ اَدْرِ بَهْتَانِ كَيْتِيءُ هِي اَدْرِ بِيءُ دَوْنُو كِنَا بَانِ كَبِيرِءِ مِاسِ دَاخِلِ هِي جِبِ اَنَسَانِ

رُووفٌ رَحِيمٌ ﴿۴۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط

دراگزر کر تیرا لاجیم ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ اتباع کرو شیطان کے نقش قدم کی

وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا

اور جو اتباع کرے گا نقش قدم شیطان کی تو وہ تو حرم دیتا ہے بدکاری اور برائی کا اور اگر نہ ہوتا

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ

اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن اللہ

کسی دوسرے کو ایک گناہ کرتا ہوا دیکھے اور گواہ نہ موجود ہوں پھر اس کو آگے بیان کرے تو شرعاً اس کو بھی اقرار اور بہتان سمجھا جائے گا اور حاکم شرع کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں اس پر جاری ہوگی۔ خداوند کریم مومنوں کو لوگوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع فرماتا ہے۔ پس مومن کا حق یہ ہے کہ اس کی برائی بیان نہ کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دغا خیر کرے اور دوسروں کی غلطی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور اپنی اسی قسم کی یا اس سے سنگین غلطیوں کی اللہ سے معافی طلب کرے امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی برائی بیان کرے وہ اسی آیت کا مصداق ہے۔ ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! بعض اوقات میرے پاس مومن کا شکوہ پہنچتا ہے جو مجھے ناگوار ہوتا ہے جب اس سے اس کا ذکر کرتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو بری الذمہ بتاتا ہے حالانکہ جن لوگوں نے مجھے بتایا تھا وہ بھی جھوٹ بولنے والے نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا مومن بھائی کے متعلق اپنی آنکھوں اور کانوں کو بھی جھوٹا سمجھو۔ اگر پچاس آدمی اس کا عیب بیان کریں اور وہ اپنی صفائی پیش کرے تو ان سب کو جھوٹا سمجھو اور اس کی بات مان لو اور اس کی کسی غلطی کو اچھالنے کے درپے نہ ہو۔ اور اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اس کی عزت و شان میں فرق پڑتا ہو ورنہ اسی آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت علی کی کتاب میں ہے ایک دن جناب رسالت مآب نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کبھی کسی مومن نے دنیا و آخرت کی بھلائی نہیں پائی مگر اللہ پر حسن ظن رکھنے سے اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ توبہ و استغفار کے بعد اللہ کسی مومن کو گرفتار عذاب نہیں کرتا۔ مگر اس صورت میں کہ اللہ پر وہ بدظن ہو جائے اور مومنوں کی غیبت کا مرتکب ہو جائے۔ (برہان نقلاً عن کتب الشیعہ)

## رکوع ۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آيت مجیدہ میں شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے اور قرآن کا سیاق بتاتا ہے کہ مومن کی بربائی بیان کرنا اور سننا اور اس کو اچھا نہ سمجھنا شیطان کی اتباع ہے پس مومن کا مومن پر حق ہے کہ جب ایک کا گلہ دوسرے کے سامنے ہو تو وہ بیان کرنے والے کو ٹوک دے ورنہ اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہو اور یہ ہے مومن بھائی کی غیبی امداد۔ چنانچہ نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مالک اشتر کا گذر بازار کوفہ سے ہوا تو دیکھا کہ ایک دوکان میں اس کا گلہ جاری ہے پس اس جانب سے کھڑا شکلا اور ان سنی کر کے آگے بڑھ گئے۔ اتنے میں گلہ کرنے والے سے کسی نے کہہ دیا کہ مالک اشتر یہی تھے جو ابھی کپڑے کا دامن منہ کے آگے لٹکا کر گذر گئے وہ شخص فوراً شرمندگی محسوس کر کے معافی طلب کرنے کے لئے پیچھے دوڑا۔ حضرت مالک اشتر ایک مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو اس شخص نے معافی مانگ لی۔ پس مالک اشتر نے جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہی مسجد میں آیا ہوں اور یہ دور کعت نماز بھی تیری بخشش کے لئے پڑھی ہے اور تیری بخشش کے لئے ہی خدا سے دعا کا طالب ہوں یہ کروا تھا علی کے شیعوں کا جن کے نقش قدم پر چلنا ہمارے لئے باعثِ صداقت ہے۔

لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ - اس گلہ کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے لیکن آیت نمبر ۲۰ میں مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہو تو تم جو نہیں کسی مومن بھائی کی غیبت اور شکوہ میں مصروف ہوتے ہرگز اس کی بربائی کو اچھالتے ہو تو تمہیں فوراً گرفتار عذاب کر لیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے فضل سے تم کو توبہ و استغفار کا موقع دیا ہے۔ پس وہ فوری عذاب نہیں بھیجتا اور آیت نمبر ۲۱ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے تمہارے عیوب پر پردہ ڈالے ہوئے ہے ورنہ اگر وہ پردہ اٹھا دے تو تم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کا دامن و اعتماد نہ ہو۔ پس اس کی پردہ پوشی ہی تمہاری پاکیزگی کی ضامن ہے۔ نیز اس کا یہ بھی فضل ہے کہ تم جب ایک دوسرے کی پردہ دری کرتے ہو اور پھر معافی مانگ لیتے ہو تو اللہ اس کو قبول کرتا ہے اور تمہیں پاکبازی کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اللہ کا یہ فضل عمیم اور احسان جسیم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا پس ایک دوسرے سے اعتماد ختم ہو جاتا اور انسانی تمدنی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہ سکتی۔ پس حسن ظن ہی کے نتیجے میں اور اللہ کی پردہ پوشی کے ہی طفیل سے دنیا والوں کی ساکھ قائم ہے اور نظام تمدنی کو بقا حاصل ہے۔

وَلَا يَأْتِكُمْ - تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق وارد ہے کہ مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر کا خالہ زاد بھائی مہاجر اور بدری بھی تھا بوجہ تنگ دستی اور افلاس کے حضرت ابوبکر اس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے جب حضرت عائشہ پر الزام و اتہام کے قصے کو سنا دی گئی تو یہ شخص بھی انہیں میں سے ہو گیا۔ پس حضرت ابوبکر نے اس سے قطع تعلقی کر لی اور قسم کھالی کہ آئندہ اس کی کسی قسم کی مدد نہ کروں گا۔ اسی طرح بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی روایات وارد ہیں۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو درگذر کی تلقین کی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ - بعض لوگ عوام شیعہ کے سامنے یہ آیتیں پیش کر کے حضرت عائشہ کی فضیلت کے گن گاتے ہیں اور شیعہ عوام کو کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شیعہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ کی پاک دامن اور عصمت میں شک کرتا ہو بلکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے انبیاء و اوصیاء کی بیویاں اگرچہ کافر ہوں پاک دامن اور پاکباز ضرور ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح ؑ اور حضرت لوط ؑ کی بیویوں کو

يُرَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاتِلْ أُولُو الْفَضْلِ

پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سنتے جاننے والا ہے اور نہ کوتاہی کریں صاحبان فضل و وسعت

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُوتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ

تم میں سے کہ دیں قریبیوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا يُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ

راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو اور معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بخش دے تم کو

لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ

اور اللہ غفور رحیم ہے تحقیق جو لوگ بہتان لگاتے ہیں پاک دامن

الْعُقَلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عفت پسند اور ایماندار عورتوں پر ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے بڑا

عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَ

عذاب ہوگا جس دن گواہی دیں گی ان کے خلات ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور

أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَذِيُوفِيهِمُ اللَّهُ

ان کے پاؤں ان کاموں کی جو کرتے تھے اس دن پوری دے گا خدا ان کو

قرآن نے کافروں کے ذمہ میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب کی رو سے ان کا کردار ملوث نہ تھا۔ بنا بریں شیعہ مذہب حضرت عائشہ کو انک کے قصہ میں بری الذمہ سمجھتا ہے۔ البتہ شیعوں کو حضرت عائشہ سے یہ اختلاف ہے کہ اس نے حضرت علی پر خروج کر کے اور وصیت پیغمبر کو پس پشت ڈال کر ایمان کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا۔ پس وہ ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکی۔

يَوْمَ تَشْهَدُ یعنی بروز قیامت جب گنہگار انسان اپنے کرتوتوں کا انکار کریں گے تو ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پس محشر کے بھرے میدان میں شرمندہ ہو کر جہنم جائیں گے۔ اور اعضاء کی گواہی کی نوعیت کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

ذِيئِنْفَمَا الْحَقُّ۔ اس مقام پر دین کا معنی ہے بدلہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین کا معنی مذہب ہو اور جزا مضاف محذوف ہو یعنی اللہ ان کو اپنے دین کی جرائے صیح دیگا۔

وَدِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۱۵﴾ الْحَيْثُ

جزا صحیح اور جان لیں گے تحقیق اللہ ہی حق مبین ہے خبیث

لِلْحَيْثِيْنَ وَالْحَيْثُوْنَ لِلْحَيْثِ وَالطَّيِّبِ لِلطَّيِّبِ

عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبِ أُولَئِكَ مَبْرُؤُنَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں وہ بری ہیں ان داتہامات سے جو کہتے ہیں

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

دروگ، ان کے لئے بخشش اور رزق باکرامت ہے اسے وہ لوگ جو ایمان لائے ہونے اندر جاؤ گھروں کے اپنے گھروں

الْحَيْثُ آیت مجیدہ کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ زانی مرد کو مومنہ عقیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ بدکار یا مشرک عورتوں سے شادی کر لیا کریں۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو مومن پاکباز مردوں کے جلالہ عقد میں نہیں جانا چاہیے بلکہ وہ زانیوں اور مشرکوں کے لئے ہی موزوں و مناسب ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں چند مرد عورتیں اعلانہ بدکار و زانی تھے۔ پس مومنوں کو تنزیہاً ان کے رشتہ ناطہ سے منع کیا گیا۔ پس اس مقام پر دوبارہ اسی حکم کا اعادہ فرمایا ہے کہ خبیث عورتوں کو خبیث مردوں کے لئے رہنے دیا جائے۔ اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مناسب ہیں اسی طرح پاکدامن عورتیں پاکباز مردوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے موزوں ہیں اور یہ لوگ عامۃ الناس کی بدگمانیوں اور اتہامات سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔ (۲) بری باتیں بڑے مردوں کے لئے زیبا ہیں اور بڑے مرد بڑی باتوں کے لئے موزوں ہیں اور اچھی باتیں اچھے مردوں کو نزیب دیتی ہیں۔ اور اچھے مرد اچھی باتوں کو اپنا یا کہتے ہیں (۳) بدکرداری بطینت مردوں کے لئے ہے اور بطینت مرد بدکرداری کچھتے ہیں اور اچھے اعمال نیک طینت مردوں کے لئے اور نیک طینت مرد اچھے اعمال کے لئے ہیں پہلا قول صادقین علیہا السلام سے مروی ہے۔ (عن الجمع)

رُكُوعًا غَيْرَ كَغَيْرِهَا خَلْفَ مَا نَعَتُ حَتَّى تَكُنْ لِسْوَاعًا لِلْأَعْيُنِ وَأَنْتَ كَالْهَمَزِ فِي لُكُوعٍ اس مقام پر استیناس استیذان کے معنی میں ہے یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا مطلوب ہو تو بلا اطلاع اور بلا اجازت اندر نہ جاؤ خواہ کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کسی اجنبی کا گھر ہو پس مومن کو چاہئے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر یا تو اندر آنے کے لئے صراحتاً آواز کر کے پوچھ لے یا کوئی کام ایسا کرے جس سے اذن طلبی سمجھی جاتی ہو۔ مثلاً کھانسی لے یا جوتے کو

بِوَتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے سوا یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ) اچھا ہے تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۶﴾ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا

لے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اگر نہ پاؤ اس میں کوئی آدمی تو نہ اندر جاؤ اس کے

حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى

یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم کو کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) بہتر ہے

لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

تمہارے لئے اور اللہ جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ اندر جاؤ ایسے گھروں کے

تَدْخُلُوا بِيوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

جو رہائشی نہ ہوں کہ ان میں تمہارا فائدہ ہو اور اللہ جانتا ہے

مَا تَبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہ دو مومنوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام ہے)

زور زور سے زمین پر مارے یا تسبیح و تحمید کی آواز زبان سے بلند کرے تاکہ صاحب خانہ سمجھ جائے کہ کوئی اندر آنا چاہتا ہے پس وہ سنبھل جائے۔ ارشاد ہے۔ إِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا ﴿۱۸﴾۔ رکوع نمبر ۱۱ یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی دوسرے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں۔ اس آیت میں استیذان کا لفظ ہے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا ماں کے پاس بھی جانے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ اس کا میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔ تو کیا ہر دفعہ میں اذن حاصل کر کے اندر جاؤں؟ آپ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے جسم پر نگاہ کرے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اجازت لے کر جایا کرو۔

مسئلہ۔ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بیٹے کو باپ کے ہاں جانے کیلئے اجازت کی ضرورت ہے لیکن باپ کو بیٹے کے گھر جانے کیلئے اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی یا بہن شادی شدہ ہوں تو ان کے گھر

میں جانے کے لئے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

وَتَسَلَّمُوا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو پہلے سلام دو پھر اجازت لے کر اندر جاؤ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تسلیم کا عطف استیساں پر عطف بیان ہے۔ یعنی اذن حاصل کرو۔ بایں طور کہ پہلے سلام کہو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک شخص دروازہ پیغمبر پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت لینے کی غرض سے لکھا تھا۔ پس آپ نے ایک عورت روضہ نامی کو فرمایا کہ دروازہ پر جاؤ اور اس کو یہ بات سکھاؤ کہ پہلے السلام علیکم کہے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرے۔ چنانچہ اس نے باہر یہ بات سن لی اور اس پر عمل کیا تو آپ نے اجازت دیدی۔

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي الدَّيْرِ فَاعْبُدُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنْهَا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْكُمْ فَادْعُوا إِلَىٰ عَقْلٍ وَجْهٍ إِلَىٰ اللَّهِ ۚ وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۚ وَلَئِنْ لَمْ يَأْتِ بِدَلِيلٍ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَقْلِيُّ مِنَ السَّامِعِينَ ۚ

غیر مسکونہ۔ یعنی غیر آباد اور غیر ہائشی مکانات میں جانا ممنوع نہیں ہے اور اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

۱۔ ہمان خانے۔ مسافر خانے ہوٹل اور حمام وغیرہ اس سے مراد ہیں۔ پس ضرورت کے تحت ان میں جایا جاسکتا ہے۔

۲۔ اس سے مراد خرابے اور اجازت مقامات ہیں جہاں قضائے حاجات کے لئے انسان جاسکتا ہے۔

۳۔ تجارتی منڈیاں اور مال گودام وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ جن میں لوگوں کے سامان جمع ہوتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنی غرض سے وہاں جاسکتا ہے۔

۴۔ دور ان سفر میں مسافروں کی قیام گاہیں مراد ہیں اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ایک معنی مراد لیا جائے۔ جس میں یہ

سب چیزیں آجائیں تو بہتر ہے۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ۔ یہ تشبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو ظاہر اوصاف نیت سے کسی گھر میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کی نیت میں بُرائی ہوتی ہے۔ پس وہ گھروں میں لوگوں کی عیب جوئی کے لئے جاتے ہیں۔ پس فرمایا کہ میں ظاہر و باطن سب کو جانتا

ہوں اور ان آیات مجیدہ میں معاشرۃ انسانیہ کی بہتری و عمدگی کے لئے جو درس دیا گیا ہے۔ اگر انسان صحیح طور پر اس

کا عامل ہو جائے تو یقیناً معاشرے کی اکثر و بیشتر خرابیاں دُھو سکتی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَافِرُونَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے تمام مومنین کو ہر اسی چیز سے نظر کو بند رکھنے کا حکم

پروردہ کا حکم

دیا ہے جس کا دیکھنا حرام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں

حفظ فرج کا حکم ہوا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن اس مقام پر حفظ فرج سے مراد پردہ ہے۔ یعنی اپنی آنکھوں

کو دوسروں کی شرمگاہوں کے دیکھنے سے بچاؤ اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے بچاؤ اور یہی حضرت امام جعفر

صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا مرد کے لئے مرد کی شرمگاہ دیکھنا بھی حرام ہے اور عورت کے لئے عورت

کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی حرام ہے۔



أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) یہ بہتر ہے ان کے لئے تحقیق اللہ جانتا

خَيْرٌ مِّمَّا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ لِعَضُّنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ

ہے جو وہ کرتے ہیں اور کہہ دو مومن عورتوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے)

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) اور نہ ظاہر کریں اپنے (مقام) زینت مگر جو ظاہر ہوں ان میں سے اور

لِيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا

ڈال لیں اپنی اڑھینیاں اوپر اپنے سینوں کے اوپر اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر

لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَائِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ

اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ لِعَضُّنَ لِحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ

شرمگاہ کی حفاظت کریں تاکہ غیر کی نظر اس پر نہ پڑے خواہ عورت ہو یا مرد۔  
وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ۔ عورت کو اپنی زینت کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور زینت سے مراد مقام زینت ہے۔

یعنی ہر نامحرم سے اپنے مقامات زینت کو پوشیدہ رکھیں۔ سوائے ان مقامات کے جو کام کاج کے وقت بالعموم کھلے

رہتے ہیں اور اس میں منسٹرین کے متعدد اقوال ہیں (۱) لباس غنچال کنگن اور جھکے مراد ہیں (۲) آنکھوں کا سرمہ انگوٹھی۔

رخسارے اور ہتھیلیوں کا خضاب مراد ہے (۳) آنکھوں کا سرمہ کنگن اور انگوٹھی مراد ہے (۴) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد

ہیں۔ بہر کیف علمائے امامیہ کے نزدیک عورت پر پردہ اس طرح واجب ہے کہ اپنے تمام اعضاء حتمی کہ بال بھی تمام نامحرموں

سے پوشیدہ رکھے اور عورت کے وہ اعضاء جو بالعموم کام کاج کے لئے اور گھریلو ضرورتوں یا معاشی مجبوریوں کے لئے

کھلے رہتے ہیں۔ نامحرم لوگوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف نظر نہ اٹھائے۔ چنانچہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ پس اتفافی نظر

پڑجانا گناہ نہیں لیکن عمد اشہوت سے بار بار دیکھنا گناہ ہے۔  
وَلِيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ۔ عورت کے لباس میں ضروری ہے کہ قدم ٹخنوں تک ڈھکے ہوئے ہوں اور ہاتھ پہنچوں

تک پوشیدہ ہوں اور اس کے بال مقنع سے چھپے ہوں پھر اپنی اڑھنیوں کے زائد حصہ سے اپنے سینہ اور چھاتیوں کو

بَعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ

یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا بھائیوں کی اولاد کے لئے یا بہنوں کی اولاد کے لئے

أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَمْلُوكَاتٍ أَيْمَانِهِنَّ أَوِ التَّبَعِيْنَ غَيْرِ أَوْلِي

یا اپنی (مومن) عورتوں کے لئے یا اپنی کنیزوں کے لئے یا ان خدمت گاروں کے لئے جو نہ خواہش رکھتے ہوں

الرَّبِیَّةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الذِّیْنَ لَمْ یُظْهَرُوا عَلٰی

مردوں میں سے یا وہ بچے جو نہ مطلع ہوں عورتوں کی شرکاءوں پر اور

عَوْرَتِ النِّسَاءِ وَلَا یُضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِعُلْمِ مَا یُخْفَيْنَ مِنَ

تہ قدم (زمین پر) زور سے ماریں تاکہ پتہ چلے اس کا جو مخفی ہے ان کی

ڈھانپ لیں کہ دیکھنے سے کوئی حصہ نمایاں معلوم نہ ہو اور گھر سے نکلیں تو نظر نہ چلی ہو۔ اور وقار سے چلیں اور یہی پردہ کا صحیح مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں جن لوگوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب نہیں ہے۔ وہ یہ ہیں: (۱) شوہر (۲) شوہر کا باپ (۳) بیٹے (۴) شوہر کے بیٹے (۵) باپ (۶) بھائی (۷) بھائی کی اولاد (۸) بہنوں کی اولاد (۹) مومن عورتیں (۱۰) کنیزیں (۱۱) وہ خدمت گار جن میں مردوں کی خواہش نہ رہی ہو۔ مثلاً احمق یا بوڑھا (۱۲) کم سن بچے۔ آیت مجیدہ میں مومن عورتوں کا مومنہ عورتوں اور کنیزوں سے پردہ نہیں ہے گویا کافروں۔ مشرکوں۔ یہودیوں۔ نصرائیوں اور مجوسیوں کی عورتوں سے بھی ان کو پردہ کرنا چاہئے تاکہ وہ گھروں میں جا کر اپنے مردوں کے سامنے ان کا حلیہ و صورت بیان نہ کریں۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ محرم مرد عورت پر کس حد تک نظر کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محرم مرد کے لئے عورت کا چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اہل تہامہ کی عورتیں۔ بدوی عورتیں۔ دیہاتی عورتیں اور کافر عورتیں چونکہ روکنے سے رکھتی نہیں ہیں۔ لہذا ان کی طرف نظر کرنا گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح دیوانی اور پاگل عورتوں کی طرف نظر کی جاسکتی ہے اور ان کے بال اور جسم کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتنا فی ہوا عدا نہ ہو۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضور نے فرمایا کہ عورتوں کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ لہذا ان کے بال اور ہاتھوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ جس عورت سے شادی کرنے کا خیال ہو تو کیا اس کو غور سے دیکھنا جائز ہے آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری روایت میں ہے اس کا چہرہ اور کلائیوں دیکھنا جائز ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ اس کے بال اور مقامات جن کو بھی دیکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ بری نظر سے نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زرخیز غلام اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف نظر کر سکتا ہے۔  
 امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کا ملازم ہے جو خسی ہے کیا وہ گھر میں خدمت کرتے ہوئے  
 عورتوں کے بالوں کی طرف دیکھ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں  
 علیٰ جیو بیہن۔ جیو جمع ہے جب کی۔ اور یہاں سینہ مراد ہے یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی اڑھنیوں کے ٹانڈ حصہ کو  
 سینہ پر ڈال دیں۔ تاکہ ناگوش نہ ہو سکے۔ اس کی مزید تشریح ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ ہو۔  
 اُولِی الْأَرْبَابِ۔ اَرْبَ یَارْبٌ سے فِعْلًا کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے خواہش۔

تنبیہ۔ ہمارے ہاں جو پردہ رائج ہے اس میں شرعی پابندیوں کا بہت کم لحاظ رکھا جاتا ہے مثلاً بعض خاندانوں میں  
 پردہ صرف ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اس خاندان کے افراد نہ ہوں۔ اور یہ رواج اکثر سادات خاندانوں میں پایا جاتا ہے بعض  
 خاندانوں میں پنج قوموں کے افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا اور وہ خدمت گداری یا دیگر ضروری امور کے لئے آزادانہ طور پر گھروں  
 میں آتے جاتے ہیں۔ یہ رواج بڑے بڑے گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں میں پردہ کا رواج اس طرح ہے کہ نہالی  
 اور دوہال سے پردہ نہیں ہوتا۔ باقی ہر ایک سے پردہ ہوتا ہے۔ آیت مجیدہ میں صاف و صریح الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ ہر محرم  
 سے پردہ واجب ہے اور جن جن لوگوں کو محرم بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ اور پردہ کی صورت یہ ہے کہ عورت  
 اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھے اور گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنی نظر کو نیچا رکھے تاکہ غیر محرم سے آنکھیں دوچار نہ ہوں۔ خواہ  
 رسمی برقعہ سر پر ہو یا نہ ہو۔ سر کی اڑھنی برقعہ کا کام بخوبی دے سکتی ہے جس طرح ایرانی عورتوں میں رواج ہے۔ اور مردوں پر بھی  
 واجب ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ البتہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اور طبیب و  
 ڈاکٹر کے لئے بیمار عورت کی طرف تشخیص مرض و علاج کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ پس باریک لباس پہن کر عورتوں کا گھروں  
 سے نکلنا یا نیم برہنہ لباس میں ملبوس ہو کر سڑکوں بازاروں اور کوچوں گلیوں میں پھرنا آوارگی ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ خدا  
 مومن عورتوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

الْأَيَّامِ۔ یہ ایم کی جمع ہے اصل میں ایام تھا۔ خلاف قیاس اس کو قلب کر کے ایامی بنا یا گیا  
**شادی کرنے کا حکم** ہے اور اس کا معنی ہے غیر شادی شدہ۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور کنوارہ ہو یا رانڈہ اور آنکھو کا امر  
 بتلاتا ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی شادی کرنا یا کرنا مستحب کام ہے۔ نکاح کا معنی ہے خود شادی کرنا اور نکاح کا معنی  
 ہے کسی دوسرے کی شادی کرنا اور منکم کی ضمیر مخاطب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آزاد مرد و عورت جو تم میں سے ہوں۔ ان  
 کی شادی کرنا۔ اور اس کے بعد دوسرا حکم ہے کہ غلام و کینیز جو نیک اور مومن ہوں۔ ان کی بھی شادی کرنا اللہ کو  
 محبوب ہے۔

اِنَّ يَكُونُوا۟ ۙ۔ یہ آزاد لوگوں کی شادی سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ فقیر و نادار ہوں گے تو خدا ان کو غنی کر دے گا۔

زَنِيْتِهِنَّ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾

زینت سے اور توبہ کرو اللہ کی طرف سب سے ایمان والو! تاکہ بچھٹکارا پاؤ

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِنَّ

اور نکاح کرو اپنے غیشرادی شدہ افراد کا اور نیک غلاموں اور کینزوں کا اگر

يَكُونُوا أَفْقَرًا يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾

نادار ہوں گے تو ان کو غنی کر دے گا خدا اپنے فضل سے اور خدا وسیع قدرت و علم والا ہے

وَلَيْسَتَّعْفِيفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور پاکدامن رہنا چاہیے ان کو جو نہیں کر سکتے نکاح (بوجہ ناداری کے) یہاں تک کہ خدا ان کو غنی کر دے اپنے فضل سے

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ

اور جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا تمہارے غلاموں میں سے تو ان کو مکاتب بناؤ اگر جانتے ہو

فِيهِمْ خَيْرًا وَأَتَوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تَكْرِهُوا

ان میں خوبی اور وہ ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا اور نہ مجبور کرو اپنی

فَتَيْتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ مُحَصَّنَاتٍ يَتَّبِعُوا عَرْضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

لوٹریوں کو برائی پر اگر وہ چاہیں پاکدامنی تاکہ حاصل کرو فائدہ دنیوی زندگی کا

غلاموں اور کینزوں سے اس کا اس لئے تعلق نہیں کہ ان کا تعلق مالکوں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

جناب رسالت مآب سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ جو شخص میری فطرت کو دوست رکھتا ہو۔ اس کو چاہیے کہ میری سنت پر عامل ہو اور میری سنت ہے نکاح۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اے نوجوانو! اگر تم میں طاقت ہے تو ضرور شادی کرو۔ کیونکہ شادی کرنے سے آنکھ میں حیا رہتی ہے اور شرمگاہ میں عفت رہتی ہے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھتا رہے تاکہ حرام کار نہ بن سکے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔ شَرُّكُمْ عُنَّا بَكُمْ۔ یعنی تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو شادی نہ کریں آپ نے فرمایا جس کا لڑکا جو ان ہو جائے اور اس کی شادی کر سکے کے باوجود نہ کرے۔ پس لڑکے سے غلطی سرزد ہو جائے تو گناہ میں دو نوباب و بیٹا شریک ہوں گے۔ آپ سے مروی ہے کہ خدا نے عرش کے اوپر چار قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی

وَمَنْ يَكْرِهُهُنَّ فَإِنَّ لِلَّهِ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ عَفْوَ رَحِيمٍ ۝ (۳۳) وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا

اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس مجبوری کے بعد عفو رحیم ہے اور تحقیق ہم نے انہیں

إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا لِمَنْ خَلَا مِنْ الدِّينِ ۝ (۳۴) وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۳۵)

تم پر نشانیاں واضح اور خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے اور نصیحت متقی لوگوں کے لئے

اور فرشتوں نے آئین لپی ہے۔ (۱) وہ شخص جو کنوارہ رہنا پسند کرے اور شادی نہ کرے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو (۲) وہ مرد جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے حالانکہ خدا نے اس کو مرد پیدا کیا ہے (۳) وہ عورت جو مردوں سے مشابہت پیدا کرے حالانکہ خدا نے اس کو عورت بنایا ہے (۴) لوگوں کو پھسلانے والا جو ان سے مسخری کرے۔ مثلاً کسی مسکین سے کہے ادھر آؤ کہ میں تم کو کچھ دوں پھر اس کو خالی پٹا دے یا کسی اندھے سے کہے خیال کرو آگے گھوڑا کھڑا ہے حالانکہ آگے کچھ نہ ہو یا کوئی آدمی کسی کے گھر کا راستہ پوچھے اور وہ اس کو الٹی طرف کا راستہ بتا دے وغیرہ۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا جو شخص ناداری کے خوف سے شادی نہ کرے۔ گویا اس نے اللہ پر بدگمانی کی۔ کیوں کہ خدا فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم نادار ہو گے تو میں تم کو غنی کر دوں گا۔ چنانچہ مروی ہے ایک شخص نے حضور کی بارگاہ میں اپنے فقر و فاقہ کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے شادی کر لی۔ اور اللہ نے اس کو رزق وسیع عطا فرمادیا۔

تفسیر برہان میں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی نے اپنی غربت کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ پہلے سے بھی زیادہ نادار ہو گیا۔ پھر اس نے آ کر شکوہ پیش کیا تو آپ نے طلاق کا حکم دیا۔ پس اس نے طلاق دے دی۔ پھر جو آپ نے اس سے احوال پرسی کی تو اس نے عرض کی کہ میں خوش حال ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ہر دو دفعہ تجھے اللہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا تھا۔ خدا غیر شادی شدہ لوگوں کو فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم غریب و نادار ہو گے تو میں تم کو غنی کر دوں گا۔ پس میں نے تجھے پہلی دفعہ ہی حکم دیا اور دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وَإِن مِّن مَّقَامٍ فَآيَةٌ يُعِيْنُ اللّٰهُ كُلَّ اُمَّةٍ مِّن مَّحْتَبِهٖ۔ یعنی میں ہر قوم کو ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو خدا ہر قوم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ لہذا دوسری دفعہ میں نے تجھے اس آیت کے ماتحت طلاق کا حکم دیا۔

انکحوا۔ کے امر سے یہ بات باسکی واضح و عیاں ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی ہو اور دوسرا مومن شادی کی ضرورت رکھتا ہو اور اس کے اخراجات بھی ادا کر سکتا ہو۔ پس خواستگاری کرے تو اس کو رد نہ کیا جائے نہ لڑکی اگر کوئی معقول شرعی عذر اس کے پاس موجود ہو تو اس کی خواستگاری کو رد کیا جاسکتا ہے اور جہاں لڑکی والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ خواستگاری کرنے والے مومن کو بلا عذر شرعی رد نہ کریں وہاں غیر شادی شدہ مرد کو بھی تلقین صبر کی گئی ہے کہ اگر وہ شادی کی طاقت نہ رکھتے

ہوں اور اس کے اخراجات کی کفالت نہ کر سکتے ہوں تو لَيْسَتْ تَعْتَفُ یعنی عقیف و پاکہ امن بن کر رہیں۔ حرامکاری کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس اپنے نفس پر قابو پا کر رہیں۔ یہاں تک کہ خدا ان کی مالی حالت کو اچھا کر دے۔ گویا صبر کرنا اور حکم خدا کے ماتحت پاکہ امن رہنا عینا کا پیش خمیہ ہے۔ پس خدا اپنے فضل و کرم سے ایسے نوجوانوں کو رزق حلال فراوانی سے عطا فرمائے گا۔ اور آیت مجیدہ میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ - اس آیت مجیدہ میں غلاموں کی کتابت کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غلام کی قیمت مقرر کر لی جائے اور غلام سے کہا جائے کہ تم اپنی مقررہ قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں مشروط اور مطلق۔

وہ غلام جس کی قیمت ڈال کر یہ شرط لگا دی جائے کہ جب تک پوری قیمت نہ ادا کر دے گا پورے غلام رہے گا۔

مکاتب مشروط

وہ غلام جس کی قیمت مقرر کر کے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اپنی قیمت میں سے وہ جس قدر ادا کرنا جائے گا اسی قدر آزاد ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر اس کی قیمت میں سے ادا کی گئی رہ جائے گی۔ اسی نسبت سے وہ غلام رہ جائے گا۔

مکاتب مطلق

آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ اگر غلام تم سے خواہش کریں مکاتب ہونے کی تو تم سخیل سے کام نہ لو۔ بلکہ خندہ پیشانی سے ان کو مکاتب بنا لو۔ بشرطیکہ ان میں خیر اور بھلائی تم کو معلوم ہو۔ اور تفسیر صافی میں بروایت فقہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ غیر کا معنی یہ ہے کہ وہ کلمہ توحید و نبوت پڑھتا ہو اور تم کمالینے کا فن اور ہنر اس کے ہاتھ میں ہو جس کے ذریعے سے لکار اپنا مقرر شدہ مال کتابت ادا کر سکتا ہو۔ اور کافی کی روایت میں آپ سے منقول ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے غلام کتابت کرنا چاہتا ہے حالانکہ مالک کو پتہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑا یا بہت کچھ مال ہی نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اس کو مکاتب بنا لے خواہ وہ بھیک مانگ کر ہی اپنی قیمت ادا کرے کیونکہ خدا اپنے بعض بندوں کے ذریعے سے دوڑوں کو رزق دیتا ہے۔ اور مومن کی مدد کرنا جائز ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ - غلام کو مکاتب کرنے کے بعد حکم ہے کہ خدا نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس سے غلام کو بھی کچھ دو یعنی مقررہ قیمت سے کمی کر دو۔ چنانچہ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا رقوم وصول کرنے کے لئے جو قسطیں مقرر کی جائیں ان میں کمی کرنی چاہیے نہ کہ زیادتی۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے چھ ہزار میں سے اپنے غلام مکاتب کو ایک ہزار معاف کر دیئے تھے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت مجیدہ تمام مومنین کو مکاتب غلاموں کی آزادی میں امداد کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ یعنی سب مل جل کر اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزادی کا سانس لے سکے۔ اور بعض مفسرین نے زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں جہاں فی الرقاب آیا ہے اس سے مراد مکاتب غلام لئے ہیں

لہذا صدقات واجبہ میں سے ان کی دست گیری کی جاسکتی ہے۔ شریعت مقدسہ کا یہ طریقہ انسانی آزادی کی راہوں کو ہموار کرنے کا بہترین دستور ہے اور خدا برا کرے ان ناپاک اذہان کا جو دور حاضر میں آزاد انسانوں کے لئے غلامانہ ذہنیت کا جال بچھا کر مسلمانوں کے خوشنمائیوں کے ذریعے سے ان کی فطری آزادی کے سلب کرنے کے درپے ہیں۔

ولا تکرہوا۔ علمائے اصولیین میں مفہوم مخالف کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء مفہوم مخالف

مطلقاً اس کی حجیت کے قائل نہیں ہیں۔ بعض مفہوم غایت کے قائل نہیں البتہ مفہوم صفت اور مفہوم شرط کی حجیت کو مانتے ہیں اور اکثر علماء صرف مفہوم شرط کی حجیت کے قائل ہیں اور بعض ہر مفہوم کی حجیت کے قائل ہیں۔ مفہوم غایت جہاں حکم کی حد مقرر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حد کے بعد کا حصہ حکم میں شامل نہیں جس طرح کہا جائے اتھوں کو کہیںوں تک دھویا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کہیںوں سے آگے دھونا وضو میں شامل نہیں۔

مفہوم وصف۔ جہاں حکم ایک صفت سے وابستہ ہو مثلاً کہا جائے مومن مسکین کو صدقہ دیا جائے تو اس کا مفہوم مخالف یہی ہوگا کہ اگر وہ مسکین نہ ہو تو صدقہ اس کو نہ دینا چاہیے۔

مفہوم شرط۔ جہاں حکم ایک شرط پر معلق ہو مثلاً کہا جائے اگر زید ناز پڑھتا ہو تو انعام کا مستحق ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اگر وہ ناز نہیں پڑھتا تو مستحق انعام نہیں اور مفہوم شرط باقی دو مفہوموں سے دلالت میں مضبوط تر ہے۔

جو لوگ مفہوم کی حجیت کے قائل نہیں ہیں وہ مفہوم شرط پر اسی آیت سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقام پر حکم شرط ہے حالانکہ مفہوم شرط یقیناً ممنوع ہے (ترجمہ اپنی کینیزوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں) اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ

اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ رکھتی ہوں تو ان کو زنا پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ کسی کو زنا کے لئے مجبور کرنا ہر حالت میں ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ مفہوم شرط حجت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم شرط اس وقت حجت ہوتا ہے جب شرط لگانے

میں مصلحت حکم کے علاوہ اور کوئی فائدہ ملحوظ نہ ہو لیکن جہاں شرط لگانے میں کوئی دوسرا فائدہ مد نظر ہو وہاں مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ اور اس مقام پر فائدہ یہ ہے کہ آقاؤں اور سرداروں کو غیرت اور حجیت کا درس دیا گیا ہے کہ جب عورت ناقص العقل ہو کر

اور بالخصوص کینیز ہو کر اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرنا چاہتی ہو تو آزاد انسانوں کو بطریق اولیٰ اس کی عفت کی پاس خاطر کرنی چاہیے اور ثانیاً آیت مجیدہ میں شرط حکم کے لئے نہیں بلکہ موضوع حکم کے لئے ہے کیونکہ جبر و اکراہ اس وقت متحقق ہوتا ہے

جب عورت عفت و پاکدامنی کی خواہاں ہو۔ ورنہ جب عورت خود زنا پر آمادہ ہو تو جبر و اکراہ متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہاں یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ کینیز اپنے مولا کی ملکیت میں داخل ہے۔ اور وہ اس سے منفعت حاصل کر سکتا ہے۔ شاید منفعت

بھی اس کے لئے جائز ہو کہ کینیز سے حرام کاری کے ذریعے روپیہ کمانے اور یہ حرام کاری مالکوں کے فائدہ کی خاطر حرام قرار نہ دی جائے تو آیت مجیدہ میں اس احتمال کو رد کر دیا گیا ہے کہ زنا ہر ایک کے لئے حرام ہے اور اس کی کمانی کسی صورت میں جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کینیزوں کی عفت کی صورت میں ان کو زنا پر مجبور

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ

اللہ روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ہے ریشمے کی سی جس میں چراغ ہو

الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ

کہ چراغ ایک شیشے میں ہو وہ شیشہ ایسا ہو جس طرح ایک چمکدار ستارہ جلا یا جائے

نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر وہ اپنے طور پر چراگاری پر آمادہ ہوں تو اس کی نفی یا نفی پر آیت کی دلالت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی دلالت واضح ہے کیونکہ اگر اپنے طور پر ان کا یہ فعل جائز ہوتا تو مالکوں کو ان کے جبر واکراہ سے روکا جاتا کیونکہ جائز اور جلال کام کے لئے مالک اپنے غلاموں اور کنیزوں کو مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ ان کے بس میں ہو۔ پس مالکوں کو جبر واکراہ سے روکنا کنیزوں کے لئے اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ لہذا جس طرح زنا ازاد عورتوں اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح غلام اور کنیزیں بھی زنا کی حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ عبد اللہ بن ابی بکر کی چھ کنیزیں تھیں اور وہ ان سے زنا کر کے رقم کما تھا۔ جب زنا کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ عورتیں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکوہ کیا۔ پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

ان اَوْدَانِ تَحْتَسُنَا یعنی اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور شادی کی خواہشمند ہوں تو ان کی شادی کرادی جائے اور ان کے لئے ایسے مواقع فراہم نہ کئے جائیں اور ایسے حالات پیدا نہ کئے جائیں کہ زنا میں مبتلا ہو جائیں۔ اور مالک کا اپنی کنیز کو شادی سے محروم کرنا بھی اس کی حرام کاری کا راستہ ہموار کرنے کے برابر ہے اور جب مولا کا اپنی کنیز کو حرام کے راستہ پر لگانا ممنوع ہے تو اس سے بدتر ہیں۔ وہ باپ یا بھائی یا اہل خاندان جو اپنی بیٹیوں، بہنوں یا خاندان کی دوستیوں کو شادی سے محروم کر کے ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ زنا اور حرام کاری پر مجبور ہو جائیں جس سے پورے خاندان کی عزت و آبرو خاک میں مل جاتی ہے اور ایسے لوگ دیوث کہلاتے ہیں جو اپنی یا اپنے خاندان کی لڑکیوں کے لئے زنا کے اسباب فراہم کریں اور ان کی بروقت شادی سے عہدہ گریز کر کے اپنی بے غیرتی پر راضی ہوں۔

بَعْدَ احْتِرَافِهِمْ۔ آیت مجیدہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ مالک اگر کنیزوں کو جبر واکراہ سے زنا پر مجبور کرے تو خدا مجبور عورت کا جرم معاف کر دے گا لیکن مجبور کرنے والے مالکوں اور سرداروں کا یہ جرم قابل عفو نہ ہوگا۔

وَكُوْنُ التَّوْبِيلِ نُورٍ  
اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ۔ آیت مجیدہ میں اس مقام پر مفسرین نے نور کے معنی میں مختلف آراء پیش کی ہیں اور انور کا معنی ہدایت اور مراد ہادی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کا ہادی ہے (۲) نور کا معنی منور بصورت مجاز مرسل یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو چاند سورج اور ستاروں کے ذریعے روشنی بخشنے والا ہے (۳) نور کا معنی زینت اور مراد مزین ہے۔ یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو انبیاء و اولیاء کے وجود سے زینت عطا کرنے والا ہے اور چونکہ



شَجَرَةٌ مَّبْرُكَةٌ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا

(وہ چراغ تیل سے جو نکلا ہو) مبارک درخت زیتون سے کہ نہ شرقی ہو اور نہ غربی کہ اس کا تیل (بوجہ صفائی کے،

يُضِيُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ

جلنے کے قریب ہو اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے نور ہے نور پر ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی

مَنْ لِيَسْأَلَ وَيُضِرِبَ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

خبردار ہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے اور اللہ ہر شے کو جاننے

عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾ فِي بُيُوتِ الَّذِينَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ وَيَذْكُرُ فِيهَا اسْمَهُ لَا

والا ہے ایسے گھروں میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کے بلند کرنے کا اور ذکر کیا جاتا ہے ان میں اس کا نام

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ

تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح اور شام ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو

تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَاقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَلَا

تجارت اور نہ سودا بازی اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

ڈرتے ہیں اس دن سے کہ بدلیں گے اس میں دل اور آنکھیں

خدا پر نفع اور احسان و انعام کا فاعل حقیقی ہے۔ اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جس طرح کسی زحیم کو مبالغہ کے طور پر

رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محسن و منعم پر نور کا مجازاً اطلاق عام عربوں کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان

میں ایک عرب کا شعر استہدایہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ نُوْرًا قَوْمًا وَاِنَّهَا مَيِّسِيْنَ فِي الظُّلَمِ اَللّٰمِ نُوْرًا هَا۔ یعنی تم دیکھتے

نہیں ہو کہ ہم قوم کے لئے نور ہیں (یعنی ان کے محسن و منعم ہیں) اور اس میں شک نہیں کہ تاریکیوں میں لوگوں کی رہنمائی نور کیا کرتا ہے

یعنی ہم قوم کی ہر مشکل و مصیبت میں ان کی دست گیری کرتے ہیں۔ پس قوم کے لئے مصائب و آلام کی تاریکیوں سے نجات پانے

کیلئے ہمارا وجود نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

مَثَلُ نُورٍ ۱۳۰ - یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور ہے، ان کو کتم عدم سے نکال کر زیور وجود سے آراستہ کرنے والا ہے اور ظلمتِ جہالت سے نکال کر بقعہ نور ہدایت کی طرف لانے والا ہے اور جس طرح ظاہری طور پر شمس و قمر و ستارگان کے ذریعے سے اس نے عالم کو اُجالا کیا۔ اسی طرح معنوی اور روحانی طور پر انبیاء و مرسلین اور اوصیاء طاہرین کے ذریعے سے اس نے ظلمت ہائے کفر و شرک کو مٹانے کے لئے عالم کو نور ایمان سے تابناک بنانے کا انتظام فرمایا۔ پس اس کے نور کی مثال جس کے ذریعے سے عالم وجود بقعہ نور بنا۔ مثل ایک مشکوٰۃ کے ہے۔ اس جگہ نور سے مراد ایمان یا قرآن یا ذات باریکات حضرت محمد مصطفیٰ ہے اور چوتھا قول یہ بھی ہے کہ نور سے مراد وہ براہین ساطعہ اور ادلہ قاطعہ ہیں جو احقاقِ حق کے لئے باطل کے جملہ پردوں کو چاک کر دیں اور انسانی قلوب میں قندیل ایمان کو روشن کر دیں اور پانچواں قول یہ ہے کہ ہدایت پانے کے بعد اطاعت گزار مومن کی اطاعت کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تیسرا قول یعنی ذات رسالت کا مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں باقی چار اقوال بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

کَشْكُوۡتٍ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ رومی زبان سے عربی کی طرف لایا گیا ہے اور بعضوں نے اس کو عربی بھی کہا ہے بہر کیف اس سے مراد دیوار میں چراغ رکھنے کا وہ جلا ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو اور پیچھے کی طرف سے چراغ اندر رکھنے کا راستہ الگ بنایا گیا ہو۔

كُوْكَبٌ دُوۡىٌّ - یہ در کی طرف منسوب ہے۔ یعنی صاف و شفاف موتی کی طرح چمکنے والا ستارہ۔

مِنْ شَجَرَةٍ - یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی مِنْ ذِيَّتِ شَجَرَةٍ

مُبَارَكَةٌ - زمیون کے درخت کو اس لئے مبارک کہا ہے کہ یہ کثیر المنفعت درخت ہے۔ حتاکہ اس علاقہ کو بھی مبارکت کہا گیا ہے جس میں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتا ہے چنانچہ مسجد اقصیٰ کے علاقہ کے متعلق فرمایا جَاؤُا حَوْلَهَا اور فی الجملہ اس کے فوائد یہ ہیں۔

۱) اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے (۲) اس کے ساتھ روٹی کھائی جاسکتی ہے (۳) گھی کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے (۴) اس کا رنگ اچھا ہوتا ہے (۵) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے (۶) اس کا کولہ اچھا بنتا ہے (۷) اس کی راکھ سے لشم صاف کیا جاتا ہے (۸) اس کے تیل نکالنے میں آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مقام پر زمیون کی قید اس فائدہ کے ماتحت ہے۔ کہ اس کے تیل سے جو چراغ جلتا ہے اس کی روشنی صاف اور تیز ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد یہ پہلا درخت ہے جو زمین پر آگا اور جس زمین میں یہ درخت آگا اس کو انبیاء کا مسکن قرار دیا گیا۔

لَا شَرْقِيَّةٌ وَلَا غَرْبِيَّةٌ - یعنی نہ اس پر مشرق کی طرف سے کوئی سایہ پڑتا ہے اور نہ مغرب کی جانب سے بلکہ صبح و شام دھوپ میں رہتا ہے کیونکہ زمیون کا وہ درخت جو سایہ میں ہو اس کا تیل صاف نہیں ہوتا۔

پس آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے جو نور ہدایت خلق کے لئے معین فرمایا ہے وہ مثل اس صاف و شفاف چراغ کے ہے جو دیوار کے جالے کے اندر ایک صاف شیشے کے پیچھے رکھا ہوا ہو جس کی روشنی موتیوں کی طرح چمکنے والے آسمانی ستارے کی مانند ہو جو زمیون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو جس پر شرقی یا غربی کوئی سایہ اثر انداز نہ ہوا ہو۔

**تاویل آیت**

آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق متعدد اقوال ہیں، **وَالْمَثَلُ لَشَدِيدٍ** میں نور سے مراد نور ہدایت ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل اللہ سبحانہ نے اپنے نور کا ذکر فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے یعنی ان کا موجودہ خالق اور مدبر و غیرہ ہے) پھر اس کے نور کی مثال یعنی وہ شمع ہدایت جو اس نے مومن کے دل میں روشن کی ہے وہ دیوار کے جانے کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہو اور اس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو پس مومن کا باطن مشکوٰۃ ہے اور اس کا دل شیشہ ہے اور چراغ وہ نور ہدایت ہے جو اس شیشہ قلب سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور جو مومن شجر مبارک ہے جس پر مشرق و مغرب کی ہوائیں اور شعاعیں (تہذیبیں) اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہتا ہے اور وہ نور ہدایت جو اس کے کاشانہ دل کو منور کئے ہوئے ہے وہ اپنی ضیاء پاشیوں میں مصروف عمل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی زبان پر مہر سکوت ہی کیوں نہ ہو۔ نور علی نور یعنی فریضہ کے بعد فریضہ اور سنت کے بعد سنت جاری ہے۔ اور اللہ اپنے فرالض اور سنتوں کی طرف جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور یہ مثال اللہ نے مومن کے لئے بیان کی ہے۔ پس مومن کے پانچ نور ہیں۔ (۱) **مَدَّ خَلْقَهُ النُّورَ**۔ یعنی جس کام میں گھستا ہے وہ نور ہوتا ہے۔ گویا مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ ظلماتی کاموں میں داخل ہو بلکہ وہ ہدایت خداوندی اور توفیق حق کے ماتحت ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور نور ہدایت کی طرف قدم بڑھا کر دوسروں کیلئے مشعل راہ بننا چلا جاتا ہے (۲) **مَخْرُجُهُ النُّورَ**۔ اس کا مقصد بھی پہلے فقرہ کی طرح ہے یعنی جس کام سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ یعنی ایسی باتوں اور ایسے امور سے گریز کرتا ہے جو خدا کے پسندیدہ نہ ہوں گویا ہر حرام اور گناہ سے بچتا ہے۔ پس ایسے اعمال کرتا ہے جن کا کرنا نور ہے۔ اور ایسے اعمال سے بچتا ہے جن سے بچنا نور ہے (۳) **وَعَلِمَهُ النُّورَ** یعنی مومن کا علم اس کے لئے باعث نور و ہدایت ہے گویا وہ علم کو کسب معاش یا تکمیل خواہشات کا ذریعہ نہیں بناتا بلکہ وہ علم کو زینہ رضائے پروردگار قرار دے کر خود بھی اس پر عامل ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اس کا علم و عمل دعوت حق کا علم بردار ہوتا ہے۔ (۴) **وَكَلَّمَهُ النُّورَ**۔ یعنی مومن کے کلام میں ظلماتی پہلو کوئی نہیں ہوتا چونکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان ہدایت کی ترجمان ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے جملے منہ سے نہیں نکالتا جو عوام کے لئے گمراہی کے موجب ہوں بلکہ اس کا بیان امور حق کا ترجمان اور ناموس شریعت کا پاسبان ہوتا ہے (۵) **وَمَصِيبُهُ النُّورَ** یعنی بروز محشر اس کا جنت کی طرف جانا نور ہے۔ اس حدیث شریف میں نور کی بھی خوب و وساحت ہو گئی، شیخی کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں نیکی کو ترک کرنا ظلمت (۶) برائی کو چھوڑنا نور اور اس کے مقابلہ میں برائی کرنا ظلمت (۷) نیکی و بدی میں تمیز کرنے اور نیکی کے سجالانے نیز برائی سے بچنے کے لئے رضائے حق کی خاطر علم کا حاصل کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں صرف جہالت ہی ظلمت نہیں بلکہ ہر وہ علم جو نیت بد سے حاصل کیا جائے یا ترویج باطل اور تردید حق کا اس سے ناجائز فائدہ لیا جائے یا کسب معاش و تکمیل شہوات کا اس کو ذریعہ قرار دیا جائے وہ بھی ظلمت ہے (۸) زبان سے جاری کردہ بیان اگر حق و ہدایت کو اپنے دامن

میں لئے ہوئے ہے تو نور ہے ورنہ ظلمت (۵) بیان کردہ ہر چہار اوصاف مومن جن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے ان کی جزا جنت ہے اور وہ نور ہے۔ گویا دنیا میں نیکی کرنا نور ہے اور آخرت میں نیکی کی جزا جنت نور ہے۔ اور اس حدیث شریف کی روشنی میں انبیاء و اوصیاء نور ہیں اور محمد و آل محمد علیہم السلام پوری کائنات میں نور نکلے ہیں۔ حتیٰ کہ سب انوار کے لئے ان کے انوار طیبہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نور کی ابتدا میں ہم نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے زیادتی معرفت کی راہیں ہموار کی ہیں۔ جن کے دل تعصب و عناد کے پنجروں میں مقید نہیں ہیں۔

**دوسری تاویل** اور آئینہ آپ کا قلب باصفا ہے اور مصباح آپ کی رسالت و نبوت ہے جس پر شرق و غرب کی شعاعیں اثر انداز نہیں۔ یعنی یہودیت و نصرانیت سے متاثر نہیں اور آپ کی نبوت ایک شجرہ مبارکہ سے چھوٹ رہی ہے۔ جو شجرہ نسل ابراہیم ہے اور گردہ محمدی خود شجرہ لوگوں کے لئے ایک بیان واضح ہے۔ اگرچہ وہ خود زبان سے خاموش ہی کیوں نہ رہیں جس طرح زیتون کا صاف تیل آگ چھوئے بغیر جلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعضوں نے مشکوٰۃ سے مراد حضرت ابراہیم اور ہاجہ سے مراد حضرت اسمعیل اور مصباح سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور شجرہ مبارکہ نسل ابراہیم ہے کیونکہ اکثر انبیاء ان کی صلب سے پیدا ہوئے اور وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ نصرانی ہے نہ یہودی کیونکہ نصاریٰ مشرق کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یہودی مغرب کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یکاوڑ زیتون کا مقصد یہ ہے کہ حضور کے وجود ذی چوڑ سے محاسن و کمالات نبوت چھوٹ چھوٹ کر دنیا کو منور کر رہے تھے۔ اگرچہ ابھی تک ان کے ساتھ وحی کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اور نور علی نور کا مقصد یہ ہے کہ یہی نسل نبوت سے ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں اور ہاجہ سے مراد حضرت عبد اللہ ہیں اور مصباح سے مراد خود حضرت رسالت مآب ہیں نہ آپ شرقی ہیں نہ غربی بلکہ کلی ہیں اور مکہ دنیا کا وسط ہے۔ (مجمع البیان)

**تیسری تاویل** تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم مشکوٰۃ ہیں اور مصباح حضور ہیں۔ اور اللہ ہماری ولایت کی طرف ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بروایت توحید ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مشکوٰۃ سینہ نبوی ہے اور مصباح سے مراد علوم نبوت ہیں اور ہاجہ حضرت علی علیہ السلام کا سینہ ہے کہ علوم نبوت حضور کے سینہ سے حضرت علی کے سینہ تک پہنچے۔ پس علی کا علم ایک شجرہ مبارکہ علمیہ سے چھوٹتا ہے جس پر نصرانیت و یہودیت اثر انداز نہیں ہے۔ پس وہ نہ شرقی ہے نہ غربی اور یکاوڑ زیتون کا مقصد یہ ہے کہ آل محمد کے عالم کی زبان درفشاں سے مقاصد علمیہ اور مطالب عرفانیہ ہر وقت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اور سائل کے سوال سے پہلے وہ اس کا دامن اپنے فیوض علمیہ سے بھر دیا کرتے تھے اور نور علی نور کا مقصد یہ ہے کہ آل محمد میں امامت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ پس ایک امام کے بعد دوسرا امام آتا رہے گا اور ہدایت خلق کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیام قیامت مسلسل جاری و ساری ہے۔

گا۔ پس یہ وہ اوصیاء ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنی زمین کا خلیفہ مقرر فرمایا اور اپنی مخلوق پر ان کو حجت قرار دیا کہ کسی زمانہ میں زمین ان کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتی اور جناب رسالت مآب کے ایک مدحیہ قصیدہ میں حضرت ابوطالب نے ایک شعر میں اسی مطلب کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

أَنْتَ الْأَمِينُ مُحَمَّدٌ قَوْمٌ آغْرُ مُسَوِّدٌ

تو محمد امین ہے نورانی چہرے والا سید و سردار ہے

مَنْ لَدُنْ أَدَمَ لَمْ يَزَلْ فِينَا وَصِيًّا مُرْشِدٌ

آدم سے لے کر ہمیشہ ہم میں ایک وصی ہدایت کنندہ ہوتا چلا آیا ہے

صاحب جمع البیان فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں ذکر ہونے والے شجرہ مبارکہ سے مراد تقویٰ و رضوان اور ہدایت و ایمان کا درخت ہے جس کی اصل نبوت فرع امامت یعنی تشریح اور پتے تاویل اور اس کے خد متکاہ جبریل میکائیل ہیں تفسیر جمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ نے مومنوں کی بیان فرمائی ہے کہ مومن کا نفس

**چوتھی تاویل** مشکوٰۃ اس کا دل شیشہ اور ایمان و قرآن کی جو قندیل اس کے دل میں روشن ہے وہ مصباح ہے جو اخلاص کے

شجرہ مبارکہ سے منور ہے جس طرح گھنے سرسبز درختوں کے جھنڈ کو مشرق و مغرب کی دھوپ متاثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح راجح الایمان

مومن کے ایمان کو فتنہ و فساد کی تیز و تند دھوپ اور شرق و مغرب بلکہ ہر چہار طرف سے اجھرنے والے لادینی کے بے پناہ طوفان کوئی

نقصان نہیں پہنچا سکتے پس وہ چہار خصلتوں میں زندگی گزارتا ہے (۱) اگر اسے کچھ عطا ہو تو شکر گزار ہوتا ہے (۲) اگر آزمائش میں مبتلا

ہو تو صابر ہوتا ہے (۳) اگر حکم کرے تو عدل اس کا مطمح نظر ہوتا ہے (۴) اور اگر بات کرے تو سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا وہ عام

لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی زندہ قبرستان میں چل پھر رہا ہو پس وہ نور علی نور کا مصداق ہے کہ اس کا کلام نور اس کا علم

نور اس کا مدخل و مخرج نور اور برزخ قیامت اس کی بازگشت نور ہے اس آخری فقرہ کی تشریح تاویل نمبر ۱ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

حسن بصری سے منقول ہے کہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے کہ مومن کا دل شیشہ اور اس کی زبان مشکوٰۃ ہے

**پانچویں تاویل** اور شجرہ مبارکہ وحی ربانی ہے۔ اور قرآن کی دلیلیں واضح و روشن ہیں اگرچہ اس کی کوئی تلاوت نہ بھی کرے یا یہ کہ

اللہ کی طرف سے بیان کردہ ادلہ و براہین اس کی مخلوق پر واضح و آشکار ہیں بشرطیکہ تدبر و تفکر سے کام لیا جائے اگرچہ قرآن نہ بھی

نازل ہوتا یا کاذب یا بیانی۔ الخ اور یہ نور علی نور ہے یعنی دیگر فطری و نفسیاتی و عقلی دلیلوں کے بعد قرآن کا وجود نور علی نور کا مصداق ہے۔

حضرت رسالت مآب اور حضرت علی سے لے حضرت جمدی علیہ السلام تک ان کے بارہ اوصیائے طاہرین

**چھٹی تاویل** علیہم السلام اس کے تاویلی مصداق ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک

دن میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا دیکھا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اپنی انگلی کے ساتھ کچھ لکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں میں نے عرض کی حضور! آپ کیوں ہنس رہے ہیں تو آپ نے فرمایا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اس

کی کمال معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے عرض کی حضور! وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے آیت نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت یہ کی کہ مشکوٰۃ حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ **فِيهَا مَصْبَاحٌ** اداقل۔ اس لفظ کا مصداق آپ نے نہیں بتایا غالباً بوقت بیان یہ لفظ پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے اپنی ذات مراد لی ہو پس آگے چل کر فرمایا **المصباح في حاجة**۔ زجاجہ سے مراد حسین و حسن علیہما السلام ہیں کوکب ددی علی بن الحسین (زین العابدین علیہ السلام) ہیں۔ **يُوقِفُ مَن شَجَرَةٍ مَّبارَكَةٍ**۔ حضرت محمد بن علی (الباقر علیہ السلام) ہیں۔ **زَيْبُونَةُ** حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ **الاشترقية** حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام و **لا غر بية** حضرت امام علی رضا علیہ السلام **يكاذون بها** یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام و **كولهم تسسنة** حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں۔ **نور على نور** حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور **يهدى الله لنوره من يشاء** حضرت امام قائم مہدی علیہ السلام ہیں۔ **وَيُؤْتِبُ الله الامثال للسايب والله بكل شئ عليم** یعنی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

**بیوت کی تفسیر** جن کے بلند کرنے اور ان کی عزت و احترام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جن میں صبح و شام اللہ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ایسے بندے اس کا ذکر و تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور اس دن کا خوف کرتے ہیں جس دن دلوں اور آنکھوں میں انقلاب رونما ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس اور حسن بصری کا قول منقول ہے کہ ان گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ اور گذشتہ بعض تاویلات آیت بھی اس کی شاہد ہیں اور حضرت رسالتاب سے مروی ہے۔ **الساجد بیوت الله في الارض و هي تضي لاهل السماء كما تضي لاهل الارض**۔ یعنی مساجد زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عام مساجد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جن کو انبیاء نے تعمیر کیا ہے، اکعبہ جس کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل نے تعمیر فرمایا (۲)، بیت المقدس جس کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے بنایا اور مدینہ میں مسجد نبوی اور مسجد قبا جن کی تعمیر حضرت رسالتاب کے ہاتھوں ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد بیوت انبیاء ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ پڑھی گئی تو کسی نے آنحضرت سے ان گھروں کے متعلق سوال کیا جن کا آیت میں ذکر ہے تو آپ نے فرمایا ان سے مراد انبیاء کے گھر ہیں پس ابوبکر نے گھر طے ہو کر حضرت علی و بتول علیہما السلام کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ **يا رسول الله هذا البيت منها** کہ کیا یہ گھر بھی ان میں سے ہے تو آپ نے فرمایا۔ **نعم من افاضلها**۔ ان میں سے نہیں بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے۔ اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت تطہیر اس قول کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ آیت میں اہل بیت یعنی گھر والوں کی تطہیر کا ذکر ہے اور اللہ نے ان گھروں کی جس بلندی کا اذن دیا ہے اس بلندی سے مراد تعظیم اور ہر جس سے پاکیزگی اور گناہوں کی پھیل و کثافت سے طہارت و علیحدگی ہے اور بعض علماء نے اس مقام پر رفع سے مراد یہ لیا ہے کہ ان کے گھروں میں جا کر ان کے وسیلے

سے اللہ کی طرف اپنی حاجات کو بلند کرو۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی منقول ہے۔ ایک دفعہ قتادہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میں بہت سے فقہاء کے سامنے بیٹھا ہوں لیکن مجھے کبھی کسی عالم و فقیہ کے سامنے اتنی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی جس طرح آپ کے سامنے بیٹھنے سے مجھے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ کہاں بیٹھا ہے تو اس وقت ان بیوت میں سے جن کی تعظیم و اجلال کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہم ان کے مصداق ہیں۔ قتادہ فوراً کہنے لگا واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ بخدا میں آپ کے قربان جاؤں وہاں گارے اور پتھروں کے گھر مراد نہیں ہیں۔

وَجَالٍ لَّا تُلْهِهِمْ سَمْعٌ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے کہ ایک دفعہ بروز جمعہ دجیہ کلبی ملک شام سے کچھ مال لایا اور لوگوں کی اطلاع کے لئے شہر سے باہر ڈیرہ جاکر ڈھول طبل بجانے شروع کئے۔ اس وقت حضرت رسالت مآب مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے لئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پس طبل کی آواز سنتے ہی لوگوں نے جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مسجد خالی ہو گئی۔ مردوں میں سے صرف حضرت علی امام حسن امام حسین سلیمان ابوذر مقداد اور صہیب اور عورتوں میں سے صرف جناب فاطمہ زہرا پر سچ گئیں۔ پس نہ کوئی ان کے علاوہ مرد رہا اور نہ عورت۔ سب کے سب حضور کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر بعض خرید و فروخت کے لئے اور بعض تماشائی صورت بنا کر چلے گئے اور سورہ جمعہ میں انہی لوگوں کی مذمت ہے۔ اِذَا رَاوُتْجَارَةً اَوْ لَهْوًا اَوْ اَنْفُسًا لَيْسَ لَهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا اِلَیْهِ۔ پس حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری مسجد پر نظر کی ہے۔ اگر یہ آٹھ آدمی نہ ہوتے تو قوم لوط کی طرح پورے شہر پر عذاب خداوندی نازل ہوتا۔ اور ان پر آگ اور پتھروں کی بارش نازل ہوتی۔ پس آٹھ آدمیوں کے حتیٰ میں یہ آیت اتری۔ وَجَالٍ لَّا تُلْهِهِمْ سَمْعٌ۔ الخ۔ تفسیر صافی میں مروی ہے۔ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تاجر کے متعلق احوال پرسی کی تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن سلسلہ تجارت کو اس نے خیر باد کہہ دیا ہے آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا عَمَلُ الشَّيْطَانِ يَعْنِي شَيْطَانَ كَمَا يَابَ هُوَ كَمَا كَمَا اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضور رسالت مآب نے شام سے آنے والے قافلہ سے مال تجارت خرید اور نفع کما کر اپنے قرضے ادا کئے اور قرابت داروں کی امداد بھی کی اور خدا نے ایسے لوگوں کی ہی تعریف فرمائی ہے کہ وَجَالٍ لَّا تُلْهِهِمْ سَمْعٌ الخ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت و خرید و فروخت۔ ذکر خدا اور ناز و نکوۃ سے روک نہیں سکتی اور جو قصہ خواں لوگ کہتے ہیں کہ وہ تجارت نہیں کرتے تھے۔ جھوٹے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ نماز کو اپنے صحیح اوقات سے نہیں چھوڑتے تھے۔ اور یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں جو تجارت کو سرے سے ترک کر کے نماز میں حاضر ہوں۔

يَخَافُونَ يَوْمًا۔ یعنی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ آنکھوں اور دلوں کے حالات میں انقلاب و تبدیلیاں واقع ہوں گی دلوں پر انقلاب یہ ہوگا کہ وہ جنت کے طبع اور جہنم کے خوف کے اندر شش و پنج میں پڑے ہوں گے اور آنکھوں میں قلب یہ ہوگا کہ وہ دائیں بائیں اپنے اعمال نامہ کی آمد کے منتظر ہوں گے اور متفکر ہوں گے کہ ہمیں کس طرف سے پکڑا جانا ہے یا یہ کہ دل خجروں تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں گی یا یہ کہ دل شکوک کی منزل سے نکل کر یقین تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور آنکھیں جن چیزوں کو جھٹلاتی تھیں ان

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ

تاکہ ان کو جزا دے اللہ بہتر اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور زیادہ دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ رزق

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے عمل مثل سراب کے ہیں

بِقَيْعَةٍ مَّحْبُوبَةٍ ظَمَانٍ مَّاءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ

جو کھلے میدانوں میں ہے جس کو سمجھے پیسا آدمی پانی یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو اسے کچھ نہ پائے اور پانی

اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَ حِسَابَةٍ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ أَوْ كَظُلُمَاتٍ

اللہ کو اپنے عمل کے پاس ہیں وہ پورا دے گا اس کو حساب اس کا اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یا مثل ان تاریکیوں کے ہے

کو صبح پائیں گی پس دنیا میں جو خشکی ہوگا وہاں اسکا شگفتہ میں تبدیل ہوگا اور جو دنیا میں عالم ہوگا آخرت میں اس کی بصیرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ - لام کا متعلق محذوف ہے یعنی وہ لوگ اس قسم کے اعمال جنہ اس لئے بجا لاتے ہیں تاکہ ان کو اللہ

اپنے حسن عمل کی جزا دے اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ انعام و اکرام سے ان پر نفاذ کرے پس ایسے لوگ دنیا و دین دونوں کے لحاظ

سے نفع مند ہوں گے کیونکہ اللہ ان کو رزق بھی بے حساب دیتا ہے اور آخرت کی بازی بھی وہ جیت جاتے ہیں لیکن جو لوگ تجارت

یا دیگر نفسی خواہشات کی بنا پر عبادت کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے رزق مقدر سے تو بڑھ نہیں سکتے اور آخرت کو سر سے برباد کر بیٹھتے ہیں۔

أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ - سراب اور آل میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ کہ سراب سفید چٹیل میدان یا ریگ ناز صحرا کی اس چمک کا نام

ہے جو دوپہر یا اس کے بعد دھوپ پڑنے سے اس میں پیدا ہو کہ دُور سے آتے ہوئے آدمی کو پانی دکھائی دے حتیٰ کہ ارد گرد کے

درختوں کے سائے بھی اس میں نظر آئیں۔ اور آل اس چمک کا نام ہے جو زمین سے اوپر کی فضا میں ایک پانی کا دریا دکھائی دے

اور یہ تقریباً دوپہر سے قبل ہوا کرتی ہے۔ اور بعض استعمالات میں میدانی و ریگستانی صحرائی چمک جو آبِ ناپا ہو۔ اس پر سراب کا اطلاق

ہوا ہے اور دامنِ کوہ میں سنگریزہ زار و سنگلاخ زمین کی آبِ ناپا چمک کو آل کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں لفظیں ایک دوسرے کے

متبادل بھی استعمال ہوتی ہیں۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ان کو

ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے وہ اعمال جن کو وہ نیک اعمال سمجھتا تھا بروز محشر وہ ان کی جزا کا خواہشمند ہوگا

اور پیاسے انسان کی طرح ان کی طرف دوڑے گا لیکن نتیجہ میں سراب کی طرح ان کی جزا کچھ نہ پائے گا کیونکہ وہ جھٹا ہو چکے ہوں گے اور



فِي بَحْرِ لَحْيٍ يَعْشُهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظَلَمْتُ

جو ایک گہرے سمندر میں ہوں جس میں موج پر موج پڑ رہی ہو اور اوپر بادل چھایا ہوا ہو ایک دوسرے کے اوپر تارکیاں

بعضہا فوق بعض اذا اخرج يدها لم يكد يراها ومن لم يجعل الله

ہوں جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے اسے اور جس کو اللہ راہِ نجات نہ دے

حبط کا معنی مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل نیک میں کسی خاص خامی کی وجہ سے اس کا قابل جزا نہ رہنا حبط کہلاتا ہے اور جس طرح یہاں انسان سراب کے قریب پہنچ کر مایوس و ناکام پلٹتا ہے۔ کافر بھی مایوس ہوگا اور جب اللہ کے پاس پہنچے گا تو اپنا حساب پوڑائے گا۔ اس کی نیکیاں تو سراب کی طرح کچھ نہ ہوں گی۔ پس غلطیوں کی سزا میں جہنم رہی ہوگا اور کافر کے وہ اعمال جو اس کی نظر میں اعمال بد تھے۔ وہ بروز محشر گھٹا ٹوپ تارکیوں کی مثل پائے گا کہ ان سے گلو خلاصی مشکل ہوگی۔ ایک اعمالِ زشت کی تارکی دوسری اس کے کفر و کجی کی تارکی اور تیسرے توبہ نہ کرنے اور سرکش ہو کر مرنے کی تارکی اور پھر میدانِ محشر میں سختی عذاب کی تارکی اور نتیجہ میں جہنم کی دائمی تارکی جس سے نجات نہ پاسکے گا۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کی تاویل دشمنانِ آلِ محمد کے حق میں ہے۔ جس طرح آیت سابقہ کی تاویل محمد و آلِ محمد اور ان کے محبوبوں کے حق میں ہے۔ چنانچہ ظلمات سے مراد اول اور موج سے مراد ثانی اور موج بلائے موج سے مراد ثالث اور اوپر کی تارکی امیر شام اور حکومتِ اموی کے وہ ظالم کہ مومن ان تارکیوں میں اپنا ہاتھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور اس صورت میں نور کی تاویل امام ہوگا۔ یعنی جس کو خدا اولادِ فاطمہ سے امام کی معرفت کی توفیق نہ دے اسے قیامت تک امام حق ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی قسم کی تاویل تفسیر قمی سے بھی منقول ہے۔

تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے منقول ہے۔ ایک دفعہ شاہِ روم نے معاویہ کی طرف چند مسائل دریافت کیے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ لاشی کسے کہتے ہیں؟ امیر شام حیران تھا کہ عمرو بن عاص نے مشورہ دیا ایک عمدہ گھوڑا فروخت کے لئے علی کے لشکر کی طرف بھیج دیکھے۔ جب قیمت دریافت کریں تو کہا جائے اس کی قیمت لاشی ہے۔ پس مسئلہ حل ہو جائے گا چنانچہ معاویہ کا غلام گھوڑا لے کر آیا حضرت امیر علیہ السلام قبضہ کو ساتھ لئے ایک مقام پر کھڑے تھے۔ آپ نے قبضہ سے فرمایا کہ شامی سے گھوڑا خرید لو۔ جب قبضہ نے قیمت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت ہے لاشی۔ آپ نے فرمایا اس سے گھوڑا لے لو۔ اُس نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیابان کی طرف لے جا کر سراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تیرے گھوڑے کی قیمت ہے۔ لاشی لے لو اور بھاگ جاؤ۔ جب اس نے معاویہ کو مطمئن کرنے کے لئے دلیل پوچھی تو آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی کہ خدا نے قرآن مجید میں سراب کو لاشی قرار دیا ہے۔

لَهُ نُورٌ أَفْئَالَهُ مِنْ نُورٍ ﴿۱۱﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِغُ لَهُ مِنَ فِي السَّمَوَاتِ

اس کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو تحقیق اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَتْ كُلُّ قَدْعَةٍ صَلَاتَهُ وَسَبِّحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

زمین میں ہے اور پرندے پر کھول کر تحقیق ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے اور اللہ جانتا ہے وہ جو

بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۲﴾ وَبِاللَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۳﴾

وہ کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور اللہ کی طرف بازگشت ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى

کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تحقیق اللہ ہلکتا ہے بادل کو پھر جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہ بہ تہ

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلِيلِهِ وَيَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا

پس دیکھتے ہو بارش کو نکلتی ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں سے جو اس میں ہیں

۲ کتاب مذکور میں اختصاص مفید سے منقول ہے ایک شخص نے ابو حنیفہ سے لاشی کا معنی دریافت کیا تو اس نے ایک نچر سے دیکر امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف بغرض فروخت بیچ دیا کہ اس کی قیمت لاشی وصول کرنا آپ نے پھر رکھ لیا۔ اور فرمایا ابو حنیفہ سے کہنا قیمت صبح کو وصول کر لے جب صبح کو ابو حنیفہ خدمت امام میں وصولی قیمت کے لئے حاضر ہوا تو سوا ہو کر آپ اسے صحرا کی طرف لے چلے جب سورج بلند ہوا اور میدان میں سراب کی لہر دوڑی۔ آپ نے فرمایا ابو حنیفہ یہ کیا چیز ہے تو اس نے کہا کہ پانی ہے پھر جب آگے بڑھے تو اسے کچھ نہ پایا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے نچر کی قیمت ہے۔ پس آپ نے آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا لاشی کا معنی سراب ہے۔ ابو حنیفہ نام و پشیمان واپس پلٹا کیونکہ اس نے نچر پر دس ہزار درہم خرچہ کئے تھے

وَالطَّيْرِ یعنی ہر چیز پروردگار کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور ذوی العقول کے علاوہ ہر چیز کی تسبیح ان کا عجز و حدود ہے۔

رُكُوعٌ ۱۲

قَدْ عَلِمَ - عَلِمَ کا فاعل ضمیر جو اللہ کی طرف راجع ہے قرار دی جائے تو معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور اگر اس کا فاعل ضمیر ہو جو راجع کل کی طرف ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز نے اپنی ناز و تسبیح کا انداز جان لیا ہے پس ہر چیز تسبیح و نماز میں مصروف ہے۔

رُكَامًا یعنی رُمْتًا کما جس کا معنی ہے تہ بہ تہ۔ مِنْ جِبَالٍ - يَرِ مِنَ السَّمَاءِ سے بدل ہے اور فِيهَا جَارِدٌ مَجْرُورٌ كَمَا يَنْزِلُ

مِنْ بَرٍّ ذِي ضَلَالٍ كَثِيرٍ وَبِضْبَبٍ بِهِ مِنْ لَيْثَاءٍ وَيَصْرِفُهُ عَمَّنْ لَيْثَاءٍ يَكَادُ سَابِقِيهِ

کچھ اولے پس ہلاک کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے اور پھر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے قریب ہے کہ بجلی کی

يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝ يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ

چمک ختم کر دے آنکھوں کو تبدیل کرتا ہے اللہ رات اور دن کو تحقیق اس میں عبرت ہے صاحبان

لَعِبْرَةٍ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ

بصیرت کے لئے اور اللہ نے پیدا کیا ہر جاننے والی چیز کو پانی سے پس بعض ان میں سے

کے متعلق جبال کی صفت ہے۔ مِنْ بَرٍّ ذِي ضَلَالٍ كَثِيرٍ کا معنی دوسری صفت ہے یعنی مِنْ جِبَالٍ سَمَائِيَّةٍ  
بَرٍّ ذِي ضَلَالٍ كَثِيرٍ کا مفعول محذوف ہے بَرٍّ ذِي ضَلَالٍ كَثِيرٍ کا معنی خدا آسمان میں یا جہت علویں ہونے والے برفانی تودوں سے اٹے برساتا ہے  
کُلِّ دَابَّةٍ۔ آیت مجیدہ میں جنوں اور فرشتوں کے علاوہ تمام ذی روح مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ سب پانی  
یعنی لطف سے پیدا ہوئی ہیں۔

خداوند کرم نے آیات مجیدہ میں اپنی عظمت و جلال کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس  
عظمت پروردگار کے سامنے اپنے حال و حیثیت کے لحاظ سے سجدہ ریز اور اس کی ثنا و مدح میں رطب اللسان

ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اللہ کی قدرت کے متعلق دریافت  
کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ پوری زمین پر وہ نہ  
سما سکیں گے اور جن و انسان اس کی حدود کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور نہ اس کی پوری تعریف کر سکیں گے۔ پس ایسے فرشتے کے  
پورے جسم کی کیا تعریف کی جاسکے گی جس کے کندھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو برس کی راہ ہو اور بعض ایسے بھی  
ہیں جن کا صرف ایک پر زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو پر کر دے گا اور بعض ایسے ہیں کہ اگر سیدھے کھڑے ہوں تو سارے آسمان  
اس کی کمر کے نیچے رہ جائیں گے اور بعض ایسے ہیں جن کے قدم تحت الثری پر ہیں اور زمین کی موٹائی اس کے گھٹنوں سے نہیں  
بڑھ سکتی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے انگوٹھے کے ناخن پر پوری دنیا کا پانی ٹپھر سکتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان آنسوؤں  
کے پانی میں پوری دنیا کے جہاز ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہیں تو اس کا کنارہ نہ پاسکیں گے۔ اسی طرح آپ نے حجاب یاٹے قدرت کی  
عظمت و کثرت کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت اور ان میں ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کا سفر ہے  
پھر سزاوقات کا ذکر کیا مثلاً سزاوق جلال سزاوق عز سزاوق کبیر سزاوق عظمت سزاوق قدس سزاوق جبروت سزاوق فخر سزاوق نود  
ایض اور آخر میں سزاوق وحدانیت اور ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت سے کم نہیں۔ الخ

مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ

چلتے ہیں اپنے پیٹ پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں

يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۵﴾

چار پر پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۶﴾

تحقیق ہم نے تمہاری نشانیاں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فِرْقٍ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ

اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت مان لی پھر رد گردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جاہلین عرش آٹھ ہیں اور ہر ایک کی آٹھ آٹھ آنکھیں ہیں کہ ایک آنکھ پوری دنیا کے برابر ہے۔

بروایت برسی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملازمین و عملہ کا یومیہ خرچ سات کُرغند تھا۔ دریائی جانوروں میں سے ایک نے آپ سے ایک دن کی دعوت کا مطالبہ کیا جو آپ نے منظور فرمایا اور دریا کے کنارے ایک ماہ تک غلہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہو گیا پس ایک دریائی جانور یعنی مچھلی نے سر باہر نکالا اور سب کو ایک نوالہ بنا کر بٹپ کر لیا اور سلیمان سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا آپ نے فرط حیرت سے دریافت کیا کہ سمندر میں تیری طرح کا کوئی اور جانور بھی ہے تو اس نے کہا ایک نہیں بلکہ ہزار۔ پس حضرت سلیمان نے تسبیح پر وردگار اپنی زبان پر جاری کی۔ نیز مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اگر تمام اہل آسمان وزمین مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کا مطلوب دے دوں اور ہر ایک کو پوری دنیا کا ستر گنا زیادہ دوں تب بھی میری عظمت میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی اور یہ اس طرح ہوگا جس طرح بھرے سمندر میں سے کوئی شخص نوکِ سوزن کو ڈبو کر باہر نکال لے تو سمندر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

مَنْ يَمْشِي - یعنی زمین پر چلنے والے بعض جانور اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ اور دوسرے بعض حشرات الارض اور بعض کے دو پاؤں ہیں جیسے انسان اور پرندے اور بعض کے چار پاؤں ہیں جیسے چوہے اور جنگلی درندے وغیرہ لیکن بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے زیادہ پاؤں رکھتے ہیں اور آیت میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا تو اس لئے کہ یہاں حصر مراد نہیں بلکہ تشبیہ مراد ہے یا اس لئے کہ فلاسفہ نے تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ جن حشرات الارض کے پاؤں چار سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت ان کے جسم کا اعتماد صرف چار پر ہوتا ہے اور باقی صرف نمائش اور دکھلاوے کے لئے ہیں اس لئے صرف چار

ذٰلِكَ وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوۡا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحْكُمْ

اس کے بعد اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مَّعْرُضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ

درمیان حکم کرے تو ان کا ایک فریق اعراض کرتا ہے اور اگر فیصلہ حق ان کے حق میں ہو تو اطاعت کرتے

يَاۡتُوۡا اِلَيْهِ مُدْعِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنۡى قُلُوۡبُهُم مَّرَضٌ اَمۡ اَرۡتَابُوۡا اَمْ يَخۡفَوۡنَ

ہوئے جلدی آجاتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا ان کو شک ہے یا ڈرتے ہیں کہ اللہ ان

اَنْ يُحۡيِفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمۡ وَرَسُوۡلُهٗ طَبۡلٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

پر ظلم کرے گا یا اس کا رسول ؟ بلکہ وہی ظالم لوگ ہیں

پاؤں والے جانوروں میں ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ اور حاجہ کا اطلاق ہر زمین پر چلنے والی چیز پر ہوتا ہے۔ خواہ ذوی العقول میں سے ہو یا غیر ذوی العقول میں سے ہو لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہے اس لئے من کا استعمال کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے مختص ہے۔

**ایمان کا امتحان** اِذَا دُعُوۡا۔ تفسیر صافی و برہان میں تفسیر فی سے منقول ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اور عثمان کے متعلق ہے کہ ان کا آپس میں ایک باغ کے متعلق جھگڑا ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا جو فیصلہ جناب رسالت مآب فرمادیں۔ اسی پر ہم دونوں کو رضامند ہو جانا چاہیے لیکن عبد الرحمن بن عرف نے عثمان سے کہا کہ رسالت مآب کی طرف اگر مقدمہ جائے گا تو یقیناً فیصلہ علی کے حق میں ہوگا لہذا مقدمہ ابن شیبہ یہودی کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ عثمان بھی اسی بات پر ڈٹ گیا۔ پس ابن شیبہ یہودی کے پاس گئے تو اس نے کہا تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے رسول پر آسمانی وحی کے بارے میں تو یقین رکھتے ہو لیکن اس کے فیصلوں پر تمہارا کوئی اعتماد نہیں ہے۔ پس یہ آیت اتری اور تفسیر مجمع البسیان میں اس کا شان نزول اس طرح منقول ہے کہ عثمان نے کچھ زمین حضرت علی علیہ السلام سے خریدی اور جھگڑا اس بات پر ہو گیا کہ زمین میں پتھر اور روٹے نکلے تو عثمان نے اس کو زمین کا عیب قرار دیکر سو دس کو باطل کرنا چاہا۔ اور حضرت علی سے زمین کے واپس لے لینے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا اس بارے میں جو فیصلہ رسالت مآب کر دیں ہم دونوں کو لب و لہجہ منظور کر لینا چاہیے۔ لیکن حکم بن عاص نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم حضور کی بارگاہ میں مقدمہ لے جاؤ گے تو فیصلہ یقیناً علی کے حق میں ہی ہوگا۔ پس یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے علی سے زمین بھیجی اور بعد میں پشیمان ہو گیا۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

سوائے اس کے نہیں مومنوں کا قول یہ ہے جب ان کو دعوت دی جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ ان کے

أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُطِيعِ

درمیان فیصلہ کرے کہ کہہ دیں ہم نے سنا اور مانا اور ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہیں اور جو اطاعت کرے

اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾

اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے پس وہی ہیں کامیاب ہونے والے

وَلَنْ تَكُونَ لَهُمْ الْحَاقَّةُ لَمَنْ كَفَرَ بِهِمْ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِهِ لَمَّا كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَرَسُولِنَا  
حاضر ہوتے ہیں اور آج تک یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ جب مومنوں کے دو فریق آپس میں جھگڑتے ہوں اور ان کو علماء کرام کے فیصلہ کی دعوت دی جائے تو جس فریق کو اپنے حق میں فیصلہ ہونے کا یقین ہو وہ فوراً اپنے دینی پہلو کو پیش کرتا ہے اور علماء کے فیصلہ کو اپنا ایمانی فیصلہ قرار دیتا ہے لیکن وہی شخص جہاں دوسرے مقام پر حق کے خلاف ہو وہاں علماء کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فیصلہ حق سے کنارہ کشی کر کے اسی میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کیا ان کے دلوں میں کمزوری ایمان اور وجود نفاق کی بیماری ہے یا رسول کی رسالت ان کی نظروں میں مشکوک ہے یا انہی میں ہے کہ کہیں خدا اور رسول فیصلہ میں عدل کو چھوڑ کر ظلم کو اختیار کر لیں گے ہر پھر لفظ بل کو استعمال کر کے واضح فرمایا کہ آخری دو نو شقیں باطل ہیں کہ نہ تو ان کو شک ہے اور نہ وہ اللہ و رسول سے ظلم کی توقع رکھتے ہیں بلکہ پہلی شق درست ہے کہ ان کے ایمان کمزور ہیں اور دلوں میں نفاق کی بیماری کا غلبہ ہے اور وہ ظالم لوگ ہیں جو باہمی نزاعات میں خدا و رسول کے فیصلہ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ - تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ یعنی مومن کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر فرض ہے کہ اسے مان لے خواہ فیصلہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

وَيَتَّقِهِ - خشیہ اور تقویٰ میں یہ فرق ہے کہ ترک واجبات اور فعل حرام میں اللہ سے خوف کرنا خشیہ ہے اور اس کے برعکس اللہ کے ڈر سے واجبات پر پابند رہنا اور گناہوں سے کنارہ کش رہنا تقویٰ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں آیت مجیدہ میں یَتَّقِهِ میں قاریوں کے چار قول ہیں (۱) يَتَّقِيهِ (۲) يَتَّقِيهِ (۳) يَتَّقِيهِ (۴) يَتَّقِيهِ قاریوں کے ان اختلافات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قرأت میں نقل کے پابند ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ قاعدہ نسخیہ کے لحاظ سے پہلی قرأت بالکل درست اور انسب ہے اور قاری آئمہ نسخہ تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قرأتیں اجتہاد ذاتی کی وجہ سے مختلف نہیں بلکہ سماع اس

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنِ أَمَرْتَهُمْ لِيَخْرُجُنَّ قُلُوبًا

اور انہوں نے قسم کھالی اللہ کی سخت قسم کہ اگر تو ان کو حکم دے تو وہ اپنے گھروں سے بھی نکل جائیں گے کہہ دو

تَقْسِمُوا طَاعَةَ مَعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلُوبًا

قسمیں نہ کھاؤ اچھی اطاعت (پیش کرو) تحقیق اللہ خبردار ہے جو تم کرتے ہو کہہ دو

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر پھر جاؤ گے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس پر اپنا بوجھ ہے اور

عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِذْ بَلَغَ

تم پر اپنا بوجھ ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسول پر مگر کھلی

الْمَبِينِ ﴿۵۴﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم

بتلیع وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل نیک بجالائے ضرور ان کو خلیفہ کروں گا

اختلاف کی اصل ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ۔ جموں کی اطاعت والوں کا ہمیشہ یہی دستور ہوتا ہے کہ اطاعت کا بڑا دعویٰ کرنا اور قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت کی یقین دہانی کرانا۔ لیکن وقت آنے پر انتہائی بے وفائیت ہونا۔ خداوند کریم ایسے لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور اپنے حبیب کو اطلاع دے رہا ہے کہ یہ لوگ پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اپنے گھروں کو چھوڑنے کا حکم دے دیں تو ہم اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے قسمیں نہ کھاؤ بلکہ اطاعت کر کے اپنا اطاعت گزار ہونا عمل سے ثابت کرو اور یہ اچھا طریقہ ہے طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ کی خبر معذوف ہے۔ یعنی خَيْرٌ مِّن قَسْبِكُمْ یعنی اچھی فرمانبرداری قسم کھانے سے بہتر ہے۔

فَإِن تَوَلَّوْا۔ اصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ پس ایک تاء بطور تخفیف کے حذف کر دی گئی ہے۔

وَعَدَّ اللَّهُ۔ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کا مصداق صحابہ کرام کو قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے پوری امت مُراد لے لی ہے اور کچھ سرچھپے لوگوں نے اس آیت سے اجماعی خلافت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی جہارت کی ہے اور آیت کے معانی ان کی تردید کے لئے کافی و وفافی ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں از صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ اس مطلب پر کافی بحث کی ہے۔ آئمہ اہل بیت سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ یہ

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ

زمین میں جس طرح خلیفہ کیا ان کو جو پہلے تھے اور ضرورت ممکن کروں گا ان کے لئے ان کا وہ دین

الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي

جو اس نے پسند کیا ان کے لئے اور ضرورت تبدیل کروں گا ان کے خوف کے بعد امن میری عبادت کریں گے کہ

لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾

میرے ساتھ کسی شئی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو کفر کریں گے اس کے بعد تو وہ فاسق ہوں گے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾

اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ

لَا تُحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مَعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمُ السَّارِ

نہ خیال کرو ان کو جو کافر ہیں (کہ ہمیں) عاجز کرنے والے ہیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا روزخ ہے

وَلَيْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ

اور البتہ وہ بری بازگشت ہے اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیے ان لوگوں کو جن کے

آیت حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے حق میں ہے اور ان کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا نجد اس سے شیعیان اہل بیت مراد ہیں اور یہ وقت ان پر تب آئے گا جب کہ اس امت کا مہدی ظاہر ہوگا اور اسی کے متعلق حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ اگر زندگی دنیا میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدا اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ میری عزت سے ایک آدمی اس کا وارث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھرنے کا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔ علامہ طبرسی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد محمد و آل محمد ہیں اور آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ وہ سخت خلافت پر متمکن ہوں گے اور ملکی حکومت پر ان کو پورا اقتدار حاصل ہوگا اور ان سے ہر قسم کا خوف و ہراس برطرف ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ کَمَا اسْتَخْلَفْتُ کی تشبیہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں میں خدا نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو اس کے اہل تھے۔ اسی طرح اب بھی وہی اہل کا انتخاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے



آدمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ کو نامزد فرمایا۔ اور اسی طرح آل ابراہیمؑ کے اطفال کی خبر دی۔ پس اب بھی زمین کی حکمرانی اور اس پر مکمل تسلط کے لیے مہدی کو خود بھیجے گا اور عزت نبویہ کے اس متفقہ فیصلے کے علاوہ یہ قرینہ بھی صاف واضح ہے کہ گذشتہ خلافتوں کے دور میں کبھی نہ امن قائم ہو سکا اور نہ دین اسلام کو صحیح تمکن و تسلط حاصل ہو سکا اور چونکہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابھی تک آیت مجیدہ کی تاویل کے ایام باقی ہیں۔ اور تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ناصبی لوگ اسی آیت کا مصداق ابو بکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کو قرار دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا خدا ناصبیوں کو ہدایت نہ کرے۔ خدا اور سولہ کے پسندیدہ دین اسلام کو اس امت میں کب تمکن نصیب ہوا ہے۔ اور ان کے دلوں سے خوف و ہراس کب ختم ہوا ہے۔ اور ان کے سینوں سے شکوک و شبہات کب دور ہوئے ہیں۔ دوران خلفاء کے دور کا جائزہ لیجئے اور پھر مسلمانوں کے ارتداد اور فتنہ و فسادات کی روح فرسدا داستانوں کو سامنے رکھئے تو حقیقت کی قلمی خود بخود کھل جائے گی۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور صافی و برہان میں بروایت مقداد حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ نہ کوئی مٹی گارے گا گھر بچے گا اور نہ اون و ریشم کا کوئی خیمہ بچے گا۔ یعنی کوئی شہر و دیہات اور کوئی شہری و دیہاتی بددوی باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ اسلام اس کو قبول کرنا پڑے گا۔ خواہ عزت کے ساتھ خواہ ذلیل ہو کر بادل ناخواستہ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ بسند متصل حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے۔ ایک دفعہ جندل بن جنادہ بن جبیر حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تین سوالات کئے، اول وہ کیا ہے جو اللہ کے لیے نہیں (۲)، وہ کیا ہے جو اللہ کے پاس نہیں (۳)، وہ کیا ہے جو اللہ کے علم میں نہیں۔ آپ نے فرمایا شریک اللہ کے لیے نہیں۔ ظلم اللہ کے پاس نہیں اور عزیز کا ابن اللہ ہونا اللہ کے علم میں نہیں۔ پس فوراً اس نے کلہ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر عرض کرنے لگا میں نے شب گذشتہ عالم خراب میں حضرت موسیٰ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے خواب میں مجھے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اوصیاء کے ساتھ تمکین رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں اسلام تو لا چکا ہوں لیکن اوصیاء کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ابے جندل میرے اوصیاء نقیاب بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے اور یکے بعد دیگرے آئے رہیں گے تو ان میں سے صرف پہلے تین کا زمانہ دیکھ سکے گا۔ پہلا ان میں سے سید الاوصیاء حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے پھر اس کے بعد میرے دو فرزند حسن و حسین علیہما السلام ہوں گے جب چوتھا یعنی علی بن الحسین پیدا ہو گا تو قوم سبایگا اور دنیا میں سے تیرا آخری زاد و دو ہو گا آپ نے پھر یکے بعد دیگرے تفصیل وار حضرت مہدی علیہ السلام تک نام گنوائے اور فرمایا آخری غائب ہو جائے گا اور جب ظہور کرے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی پس ان لوگوں کے لیے طوبیٰ ہے جو اس کی غیبت کے زمانہ میں ایمان پر ثابت قدم رہیں گے اور صبر و شکر سے اس کی محبت کا دم بھرتے رہیں گے پس جندل امام حسین کے زمانہ تک زندہ رہا۔ آخری زندگی اس نے طائف میں جا گذاری اور مرنے سے پہلے رودہ کا پیالہ پیا اور خود کہا یہ میرا آخری زاد ہے پھر مر گیا اور طائف میں ہی دفن ہوا۔ (مطفاً)

رکوع نمبر ۱۲۔ آداب معاشرہ۔ یا ایہا الذین۔ آیت مجیدہ میں خداوند حکیم نے گھریلو زندگی کے بعض آداب کا ذکر فرمایا ہے۔

مَلَكَتْ أَيْمَانَكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ط

تم مالک ہو اور ان (میزانوں کو) تم میں سے جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تین دفعہ

مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ

نماز صبح سے پہلے اور جب تم کپڑے اتارتے ہو دوپہر کے وقت اور

بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْدَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

نماز عشاء کے بعد تین پر سے (کے اوقات) ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طُفُوفُونَ عَلَيْكُمْ بِبَعْضِ كَذَلِكَ

کوئی گناہ ہے ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض پر اسی طرح

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جب

بَلَغَ الْأَطْفَالَ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ

پہنچ جائیں بچے تمہارے سن بلوغ کو تو وہ (بھی) اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے

کہ گھر میں آنے والے زرخیز غلام اور وہ نابالغ لڑکے جن سے پردہ واجب نہیں ہوتا لیکن وہ حد تمیز کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ تین اوقات میں ان پر ضروری اور واجب ہے کہ جب ان اوقات میں گھر کے اندر داخل ہوں تو اہل خانہ سے اجازت طلب کر لیں، نماز صبح سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت (۳) نماز عشاء کے بعد کیونکہ یہ اوقات بالعموم عورت و مرد کی ہمبستری کے ہوا کرتے ہیں۔ لہذا غلاموں اور بچوں کا آزاد آنا جانا عورت و مرد کے باہمی میل جول میں خلل اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ لہذا ان اوقات میں داخلہ پر اجازت کی پابندی عائد کر دی۔ اور دوسرے لوگ جو بالغ ہوں اور محرم نہ ہوں ان پر تو ہر وقت یہ پابندی ہے کہ جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو مالک گھر سے اجازت حاصل کر لیں۔

مسئلہ۔ اگر غلام اور میز لڑکے کو معلوم ہو کہ گھر والے بالباس ہیں اور مقام خلوت و ہمبستری میں نہیں ہیں تو اوقات ثلاثہ میں ان پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ بہر کیف اہل خانہ کی پردہ داری کو برقرار رکھنے کی خاطر یہ پابندی عائد کی گئی ہے۔

وَإِذَا بَلَغَ لَيْسَ جَبْنٌ بَعْدَهُ جَوَانٌ بَعْدَهُ جَوَانٌ تُوَدُّ مَرَدُّنَ كَيْسٍ نَاحِرَةً لِيُغَيِّرَ اجازت کے کسی بھی وقت داخل نہیں

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

ہیں وہ جو ان سے پہلے (جو ان ہو چکے) ہمیں اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات کو اور اللہ جاننے والا حکمت

حِكْمٌ ۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا

والا ہے اور یا نہ عورتیں جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی پس نہیں

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ

اُن پر کوئی گناہ کہ اتار دیں برقعوں کو نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت

بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۶۰

کر اور (برقع پہن کر) عقیفہ رہنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ سنیے جانتے والا ہے

ہو سکتے ہیں تین اوقات مذکورہ میں اجازت کی پابندی صرف غلاموں اور نابالغ میز لڑکوں کے لیے ہے۔ باقی لوگوں پر کسی وقت بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے نیز محرم لوگوں پر بھی ضروری ہے کہ اوقات مخصوصہ میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔

وَالْقَوَاعِدُ - یعنی وہ عورتیں جو ضعیف ہو چکی ہوں اور سن یاں کو پہنچ چکی ہوں کہ ان سے نکاح کرنا کوئی بھی پسند نہ کرے تو ان عورتوں پر پردہ اور برقعہ کی کوئی پابندی ضروری نہیں وہ مکمل مندرہ سکتی ہیں بشرطیکہ مقدمات زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں اور ناپاک ارادہ دل میں نہ رکھتی ہوں یاں ہمہ برقعہ پہننا اور پورے حیا و شرم سے بسراوقات کرنا ان کے لیے زیب اور شایانِ شان ہے تبرُّج کا معنی ہے عورت کے لیے جن محاسن کا ستر واجب ہے ان کو ظاہر کرنا۔

خداوند کریم نے عورت کے شرم و حیا کی کس قدر پاس کی ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی زینت کو ظاہر کر کے نامحرم مردوں کے سامنے عیبت نہ آئیں۔ لیکن آج کل کے مغرب زدہ مسلمان پردہ داری سے گریز کر کے بلکہ نفرت کر کے شرم و حیا کی حدود سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ آلمان۔ اچھے گھرانوں کی نوجوان و حسین لڑکیاں مختصر چست اور نیم عریاں لباس پہن کر ٹرکوں اور بازاروں میں دعوتِ نظارہ دیتی ہوئی آزادانہ سیر کرتی ہیں اور غضب بالائے غضب یہ کہ بھائی باپ اور دیگر رشتہ داران کی ان شرمناک حرکات کو دیکھ کر ذرہ بھر نہیں شرماتے بلکہ اسے اپنی بچیوں کی بلند حوصلگی قرار دیکر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود اپنے تئیں غیور مرد کہہ کر معاشرہ میں شرافت کا لیبل بھی اپنے اوپر لگاتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ - تفسیر قمری سے بروایت ابی الجارود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام لانے سے

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ

نہیں اندھے پر حرج اور نہ لوہے لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج

حَرْجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ

ہے اور نہ تمہارے نفسوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں

أَوْ بُيُوتِ أُمَّتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلَتِكُمْ

چچوں کے گھروں سے یا اپنی پھر پھپوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالادوں کے گھروں سے

أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكُمْ مِمَّا فِي بَيْوتِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

یا وہ جس کی چابوں کے تم مالک ہو یا دوست کے گھر سے نہیں تم پر گناہ کہ مل کر کھاؤ یا

تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى

الگ الگ پس جب داخل ہو گھروں میں تو سلام دو ایک دوسرے پر

پیشتر مدینہ کے لوگ اندھے اپنا بیچ اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے۔ پس انصار لوگ اپنے تکبر کے پیش نظر کہتے تھے کہ اندھے کو نظر کچھ نہیں آتا اپنا بیچ کے لیے مجمع میں بیٹھنا دشوار ہے اور بیمار آدمی تندرست کے ساتھ کھا نہیں سکتا لہذا ان کو الگ حصہ نکال کر دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور اسی طرح یہ لوگ بھی احساس کثری میں مبتلا تھے کہ ہماری وجہ سے چونکہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا وہ الگ کھانے کو پسند کرتے تھے پس جب حضور ہجرت کر کے تشریف لائے تو لوگوں نے اس صورت حال کا ذکر کیا تو خداوند کریم نے یہ آیت کریمہ بھیجی۔

بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ جہاد کو روانہ ہوتے تھے تو گھروں کی چابیاں اندھے۔ اپنا بیچ اور بیمار لوگوں کو دے کر چلے جاتے تھے اور ان کے لیے گھروں میں کھانا اپنا حلال کر کے جاتے تھے لیکن یہ لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کچھ کھانا پسند نہ کرتے

# أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مَبْرُكَةً طَيِّبَةً كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

یہ تحیہ ہے اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ اسی طرح بیان کرتا ہے

تھے پس یہ آیت اُتری بعضوں نے کہا ہے کہ آیت کا پہلا حصہ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کو ان کی معذوری کے پیش نظر معافی کے اعلان کے لیے ہے۔ اور اَلْأَنْفُسِكُمْ سے جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں کھانے کا حکم مذکور ہے۔

وَأَلْعَلِّي الْأَنْفُسِكُمْ۔ آیت مجیدہ میں حکم عام ہے کہ مذکورہ ذیل گھروں میں سے انسان کھانا کھا سکتا ہے۔ اگرچہ صاحب منزل موجود نہ بھی ہو۔ لیکن اسراف ذکر ہے اور اپنی ضرورت پر انحصار کرے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اُمّہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں سے انسان کے لیے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے اسراف نہ کرے۔

مِنْ مِّمْتِكُمْ۔ اس میں اپنا گھر اپنی زوجات کا گھر اور اپنے بیٹے بیٹیوں کے گھر سب داخل ہیں کیونکہ عورت کا گھر اور مرد کا گھر تو ایک ہے ہی۔ لیکن اولاد کے گھر کو اپنا گھر اس لیے کہا ہے کہ اولاد اور اولاد کا مال سب اس کا ہی مال ہے۔ کیونکہ حضور نے فرمایا أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَيَّتِكَ۔ یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کا مال ہے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ماں باپ بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے لیکن اولاد کے گھروں کو انگ نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ان گھروں میں سے بلا اجازت کھانا پینا اس طرح جائز ہے جس طرح بھوکے انسان کے لیے کسی باغ سے گذرتے ہوئے اس کا پھل کھالینا جائز ہے یا سفر میں جاتے ہوئے پیاسے انسان کے لیے راتہ میں کھڑی بھیڑیا بکری کا دودھ پنی لینا جائز ہے اور اسے حق مرد کہتے ہیں۔ خداوندیکم نے لطف و کرم کے ماتحت انسانی ضروریات کے پیش نظر اس کو حلال کیسے۔ اگر نیت درست ہو اور اسراف و ذخیرہ کرنے سے گریز کرنا ضروری ہے۔

أَوْ مِمَّا مَلَكَتُمْ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ غلام اور مملوک جس طرح خود اپنے مولے کی ملکیت میں ہیں اسی طرح ان کے باغات و مکانات کی کنجیوں کا مالک بھی وہی ہے پس مالک اپنے غلام کے مال سے کھا سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس انسان کو کوئی زمیندار اپنی زمینوں باغات و مکانات کے لیے وکیل یا سرپرست و نگہبان مقرر کرے اور اسے چابیاں حوالے کرے تو اس کے لیے باغات سے کھانا اور حیوانات کا دودھ پینا حسب ضرورت و حاجت جائز ہے۔

أَوْ صِدْقِكُمْ۔ صدیق وہ ہے جو سچی محبت رکھتا ہو جس طرح اس کا ظاہر تیرے ظاہر کے موافق ہے۔ اسی طرح اس کا باطن تیرے باطن کے موافق ہو اور صدیق کی لفظ واحد اور جمع دونوں پر اطلاق ہو سکتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رو سے ایسا دوست و دست کے گھر سے اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

# اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتُ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ

اللہ تمہارے لئے آیات کو تاکہ تم عقل کرو سوائے اس کے نہیں مومن وہ ہیں

لَئِنْ عَلِمْتُمْ جُنَاحَ بَعْضِ لَوْگ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ بنی کنانہ کے ایک قیدہ کا دستور عام تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بوند اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کا شریک نہ ہوتا اور دودھ سے بھری ادثنی کا دودھ بھی پینا گوارا نہ کرتا تھا جب تک کوئی دوسرا شریک نہ ہو جاتا۔ پس یہ آیت اتری کہ تنہا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جب کسی انسان پر ہمان آجانا تھا تو وہ تنہا تنہا کھانا گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اکٹھا مل کر کھانا واجب مانتے تھے۔ پس آیت اتری کہ اکیلا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے۔ پس تمہارے اختیار میں ہے مل کر کھاؤ یا تنہا کھاؤ۔

تفسیر قحی سے منقول ہے کہ حضور نے مہاجرین و انصار میں مواخات کا صیغہ جاری فرمایا۔ پس ابوبکر و عمر و عثمان و عبد الرحمن بطور وزیر سلمان و ابوذر اور اسی طرح مقداد و عمار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت علی غمزدہ تشریف لائے اور عرض کی حضور آپ نے مجھے کیوں تنہا چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا یا علی تجھے میں نے اپنے لیے بچا لیا ہے۔ اما ترضی ان تکلون اخی و انا اخوک فی الدنیا و الاخری و انت وصی و ویدی و خلیفتی فی امتی و لفضلی بینی و تمجذ عداقی و تتسوی غمسی و لا یلی بینی غیرک و انت مینی و بمنزلتہ خلوت من موسی الا انت لا ینتی بسعدی۔ یعنی کیا تو راضی نہیں کہ تو میرا بھائی ہو دنیا و آخرت میں اور تو میرا وصی وزیر و خلیفہ ہو میری امت میں اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا۔ وعدوں کو پورا کرنے والا۔ اور مجھے غسل دینے والا ہو۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی یہ کام انجام نہ دے گا اور تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہو گا۔ پر سنتے ہی حضرت علی خوش ہو گئے۔ صیغہ مواخات جاری ہونے کے بعد صحابہ کلاستور تھا کہ جب کوئی کسی جنگ یا سفر کے لیے جاتا تو اپنے دینی بھائی کو گھر کی چابی دے کر بے فکر چلا جاتا تھا اور اسے اجازت عام ہوتی کہ گھر سے جو چیز مرضی ہو لے لے اور کھالے لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتا تھا۔ حتیٰ کہ گھر میں رکھی ہوئی بعض کھانے پینے کی چیزیں ضائع ہو جاتیں۔ پس یہ آیت مجیدہ اتری :-

فَاِذَا دَخَلْتُمْ۔ یعنی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو اور کوئی بوند موجود نہ ہو تو اس طرح کہو۔ السَّلَامُ عَلَیْنا مِنْ رَبِّنا خداوند کریم نے اس کو مبارک اور طیب قرار دیا ہے۔ پس یہ سلامتی کا موجب اور آفات و مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہے۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں میں اپنے گھروالوں کو سلام کہو تاکہ گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ۔ تفسیر قحی سے منقول ہے۔ ایک قوم ایسی تھی کہ جب حضور کسی اہم کام کے لیے ان کو بھیجنا رکوع نمبر ۱۵ چاہتے تھے تو وہ جمع میں سے کھسک جاتے تھے۔ پس خداوند کریم نے یہ آیت بھیج کر تنبیہ کر دی کہ مومن خالص کی نشان یہ ہے کہ جب بھی کسی اجتماعی معاملہ میں موجود ہوں۔ مثلاً مجلس مشاورت ہو یا نماز جمعہ ہو یا لڑائی کی تیاری ہو تو ایسے

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ

جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب اس کے ساتھ ہوں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہ جائیں

لَمَّا ذُهِبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ وَإِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

جب تک اجازت نہ لے لیں تحقیق جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول پر

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنَ

ایمان رکھتے ہیں پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب کے لئے تو اجازت

لِمَنْ شِئْتُمْ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۳﴾

دے دیجئے جسے آپ چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مواقع پر اگر کسی خاص ضرورت کے ماتحت جانا بھی ہو تو حضورؐ سے اجازت لے بغیر نہ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ - یعنی مومن وہی ہیں جو آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو بلا اجازت چلے جائیں ان کا ایمان خالص نہیں ہے۔ بنا بریں جمعہ کو چھوڑ جانا یا جنگ و جہاد سے گریز کرنا ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔

فَأَذِنَ لِمَنْ شِئْتُمْ - یعنی اجازت لینے کے بعد رسول کریمؐ اجازت دینے کے پابند نہیں بلکہ یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے اجازت دیں یا نہ دیں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت خنظلہ بن ابی عیاش کے بارے میں اُتری ہے کہ اس نے اسی رات شادی کی جس کی صبح کو جنگ احد تھی۔ پس اس نے حضورؐ سے گھر رہنے کی اجازت لے لی۔ پس شب زفاف گھر میں رہا۔ اور جُنبی حالت میں اُٹھا تو جنگ سے پیچھے رہنے کے احساس نے ٹھہرنے نہ دیا۔ پس تیزی سے مجاہدین کی صف میں جا ملا۔ اور معرکہ قتال میں بہت جلدی جام شہادت نوش کیا۔ جب لاشوں میں اس کی لاش نہ دیکھی گئی تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان چاندی کے پیالوں سے خنظلہ کی میت کو غسل دے رہے ہیں۔ پس اسی دن سے اس کا لقب غیبیل ملا کہ ہو گیا۔

دُعَاءُ الرَّسُولِ - اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) رسول کا ہمیں بلانا۔ تمہارے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ

کہ رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے تحقیق جانتا ہے خدا ان کو جو کھک جاتے ہیں تم میں

الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذٍ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ

سے پناہ لیتے ہوئے (کسی کی) پس ڈریں وہ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان پر

أَنْ تَصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يَصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا

آزمائش یا پہنچے ان کو عذاب دردناک آگاہ ہو تحقیق اللہ کے لئے

ہیں ہوتا کیونکہ رسول کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اور اس سے کنارہ کشی خدا کے حکم سے کنارہ کشی ہے (۲) رسول کی بددعا کو ایک دوسرے کی بددعا کی طرح نہ سمجھو بلکہ ان کی بددعا سے ڈرا کرو کیونکہ ان کی بات کو خدا رد نہیں فرماتا (۳) عام خطاب میں تم جس طرح نام لیکر یا کینت کر کے ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح رسول کو یا محمد اور یا ابن عبد اللہ کر کے نہ بلایا کرو۔ ان کی غلطی۔ شان اور فحش مکان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کے موقع خطابات سے بلایا کرو۔

تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخر سے منقول ہے بسند متصل جناب بتول معظمہ فرماتی ہیں۔ میرے آقا و سید حضرت علیؑ نے میرے سامنے ہی آیت پڑھی۔ پس جب میں نے بعد اپنے پدر عالی کی بارگاہ میں پہنچی تو یا اباہ یعنی بابا جان! کی بجائے میں نے یا رسول اللہ کے لقب سے خطاب کیا تو آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹی یہ آیت تیرے لیے نہیں نہ تیرے بچوں کے لیے ہے تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ آیت تو بے ادب بدوی لوگوں کے لیے ہے تیرا مجھے یا اباہ (بابا جان) کہہ کر بلانا مجھے بہت پیارا لگتا ہے اور میرا رب بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اَنْتِ رِعْمًا نُوَلَّدُ۔ تو میری بہترین اولاد ہے۔ پس سر پر بوسہ دیا اور اپنا لعاب وحی مجھ پر مل دیا جس کے بعد مجھے کسی خوشبو کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

يَتَسَلَّلُونَ۔ بعض منافقین خطبہ جمعہ سے لوگوں سے چھپتے چھپاتے مسجد سے کھسک جاتے تھے یا ایک قول کے مطابق میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ پس ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔



فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور جس دن پٹائے جائیں گے اس کی

إِلَيْهِ فَبَيْنَهُمْ بَيِّنَاتٌ وَعَمَلُوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٥﴾

طرف ہیں ان کو خبر دے گا اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور اللہ ہر شے کو جانتے والا ہے۔

## سُورَةُ فُرْقَانٍ

سورہ یکہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستر ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر اٹھتر ہے۔

جناب رسالت مآب سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرتا رہے۔ جب بروز قیامت اٹھے گا بشرطیکہ قیامت کے

ظاہر پہ آئے گا یقین رکھتا ہو اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو۔ جنت میں بلا حساب داخل ہوگا۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے اسحاق بن عمارہ سے فرمایا سورہ فرقان کی تلاوت کو ترک نہ کرو کیونکہ

جو آدمی اس کی تلاوت ہر شب کرے اس کو اللہ کبھی عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور نہ اس سے حساب لے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ

فردوس بریں میں ہوگا۔ مصباح کفیی سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو وحشرات الارض اسکے قریب نہ آئیں گے۔ (فرمان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تَبْرٰكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) بابرکت ہے وہ جس نے نازل کیا قرآن کو اپنے بند پر

عَلٰی عِبْدٍ لِّیْکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۱ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

تاکہ ہو عالمین کے لئے ڈرانے والا وہ جس کے لئے ہے ملک آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَخِذْ وَلَدًا وَاَوْکُمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ

اور زمین کا اور نہیں بنایا اس نے بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک ملک میں اور اس نے

کُلَّ شَیْءٍ فِقْدَرَةٌ تَقْدِیْرًا ۲ وَاَتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہِ الْیَمٰہَ لَا

پیدا کیا ہر چیز کو پس اس کو صحیح اندازہ سے بنایا اور لوگوں نے بنا لئے اس کے علاوہ اور الٰہ جو نہیں

یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمُ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

پیدا کرتے کسی چیز کو اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے نفسوں کے لئے نقصان کے نفع کے اور نہیں

الرَّفْرُقَانَ۔ یعنی غلط اور صحیح اسی طرح باطل اور حق کے درمیان فرق کرنے والا اور وہ قسم آن  
رکوع نمبر ۱۶، بیان توحید مجید ہے۔

لَمْ یَخِذْ وَلَدًا۔ یہو نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا فرزند کہا۔ اور مشرکین کے  
ملک کو اللہ کی بیٹیاں کہہ دیا۔ اس فقرہ میں ان سب کے مزعموات باطلہ کی تردید ہے اور فرمایا اللہ وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں  
کا واحد مالک ہے اور چونکہ بیٹا باپ کا مملوک و عہد نہیں ہوتا۔ حالانکہ عزیر و عیسیٰ تو ملائکہ سب اللہ کے عہد و مملوک ہیں۔ لہذا ان  
کو اس کا بیٹا کہنا غلط بلکہ بہتان ہے۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ۔ اس فقرہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو غیر جاندار اصنام یا درختوں یا چاند سورج ستاروں وغیرہ کو جاندار شیاہ  
ملائکہ یا انبیاء و اولیاء کو کائنات کا مدبّر اور ملک خداوندی میں ان کو کئی متمصرف قرار دے کر ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔  
خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔ اس فقرہ میں پھر سابق مطلب کو مزید نچتے کیا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ حالانکہ باپ اولاد کا خالق نہیں ہو کرتا  
اور جن کو اس کا شریک مانا جاتا ہے وہ سب اس کی مخلوق ہیں حالانکہ شریک کو اپنے شریک کا مخلوق نہیں ہونا چاہیے پس معلوم ہوا  
کہ نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

# وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا شُورًا ﴿٣﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

مالک موت کے نہ زندگی کے اور نہ دوبارہ اٹھنے کے اور کہا کافروں نے نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹ

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آيَاتٍ مجیدہ میں تدبیر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الہ کے معنی میں لوگ کس طرح شرک کرتے ہیں۔ سابقہ آیت میں خداوند حکیم نے پوری کائنات پر اپنے واحد مالک ہونے کا اعلان فرمایا اور کسی کو بیٹایا بیٹی یا مدبر عالم ماننے والوں کی پر زور تردید فرمائی اس آیت میں خدا کے علاوہ الہ ماننے والوں کے مسلک کو رد کیا اور غمنی طور پر الہ کا معنی بھی واضح کر دیا اور مشرکین کے نظریہ کی تردید کر کے جہاں اپنی توحید کو غیر متزلزل برہان سے ثابت فرمایا وہاں مشرکین کے دجل و فریب کے پردہ کو بھی چاک کر دیا جو شرک کرنے کے باوجود اپنے موعود ہونے کے دعویدار ہیں۔ کیونکہ جو شخص انبیاء و اولیاء کو یا غیر جانبدار انسان و چاند سورج ستاروں وغیرہ کو خالق مانے اور ان کو نفع نقصان زندگی موت اور دوبارہ نشتر کا مالک قرار دے آیت کا التزامی مفہوم یہ واضح کرتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا اللہ کے علاوہ الہ کو تجویز کرتا ہے۔ گویا یہ صفات اس کی ذات کے لیے مخصوص ہیں جو الہ کے لفظ کی حقیقی مصداق ہے اور منطوق آیت صاف اعلان کر رہا ہے کہ جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ الہ قرار دیا وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے جو الہ حقیقی کی صفت ہے بلکہ وہ خود اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں جس سے الہ حقیقی بلند و بالا اور منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کی نفع رسانی یا دوسروں کے دکھ درد کا دوا کرنا تو بجائے خود اپنے نفسوں کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسروں کو مارنا اور زندہ کرنا تو بجائے خود وہ اپنی موت و حیات کے جی مالک نہیں۔ اسی طرح حشر و نشر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ پس آیت صاف بتلاتی ہے کہ جو غیر اللہ میں ان صفات کو ثابت کرے وہ اللہ کے علاوہ الہ کا قائل ہے۔ پس ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر زبان پر لا الہ الا اللہ کی رٹ لگاتا ہے اس کا دل توحید کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور نہ وہ اس بہانے سے شرک کے دلدل سے نجات پاسکتا ہے بعض جاہل و نادان لوگ آل محمد کے متعلق اس قسم کے باطل عقیدہ کے ہمنوا ہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ معصومین کے زمانہ میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے چنانچہ عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے کھلے الفاظ میں ان بد عقیدہ لوگوں کی تردید فرمائی اور اپنی ذات سے الہ کے معنی کی نفی فرمائی جیسا کہ آیت مجیدہ میں بیان ہو چکا ہے چنانچہ ایک مناجات میں آپ فرماتے ہیں۔ اللہُمَّ اِنَّا عِبِيدُكَ وَابْنَاكَ عِبِيدُكَ لَا نَمْلِكُ لِنَفْسِنَا نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَلَا مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا شُورًا اَللّٰهُمَّ مَنْ نَزَعْنَا اَنْفَا اَرْبَابٍ فَنَحْنُ عَنْهُ سُبُوًا وَمَنْ نَزَعْنَا اَنْفَا الْخَلْقِ وَعَيْنَا التَّوَنُّقُ فَنَحْنُ اَيْدِكَ مِنْهُ مِمَّنْ اَرْكَبُوْا اَبَا عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مِنَ النَّصَارَى۔ الحدیث یعنی لے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں ہم اپنے نفسوں کے لیے نفع و نقصان موت و زندگی اور حشر و نشر کے مالک نہیں ہیں۔ لے اللہ جو ہمیں رب کہے ہم اس سے بری و بیزار ہیں اور جو یہ سمجھے کہ ہم پیدا کرتے اور رزق دیتے ہیں ہم ان سے اس طرح بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ قرآن مجید کی تکذیب میں کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اس کو اللہ نے نہیں بھیجا بلکہ حضور نے (معاذ اللہ) جھوٹا کافرا

إِنَّ هَذَا إِلَّا رَأْفَتُكَ إِفْتِرَاءُ وَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا

جو افترا کیا اس نے اور اس کی مدد کی اس معاملہ میں اور لوگوں نے پس سچتیں ان (کافروں) نے ظلم کیا

ظَلَمُوا وَزُورًا ﴿۴﴾ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى

اور جھوٹ کہا اور کہنے لگے یہ قصے ہیں پہلے لوگوں کے جو اس نے لکھ لئے پس وہ اس پر پڑھے

عَلَيْهِ بُكْرَةٌ وَأَصِيلًا ﴿۵﴾ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ

جاتے ہیں صبح اور شام کہہ دو اس کو اتنا ہے اس ذات نے جو جانتی ہے راز آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ

زمین کے تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہا انہوں نے یہ کیا رسول ہے کہ

يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مَلَكَ

کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ کہ وہ ہوتا اس

فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ﴿۷﴾ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ

یا ڈالا جاتا اس کی طرف ایک خزانہ

باندھ لیا ہے اور بعض اہل کتاب اس معاملہ میں اس کی امداد کرتے ہیں۔ پس اللہ نے ان کے رد میں اتنا ہی فرمایا کہ ان لوگوں نے ظلم کیا اور

جھوٹ وغلط کہا کیونکہ اس سے پہلے چیلنج اور تجوی بار بار ہو چکی تھی کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو سب مل کر اس جیسا اس کی ایک سورت جیسا

بلکہ اس کی ایک آیت جیسا کوئی ٹکڑا کلام کا تو پیش کرو اور اگر تم عاجز ہو تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے

سے باز نہ آئے اور بار بار اُسی اُلگے ہوئے لقمے کو چباتے رہے۔ اسی لیے خدا نے مفصل جواب نہیں دیا بس اتنا ہی کہہ دیا کہ یہ لوگ ظالم اور غلط گو ہیں

وَقَالُوا وَه كَيْتَبْتُمْ تَحْتِ كِتَابِ اللَّهِ كَيْتَبْتُمْ لَكُمْ رِجَالًا وَمَا تَكْتُبُونَ إِلَّا لَكُمْ وَمَا تُنذِرُونَ إِلَّا لَكُمْ وَمَا تُبَشِّرُونَ إِلَّا لَكُمْ وَمَا تُنذِرُونَ إِلَّا لَكُمْ وَمَا تُبَشِّرُونَ إِلَّا لَكُمْ وَمَا تُنذِرُونَ إِلَّا لَكُمْ

پڑھتے ہیں اور وہ یاد کر لیتا ہے۔ سچ ہے۔ دروغ کو محفوظ نہ باشد۔ دو فقروں میں تضاد بیانی دیکھیے۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ یہ اس کا اپنا

افترا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر قصے پڑھے جاتے ہیں تو گویا اس کا افترا نہیں قصہ خوانوں کا افترا ہے۔

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مَلَكَ

کے سامنے تشریف فرماتے کہ مشرکین کی جماعت میں سے عبد اللہ بن ابی امیہ مخزومی نے آپ سے خطاب کر کے کہا اے محمد! تو نے ایک

لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَدَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا

یاس کے لئے باغ تھا کہ کھاتا اس سے اور ظالموں نے کہا نہیں تم پیروی کرتے مگر جاؤ گئے ہوئے

مَسْحُورًا ﴿۸﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

شخص کی دیکھ کس طرح بیان کرتے ہیں تیرے لئے مثالیں پس وہ گمراہ ہیں پس راہ راست پر آنے کی بڑا دعویٰ کیا ہے اور ہولناک بات منہ سے نکالی ہے تو کہتا ہے میں رب العالمین کا رسول ہوں حالانکہ رب العالمین جو تمام مخلوق کا خالق ہے تجھ جیسے کو جو ہماری طرح کا کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلنے والا بشر ہو رسول نہیں بنا سکتا دیکھئے روم و فارس کے بادشاہ جس کو اپنا رسول (فرستادہ) بنا کر بھیجیں وہ مالدار ہوتا ہے اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے اس کے محلات بنگلے کوٹھیاں خیمے قناتیں اور نوکر و خادم کثرت ہوتے ہیں اور خدا رب العالمین جو سب کا اور ان کا بھی خالق ہے اگر تو اس کی جانب سے نبی ہوتا تو وہ تیرے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا جو تیری تصدیق کرتا اور ہم خود اس کو دیکھتے بلکہ خدا اگر رسول بھیجتا تو ہم جیسا بشر نہ ہوتا بلکہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا تو ایک مسحور آدمی یعنی جاؤ کر وہ یا جاؤ کر کندہ یا دیوانہ ہے (مسحور کی تفسیر نوں جلد ۲ پر ملاحظہ فرمائیں) پھر انہوں نے بہت سی باتیں کیں اور اعتراضات کئے۔ کچھ سورہ بنی اسرائیل میں گزر چکے ہیں جلد ۹ ص ۲۵ اور بعض کی حکایت سورہ زخرف میں ہوگی انشاء اللہ جلد ۱۲ ص ۳۴ حضرت رسالت مآب نے سب باتیں خاموشی سے سماعت فرمائیں اور بعد میں بارگاہ ربوبیت میں عرض کی اسے اللہ تو ہر آواز کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے جو کچھ تیرے بندے کہہ رہے ہیں پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ درست ہے کہ میں تمہاری طرح روٹی کھاتا ہوں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ جو یہ کام کرے۔ وہ رسول نہیں ہو سکتا غلط ہے۔ کیونکہ یہ چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس پر کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ دیکھئے بندوں میں غنی فقیر عزیز ذلیل تندرست بیمار شریف رذیل اپنا بچ و کزور مختلف قسم کے لوگ ہیں لیکن کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنا اور صابر ہونا ہر انسان کا فرض ہے۔ اللہ کی تقسیم اور اس کی تقدیر پر راضی نہ ہونا اور اعتراض کرنا کفر ہے پھر آیت اتری قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنِ يَعْنِي أَن كَوَلِّهِ لَفْظُونَ میں کہہ دیجئے کہ میں بشریت میں تم جیسا ہوں لیکن میرے رب نے مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس طرح بعض لوگ دولت مند ہی تندرستی اور خوبصورتی کی نعمات سے ہمکنار ہیں اور دوسرے محروم ہیں تو جس طرح ان صفات کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ لہذا میرے لیے اس صفت کا کیوں انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے نبوت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کے باقی سوالات کے جوابات دیئے جو سورہ بنی اسرائیل اور انعام میں گزر چکے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں مسحور یعنی جاؤ کر یا دیوانہ یا زخوردہ انسان ہوں تم خود انصاف کرو میں چالیس برس تم میں زندگی گزار چکا ہوں۔ اور تمہارے دل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں عقل اور تیز میں تم سب سے بلند تر ہوں کیا چالیس برس کی ایک طویل زندگی کے دوران میں تم میری ایک شرم ناک حرکت یا ایک ذلیل حرکت یا ایک مجبور

یا ایک خیانت یا غلطی یا کوئی بے وقوفانہ ثابت ثابت کر سکتے ہو بہ (اور یقیناً تم یہ ثابت نہیں کر سکتے) پھر تم خود سمجھ لو کہ جس شخص سے ایک لمبے عرصہ میں ایک لغزش اور برائے نام بھی کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو کیا یہ اس کی ذاتی اقتضائے ہے یا اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے شامل حال ہے دیکھ کر وہ سب کے سب کھسیانے سے ہو کر رہ گئے۔ اور کسی میں بھی بات کرنے کی جرأت نہ رہی) پس آیت نازل ہوئی۔ **اَلْظُّلُمُ کِیْفَ هُمْ لِظُلْمٍ اِلٰہِ۔** یعنی دیکھو انہوں نے تیرے لیے کیسی مثالیں تلاش کر کے بیان کی ہیں لیکن جب تم سے اپنے سوالات کے جواب سن چکے ہیں تو کسی میں جواب دینے کی اور بولنے کی جرأت نہیں رہی۔ **فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْحًا۔** یعنی ان میں سے کسی میں بھی جواب کی توفیق (دیا یہ کہ جب انہوں نے آپ کے مستعمل اصطلاحات کو ٹھکرا دیا۔ اور ازراہ عناد ان کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے تو وہ گمراہی کے گہرے سمندر میں ڈوب چکے ہیں۔ اب ان میں راہِ حق پر آنے کی توفیق ہی مسلوب ہو چکی ہے۔ (ملخصاً)

مشرکین مکہ کی رسالت مآبؐ کے ساتھ بحث  
بشریت و رسالت | چند امور کی نشاندہی کرتی ہے۔

- ۱۔ وہ اللہ کو رب العالمین تسلیم کرتے تھے۔
- ۲۔ رسول کی رسالت کا انکار صرف اس لیے کرتے تھے کہ آپ بشر ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔
- ۳۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول بشر نہیں ہوتا اور جو بشر ہو وہ عہد رسالت نہیں لے سکتا۔
- ۴۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت و رسالت کے لیے کسی فرشتہ کو نازل ہونا چاہیے تھا۔
- ۵۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بے شک میں کھانا پیتا ہوں لیکن تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو کھائے پئے وہ رسول نہیں ہو سکتا۔

۶۔ آپ نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ بفرمانِ خداوندی اعلان کیا کہ میں بے شک تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن یہ بات غلط ہے کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا میں بشر ہوں اور خدا نے مجھے عہد نبوت بھی عطا فرمایا ہے۔

۷۔ بشر ہونے کے بعد رسالت ایک عطیہ پروردگار اور صفت مخصوصہ ہے جو انسان کو باقی انسانوں سے الگ نوع نہیں بناتی جس طرح آپ نے واضح فرمایا کہ غنی ہونا تندرست ہونا حسین ہونا وغیرہ صفات ہیں جن سے بعض افراد بہرہ ور ہیں اور بعض محروم پس نبوت بھی ایک صفت ہے جس سے میں بہرہ ور ہوں جس طرح تم دوسری صفات کا عطیہ پروردگار ہونا مانتے ہو اسی طرح میرے لیے یہ صفت بھی مان لو۔ تو گویا جس طرح دوسری صفات بشر کو الگ الگ انواع میں تقسیم نہیں کرتیں۔ اسی طرح صفت نبوت بھی نبی کو الگ نوع نہیں بناتی۔ جس طرح آجکل کے بعض سر پھرے لوگ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی جلد میں نور کی تفسیر کے ذیل میں صحت پر گزر چکا ہے البتہ خلقتِ نوری میں انکا نور جو اہل مخلوق ہے وہ نوع مفرد ہے نیز منطقی اصطلاح سے ہٹ کر اگر شرف و درجہ کے لحاظ سے انکو الگ نوع کہا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے بخداوند کریم نے آیات بھیج کر اور حضور رسالت مآبؐ نے وضاحتی بیان دیکر ان کے مزعمومات کی تردید فرمائی۔ خدا جانے آجکل کے اسلام

سَبِيلًا ⑨ تَبْرَكَ الَّذِيٰ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

توفیق نہیں رکھتے بابرکت ہے وہ ذات اگر چاہے تو بنائے گا تیرے لئے اس سے بھی بہتر وہ باغات کہ بہتی

جَلَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩ بَلْ

ہیں ان کے نیچے نہریں اور بنائے گا تیرے لئے محلات لیکن

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪

انہوں نے جھٹلایا قیامت کو اور ہم نے تیار کیا اس کے لئے جو جھٹلائے قیامت کو ، دوزخ

کے دعویٰ داروں نے کیوں مشرکین کو کا اگلا ہوا مقدمہ چیلنا شروع کر دیا ہے کہ جو رسول یا امام ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا اور جو ہماری طرح کا بشر ہو وہ رسول یا امام نہیں ہو سکتا اور فرمائش کلام اللہ کے ماتحت جو ان کو بشر اور کامل بشر اور سید البشر بلکہ سید انکائنات بشر سمجھے اسے دشمن رسول سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ علم منطق کا منہ چڑانے کے لیے بعض جبہ پوش لوگوں نے بشر کو جنس قرار دے کر انبیاء کو اس کی ایک لنگ نوع ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور یہ اس کی اپنی اختراع نہیں بلکہ اس سے پہلے کے کسی جدت پسند مقرر کی چست بیانی کا ثمرہ ہے اور حدیث مذکور میں حضور کا نبوت کو ایک صفت مخصوصہ قرار دینا اور دیگر صفات کو مقام وضاحت میں پیش کرنا علم منطق کے ان مجددین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے کیونکہ ان صفات کے اختلاف سے نوع نہیں بدل جایا کرتی ورنہ عالم و جاہل شریف و رذیل نیک و بد اور مسلم و کافر وغیرہ بشر کی سب نوعیں بن جائیں گی۔ اور اگر ان کو آگاہ نوع کہنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صفت نبوت کے دار تھے۔ لہذا باقی انسانوں سے وہ بلند انسان بلکہ کامل انسان تھے اور نوع انسان کے اشرف فرد تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان کی اس جدید اصطلاح سے مقصد میں کوئی غلطی نہیں پیدا ہوتی لیکن اگر یہ کہیں کہ وہ ایسے بشر تھے جو نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ منکوحہ عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر وزن کے مراسم تھے اور نہ دیگر لوازم انسانیہ و بشریہ ان کے ساتھ تھے تو یہ ایک ایسی جدت ہے۔ جس کو نہ عقل قبول کرتی ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث و تاریخ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ البتہ مقام نور میں ان کی نوع آگاہ ہے۔

تَبْرَكَ الَّذِي - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کفار کے اعتراض کے بعد جبریلؑ نے دنیا کی عیش و عشرت باغات و محلات وغیرہ حضورؐ کے سامنے پیش کئے لیکن آپؐ نے فرمایا مجھ پر ہی زندگی پسند ہے۔ جس میں بسر کر رہا ہوں۔

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ - یعنی جو لوگ آپؐ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اِذَا مَلَآ تَشْمُرٌ - مقصد تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ جہنم کو دور سے (یعنی ایک سو سال کی راہ سے) دیکھیں گے تو اس کی بھڑکار کی آواز اور اس کے شعلوں کی شدت و حدت ان کو سنائی دے گی لیکن آیت میں رویت کا فاعل جہنم کو قرار دیا گیا ہے اور اس امر کو ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا جہنم غصہ سے ان کو دیکھ کر بڑبڑا رہی ہوگی۔

إِذَا رَأَوْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

جب دیکھے گا ان کو مسافت بعید سے تو یہ سنیں گے اس کی شرت اور شر

وَإِذَا الْقَوْمُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مَّقْرَنَيْنِ دَعَا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾

اور جب ڈلے جائیں گے اس میں تنگ جگہ میں درحالیکہ جھڑے ہڑے ہوں گے تو اس وقت چلاؤں گے

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَلِكُمْ

واویلا کرتے ہوئے (تو جواب دیا جائیگا) کہ آج ایک دفعہ نہیں بلکہ کافی وارہلا کرو (تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا) کہہ دو کیا یہ

خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَ

خوب ہے یا ہمیشہ کی جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متعین سے کہ وہ ہے ان کی جزا اور

مَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانِ عَلَى رَبِّكَ

بازگشت ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے ہمیشہ ہوں گے یہ ہے تیرے رب کا وعدہ

وَعْدًا مُّسْتَوْلاً ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ

سوال شدہ اور جس دن جمع کرے گا ان (کفار) کو اور انکو جس کی عبادت کرتے تھے

مَكَانًا ضَيِّقًا یعنی جہنیموں کو دوزخ میں نہایت تنگی کی جگہ لگی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ دوزخ میں جانے والا اس طرح اس میں جائے گا جس طرح میخ دیوار میں جاتی ہے۔

مَقْرَنَيْنِ یعنی ان لوگوں کی گردنوں کی طرف ہاتھ باندھے ہوئے ہوں گے یا یہ کہ اپنے شیاطین کے ہمراہ جھڑے ہوئے ہوں گے۔

ثُبُورًا۔ ثُبُور کا معنی ہلاکت ہے یعنی وہ واویلا اور واہوراہ کی آواز بلند کریں گے۔

وَعْدًا مُّسْتَوْلاً یعنی متقی لوگ نمانوں کے بعد یا عام مناجاتوں میں اللہ سے جنت کی دعا مانگتے ہیں۔ پس خدا نے ان کیساتھ جنت کا وعدہ فرمایا کہ یہ وعدہ ان کے سوال کی منظوری کے بعد ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ یعنی بروز محشر خداوند کریم مشرکوں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا خواہ ان کے معبود انبیاء

واویلا ہوں یا ملائکہ ہوں یا چاند سورج ستارے یا اصنام ہوں پس ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گواہ کیا تھا تو وہ صاف کہیں گے کہ نہیں بلکہ ان کی گواہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے ان کو اپنی طرف سے وافر نعمتیں عطا فرمائیں جو وہ

شکر کا سبب



دُونَ اللَّهِ يَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلُّمُ عِبَادِي هُوَ لَاءِ أَمْ هُمْ

اللہ کے سوا پس پوچھے گا کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود راستہ سے بھٹک

ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُنْبِغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ

گئے تھے تو کہیں گے تو پاک ہے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ بتائیں تیرے علاوہ

مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءٍ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا

کوئی ولی لیکن ترے ان کو نفع دیا اور ان کے باپ دادا کو حتیٰ کہ تجھے یاد کرنا

الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ

بھی بھول گئے اور ہو گئے ہلاک ہونے والے پس تمہیں اپنے معبودوں نے ابھلا دیا جرم کہتے تھے پس

فَمَا يَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمُ مِنْكُمْ ذُنُوبَهُ

وہ نہیں طاقت رکھتے عذاب لوٹانے کی اور مدد کرنے کی اور جو ظلم کرے تم میں سے اس کو چھلکائیں گے

عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا

ہم بڑا عذاب اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ

تجھ سے مانگتے تھے اور تودے دیتا تھا پس وہ غم سے ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کچھ بھول گئے اور شیطان کے پھندے میں آکر مشرک

ہو گئے اور ان کے شرک کی وجہ بھی یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنی حاجتیں اور مرادیں غیر اللہ سے مانگتے ہیں اور خدا ان کی حاجات کو اپنی کریمی

اور فضل کے ماتحت پورا کر دیتا ہے کیونکہ نشان خداوندی یہی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیں انہوں نے ہی سب کچھ دیا ہے جن سے

ہم مانگ رہے تھے پس ان کی یہ غلط فہمی ان کو حد شرک تک لے گئی کہ انہوں نے ان کو ہی اپنا حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا مان لیا اور

خدا کو بھول گئے اور جب وہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر مانگ رہے تھے پس خدا ان کی حاجات کو پورا نہ کرتا تو وہ خدا کی طرف ہی پلٹے اور

غیر اللہ کی عبادت سے بچ جاتے اور خداوند کریم کی طرف سے یہ بڑی آزمائش ہے۔ ہم نے دیکھا ہے ہندو لوگ مورتیوں اور بتوں کے

سامنے اپنی حاجات کا ذکر کرتے تھے اور آخر ان کی بھی پوری ہو جاتی تھیں پس وہ ان کو اپنا دیوتا مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور یہی

شرک کا مبنی ہے تو بروز محشر مشرکین کے معبود یہی جواب دیں گے کہ تیرا ان کی حاجات کو پورا کرنا حالانکہ وہ غیر اللہ سے مانگ رہے تھے

ان کی گمراہی کا سبب ہے۔

أَنَّهُمْ لِيَاكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

روٹی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور کیا ہم نے تمہارے بعض کو

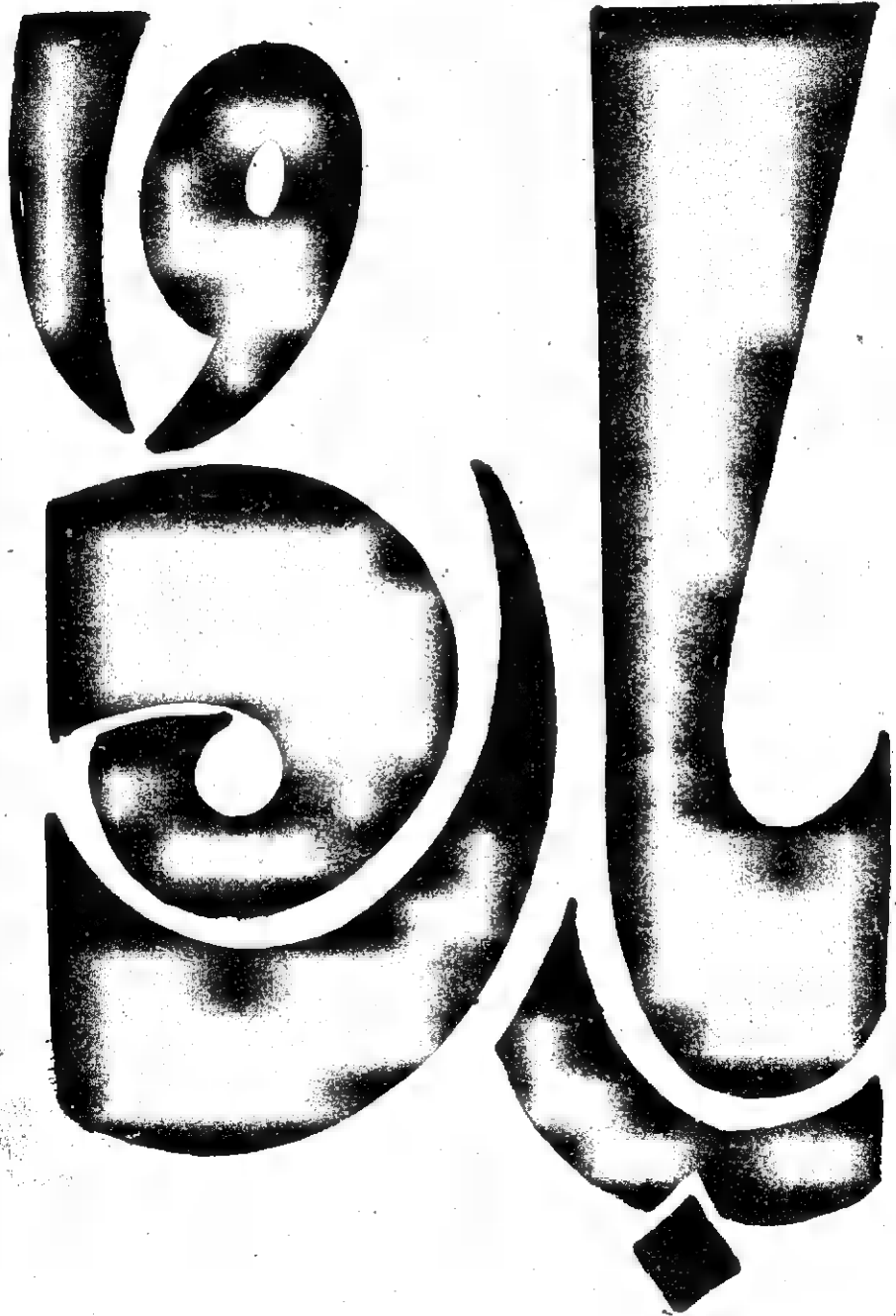
فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ ع

بعض کے لئے آزمائش کیا تم صبر کرو گے ؟ اور ہے رب تیرا آگاہ

فَقَدْ ذَكَرْنَا لَكَ إِسْرَافَ مَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ لِمَنْ أَهْلَكَ الْأَمْوَالُ الَّتِي نَكَسَبُوا وَتَلَاؤُنَا بِمَنْ كَفَرَ بِهِ وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِسْلَامِ فَهُمْ يَأْمُرُونَ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَالْيُقْرَبَاتِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَجْرًا كَبِيرًا

وَمَا أَمَّا سَأَلْنَا - اب حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ صرف تو نہیں بلکہ تجھ سے پہلے جس قدر رسول آتے رہے ہیں سب روٹی بھی کھاتے تھے اور گیوں بازاروں میں بھی چلتے تھے اگر مشرکین مکہ اعتراض کریں تو اس کی پروا کئے بغیر اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھے۔

وَجَعَلْنَا - یعنی ہم نے لوگوں میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش اور فتنہ بنایا ہے۔ مثلاً امیر لوگ غریبوں کے لیے آزمائش گاہ ہیں اور فقیر لوگ امیروں کی آزمائش گاہ ہیں اسی طرح تندرست بیماریوں کے لیے اور بیمار تندرستوں کے لیے اور خوبصورت بد صورتوں کے لیے اور بد صورت خوبصورتوں کے لیے وعلیٰ ذالقیاس۔ پس ہر ایک کو پروردگار نے صبر و ضبط کی تلقین فرمائی ہے اور امیروں کا صبر یہ ہے کہ اپنی امیری پر شکر خدا بجالائیں اور فقیروں کے حقوق ادا کریں اور فقیروں کا صبر یہ ہے کہ خدا کی قضا پر صابر و شاکر رہیں اور حلال سے آگے قدم نہ رکھیں۔ اسی طرح ہر صنف کو دوسروں سے عبرت بھی لینی چاہئے۔ اور اپنے حل پر صابر و شاکر بھی رہنا چاہیے پس بیمار تندرست کو دیکھ کر اللہ سے تندرستی کی دعا مانگے اور صبر سے کام لے اور تندرست بیمار سے عبرت حاصل کر کے شکر نعمت اور حقوق کی بجا آوری کی کوشش کرے۔



وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا أَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَكَةُ أَوْ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی کیوں نہیں اتارے گئے ہم پر فرشتے یا (کیوں نہیں) دیکھتے ہم

نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عَنَّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اپنے رب کو تحقیق انہوں نے تکبر کیا اپنے نفسوں میں اور سرکش کی سرکش بڑی

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُولُوْنَ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو تو نہ خوش خبری ہوگی اس دن مجرموں کو اور کہیں گے

حَجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدْ مَنَّ اِلَى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ

(فرشتے) پکی حرام ہے (تم پر جنت کی خوشخبری) اور قصد کریں گے طرف ان کے عمل کے جو انہوں نے کئے تھے پس

هَبًا وَّمَنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقْرَرًا وَّاَحْسَنُ

کردینگے ان کو غبار پھیلا ہوا جنت والے اس دن اچھے ٹھکانے اور بہترین آرام گاہوں میں ہوں گے

## رکوع نمبر ۱

وَقَالَ الَّذِينَ - یعنی کافر و مشرک لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں اتارا گیا یا ہم خود اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے تاکہ ہمیں بتائیں کہ آپ سچے رسول ہیں۔

يَرَوْنَ الْمَلَكَةَ - یعنی بروز عشرہ فرشتوں کو دیکھیں گے لیکن اس وقت فرشتے انکو خوشخبری نہیں سنائیں گے بلکہ کہیں گے جہاؤ تم پر جنت حرام ہے۔

حَجْرًا مَّحْجُوْرًا - اصل حجر کاوٹ کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہاں ایک محاورہ نقل کیا گیا ہے کہ عربوں میں یہ دستور عام تھا جب کوئی شخص کسی جگہ اپنے دشمن کو دیکھتا تھا اور اسے ڈر ہوتا تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیا تو یہ لفظ استعمال کرتا تھا کہ اس وقت تم میں اور مج میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی اور ہمارے لیے ایک دوسرے کا قتل ممنوع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں میں یہ لفظ دشمن ایک دوسرے کو کہتے تھے حَجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی اب چونکہ حرمت والا مہینہ ہے لہذا ہم پر ایک دوسرے کا قتل عام حرام ہے پس وہاں فرشتے کہیں گے کہ تم پر جنت کا داخلہ یا خوشخبری حرام ہے یا یہ کہ مجرم لوگ دنیا میں جس طرح اپنے بچاؤ کے لیے یہ فقرہ استعمال کرتے تھے جہنم سے بچاؤ کے لیے فرشتوں کے سامنے

مَقِيلًا ﴿٢٣﴾ وَيَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٤﴾

اور جس دن پھٹے گا آسمان بادل سمیت اور اتارا جائے گا فرشتوں کو

الْمَلِكِ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٤﴾

ملک اس دن سچ بیچ اللہ کا ہوگا اور وہ کافروں پر سخت ہوگا

وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ

اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول کے ساتھ

الرَّسُولِ سَيِّئًا ﴿٢٥﴾ يُوبِئْتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

راستہ بٹے افسوس کاش میں نے نہ بنایا ہوتا فلاں کو دوست

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خُدُولًا

تھیں اس نے مجھے گمراہ کیا ذکر سے بعد اس کے کہ میرے پاس پہنچا اور شیطان ہے انسان کو رسوا کرنے والا  
جی بھی فقہرہ بولیں گے کہ ہمیں دوزخ سے معافی دی جائے لیکن وہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور دنیا میں ان کی کی ہونی نیکیاں سب بہا  
منشور ہو جائیں گی۔

مَقِيلًا قیلو کی جگہ اور قیلو دوپہر کے آرام کا نام ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہ ہوگی۔

الْمَلِكِ يَوْمَئِذٍ۔ ویسے تو تمام آسمانوں اور زمین کا واحد مالک اللہ ہے لیکن دنیا میں شاہان وقت کو عارضی طور پر حکومت  
حاصل ہے پس بروز قیامت تو سوائے ذات سبحانہ کے کسی کی ذرہ بھر بھی حکومت نہ ہوگی اور سب اس کے فضل کے محتاج ہوں گے۔

وَيَوْمَ يَعْصُ۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ  
آیت عقبہ ابن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں اتری۔ یہ دونوں آپس میں دوست تھے اور عقبہ کا دستور

تھا کہ ہر سفر سے واپسی پر دعوت دیکر اشراف مکہ کو کھانا دیتا تھا اور جناب رسالتاب کے پاس بھی اکثر بیٹھا کرتا تھا ایک سفر سے واپسی پر اس  
نے حضور کو بھی اپنے ہاں کھانے پر مدعو کر لیا۔ جب آپ اس کے گھر میں تشریف لے گئے تو فرمایا میں تیری دعوت نہ کھاؤں گا جب تک  
تو توجید پروردگار اور میری نبوت کا اقرار نہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادتین کو زبان سے جاری کر لیا اور حضور نے کھانا تناول فرمایا جب ابی  
بن خلف کو اطلاع ملی تو وہ اس پر ناراض ہوا کہ تو بے دین ہو گیا اس نے معذرت پیش کی کہ چونکہ وہ میرے کلمہ شہادتین کے بغیر کھانا نہیں کھاتے  
تھے اور ان کا بغیر کھانے چلا جانا میری توہین تھی۔ اس لیے وقتی طور پر میں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابی بن خلف نے کہا میں تیرے اوپر تب راضی

# وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝۳۰

اور رسول کہے گا اسے پروردگار تحقیق میری قوم نے کر دیا اس قرآن کو متروک

ہوں گا کہ تو جا کر ان کے منہ پر تھوک دے (معاذ اللہ) اس ماحون نے ویسا ہی کیا اور مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گیا۔ آخر کار جنگِ بدر میں ذلیل ہو کر مارا گیا اور ابی بن خلف، کو خود حضور نے جگا۔ ۱۰۵ کے دن اپنے ہاتھوں دار البراء پہنچایا۔ عقبہ نے جب حضور کی طرف تھوکا تھا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے اپنے منہ پر پڑی تھی جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے تھے اور آخر عمر تک اس کے منہ پر یہ داغ رہا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ رسیلہ میں جو وفاتِ پیغمبر کے سات دن بعد جب کہ جمع قرآن سے فاسخ ہو چکے ارشاد فرمایا ان دونوں نے میرے ساتھ اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ چہ آپ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے۔ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ لَبْعَدُ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَوْمَيْنِ الْهٰذَا یعنی کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا پس تو میرا بڑا ساتھی تھا اور کہیں گے يَا لَيْتَنِي لَوْ اَخَذْنَا حَبْلًا مِّنْكَ كَمَا حَبَلَكُمَا کو میں نے اپنا دوست نہ بنایا ہوتا کہ اُس نے مجھے ذکر سے روک لیا اور شیطان ہی انسان کو سوا کرتا ہے پس میں وہ ذکر ہوں جس سے انہوں نے منہ پھیرا۔ اور میں وہ سبیل ہوں جس سے وہ روگردان ہوئے اور میں وہ ایمان ہوں جس کا انہوں نے انکار کیا اور میں یہ قرآن ہوں جس کو انہوں نے چھڑ دیا اور میں وہ دین ہوں جس کی انہوں نے تکذیب کی اور میں وہ صراط ہوں جس سے انہوں نے پھلوتی کی تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے یہ آیتیں قریش کے دو آدمیوں کے حق میں نازل ہوئیں جو ظالم ہیں ایمان لاپکے تھے اور درحقیقت منافق تھے۔ جس دن صحابہ میں صیغہ مواعجات جاری ہوا تو وہ دونوں ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنے پس ایک نے دوسرے کو راہِ مستقیم سے روکا اور دونوں ہلاک ہوئے۔ بروزِ محشر دونوں کی حسرت کا خدا ذکر فرما رہا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر لیشان ہونگے بہر گیت تغزیل کے لحاظ سے اگرچہ آیات عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں ہیں لیکن اس کی تاویل بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے اور اس کی تاویل بھی زندہ ہے اور روایات اہلِ محمد سے بکثرت وارد ہیں کہ رسالتِ کتاب کے بعد جن لوگوں نے ولایتِ علی کو ترک کیا اور عہدِ غدیری کو توڑ کر خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے وہ ظالم ہیں اور بروزِ قیامت وہ اپنے اس کثرت پر پشیمان ہوں گے اور ایک دوسرے سے بیزاری بھی کریں گے لیکن اس وقت یہ باتیں ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث نہ بن سکیں گی۔ اور حضور بھی فریاد کریں گے کہ میری قوم و امت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح ہر دوست اپنے دوست سے بروزِ قیامت بیزار ہوگا۔ جن کی دوستی دین کی دشمنی کی وجہ بنی تھی۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِمَ كَلَّمَ اللَّهُ غُلَامًا مِّنْهُمْ إِنَّا نَمُنُّ بِالَّذِينَ نَحْنُ فِيهِمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَهُمْ قَبْلَ هٰذَا قَوْمًا فَتُفْسِدُوا فِيهِمْ أَفَلَا تُعْقِلُونَ ۝۳۱

اگٹھا کیوں نہیں نازل ہوا خداوند کریم نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ یہ تیرے دل کی تقویت کے لیے ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً جبریل کا آنا

وَكذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ

اور اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن مجرموں میں سے اور کافی ہے تیرا رب

هَادِيًّا وَنَصِيرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہادی اور مددگار اور کہا کافروں نے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن

الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۗ كَذَلِكَ لِنُبَيِّنَ لَكَ بِهٖ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ

کو ایک دفعہ یہ اس لئے تاکہ مضبوط کریں ہم اس سے تیرے دل کو اور اس کو ہم نے

تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ

واضح کیا خوب اور نہیں لائے تیرے پاس وہ کوئی مثال مگر یہ کہ ہم نے بھیج دیا حق اور بہترین تفسیر (جواب میں)

تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ يَحْشُرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ

وہ لوگ جو اپنے منہ کے بل جہنم کے طرف مشور کیا جائے گا ان کا برا

اور آیات کا موقعہ بوقعدہ نازل ہونا تقویت اسلام اور تسکین مومنین کے لیے بہت اچھا بہانہ تھا اور کفار کو اس کا جواب دینا ضروری نہیں

سمجھا گیا۔ اس لیے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کے دلائل کافی دیئے جا چکے تھے۔ اور پھر قرآن کا چیلنج بھی ہو چکا تھا جو منصف مزاج طبقہ کے

لیے کافی تھا۔

رَتَّلْنَاهُ۔ کھلا اور واضح نازل کیا یا یہ کہ ہم نے اس کو مناسب مواقع پر ایک آیت کے بعد دوسری کو وقتاً فوقتاً اتارایا یہ کہ ہم نے اس

کو مفصل و برہن نازل کیا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ۔ یعنی کافر لوگ جو بھی تمہیں بیان کریں ہم اس کے جواب میں حق کی بہترین تفسیر نازل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يَحْشُرُونَ۔ تفسیر برہان میں غیبت نعمانی سے مروی ہے کہ منہ کے بل وہ لوگ مشور ہوں گے جو پیغمبر کے بعد

مرد ہو گئے۔ اور غیبت کو توڑ کر ناکیشن کے زمرہ میں شامل ہوئے اور اپنے نبی کے حقیقی جانشین سے لڑے جو ان میں عالم فاضل سیاحل لوہا

ماک کو شرا اور حجت خدا تھا اور کعبہ کے رب کی قسم وہ علیٰ ہی ہے۔ جو سب سے اعلم و اقدم تھا۔ (الحديث لمحضاً)

فَدَمَّرْنَا هَهُمْ ۗ تَدْمِيرًا ۗ تَبْيِيرًا ۗ وَنُورًا ۗ

رکوع ۲ اور ان کا معنی ہے ہلاک کرنا۔

اصحاب رس و اصحاب الرس۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں، اور اس کنوئیں کا نام ہے جس میں کافروں نے اپنے نبی کو زندہ ڈال کر

شَرُّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۷ ۱۱۰ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ

ٹھکانا اور نہایت بد طریقہ ہے اور تحقیق وہی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور

جَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝۳۸ ۱۱۰ فَقُلْنَا أَذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ

کیا ہم نے ساتھ اس کے ہارون کو وزیر پس ہم نے کہا جاؤ طرف اس

الَّذِينَ كَذَّبُوا آيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝۳۹ ۱۱۰ وَقَوْمَ نُوحٍ

قوم کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک کیا اچھی طرح اور قوم نوح نے جب

لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ط وَ

جھٹلایا رسولوں کو تو ان کو ہم نے غرق کر دیا اور کیا ان کو لوگوں کے لئے نشانی اور

أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۴۰ ۱۱۰ وَعَادًا وَثَمُودًا وَ

تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے عذاب دردناک اور عاد و ثمود اور

أَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۝۴۱ ۱۱۰ وَكَلَّا ضَرَبْنَا

اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کیا) اور ہر ایک کے لئے ہم نے

اوپر پتھر سے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیون و علل حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے ایک شخص

نے شہادت سے تین روز قبل اصحاب رس کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو نے ایسی بات دریافت

کی جو آج تک کسی نے نہیں پوچھی اور تجھے میرے سوا کوئی دوسرا جتا بھی نہیں سکتا اور میں وہ ہوں کہ مافی کتاب اللہ ایضاً

الْأَعْرُفُهَا وَأَعْرُفُ تَفْسِيرُهَا وَفِي آيَةِ مَكَانٍ نَزَلَتْ مِنْ سَهْلٍ أَوْ جَبَلٍ وَفِي آيَةٍ وَقْتُ مَنْ كَيْلٍ أَوْ

شَهَارٍ وَإِنَّ هُنَا لَعِلْمًا جَمًّا وَأَشْأَسِرًا إِلَى صَدْرِهِ وَلَكِنْ كَلَّابَةُ لَيْسِيَّةٌ وَعَنْ قَلِيلٍ تَشْدُ مَوْنٌ لَوْ فَقَدْ

تَسَوَّى۔

یعنی قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں اس کی تفسیر کو جانتا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں اتری ہے۔ سہل میں یا جبل

میں اور کس وقت اتری ہے دن کو یا رات کو اور تحقیق یہاں علم کا سمندر موجود ہے (اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لیکن اس

کے طلب کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اور عنقریب جب میں نہ ہوں گا تو تم پتھان ہو گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ یہ لوگ درخت صنوبر کی پوجا



# لَهُ الْأَمْثَالُ وَكَلَّاتُنَا تَبِيرًا ۝ ۳۹ ۝ وَلَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقَرْيَةِ

بیان کیں مثالیں اور ہر ایک کو ہم نے بلکہ کیا اچھی طرح اور تحقیق آئے اس بستی پر جس پر

کرتے تھے اور اسے شاہ درخت کہا جاتا تھا۔ طوفان کے بعد خداوند کریم نے حضرت نوح کے لیے ایک چشمہ پیدا کیا۔ جس کا نام دوشاہ تھا۔ اور یا نشہ بن نوح نے اس کے کنارے پر درخت صنوبر لویا تھا۔ اصحاب رس کے بارہ شہرتے جو نہایت آباد اور سرسبز و شاداب تھے۔ پس خدا نے ان میں یہود بن یعقوب کی اولاد کے ایک نبی بھیجا جو ان کو بت پرستی سے منع کرتا تھا۔ پس انہوں نے ایک کنواں کھودا اور بنی کو اس میں ڈال کر اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ خداوند کریم نے ان کو گرفتار عذاب کیا۔ چنانچہ اوپر سے تیز و تند سُرُخ آندھی چلی اور نیچے سے زمین گندھک بن کر آتش فشاں بن گئی۔ اور آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ جن سے آگ برسنے لگی۔ پس وہ جھلس کر فی النار ہو گئے اور قہر سے منقول ہے کہ رس ایک نہر کا نام ہے جو آذربایجان میں تھی۔ (معضا)

دوسرا قول یہ ہے کہ مالدار لوگ تھے مال مویشی چراتے تھے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر بت پرستی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیبؑ ان کے نبی تھے انہوں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پس خدا نے کنوئیں کو خشک کر دیا اور ان کو زمین نکل گئی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ رس یا مدین میں ایک بستی تھی اور اس کا نام فلج بھی تھا جنہوں نے اپنے نبی کو قتل کیا۔ پس عذاب میں گرفتار ہوئے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حنظلہ نبی کی اُمت ہے۔ انہوں نے نبی کو قتل کیا اور خود مبتلائے عذاب ہوئے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ انطاکیہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام رس ہے جس میں حبیب بخارا کو قتل کیا گیا۔

چھٹا قول یہ ہے کہ اصحاب رس وہ لوگ تھے جن کی عورتیں آپس میں مساحت کرتی تھیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے آپ سے سحقی کی سزا پوچھی تو آپ نے فرمایا اس کی سزا زانی کی سزا کے برابر ہے تو اس نے قرآن سے اس کا ثبوت طلب کیا تو آپ نے فرمایا اصحاب رس سے یہی تو مراد ہے اور بروایت قہر آپ سے ایک عورت نے دریافت کیا جو عورت دوسری عورت کے ساتھ فعل بد کرے اس کی کیا سزا ہے آپ نے فرمایا اس کو بروز قیامت آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور اس کے اندر آگ کے عمود داخل ہوں گے اور اس کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس عورت نے کہا یہ قرآن مجید میں تو کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا اصحاب رس پر عذاب اسی فعل بد کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا اٰہل مکہ اور بالخصوص قریشی لوگ جو بالعموم شام کی طرف بغرض تجارت آمد و رفت رکھتے تھے اور قوم لوط کی زمین سے گذرتے تھے۔ جہاں ان پر عذاب آیا تھا اسی کی یاد دہانی کر رہا ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ لوگ کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس بستی کا نام سدوم تھا۔

اَمْثَالِیَّت۔ مشرکین مکہ کا یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی اچھا درخت یا خوبصورت پتھر ان کی آنکھوں میں پڑ جاتا اور دل کو بھاجاتا تھا تو پہلے خدا کو چھوڑ کر اس کو خدا بنا لیتے تھے اور اس کی منتیں نیازیں دینے لگ جاتے تھے۔ ایک عرب ایک دفعہ اپنے مصنوعی خداداد بت

الَّتِي أَطْرَتْهُ رِ السَّوِطِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلْ كَانُوا

پتھروں کا بند برسایا گیا۔ سچتہ تو کیا انہوں نے ان کو نہیں دیکھا بلکہ یہ

لَا يَرْجُونَ نَشُورًا ﴿٣٧﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُ وَنَكَ الْأَهْزُونَ

قیامت کی امید نہیں رکھتے اور جب وہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرے ساتھ مسخری کرنے لگتے ہیں

أَهْدَى الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٣٨﴾ إِن كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنِ الْهَيْتِنَا

کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے | تحقیق قریب تھا کہ ہمیں اپنے خداؤں سے بھٹکا دے

لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرُونَ الْعَذَابَ

اگر ہم نہ ثابت قدم رہتے اس پر اور عنقریب جان لیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو

کی عبارت کرنے پامنت ماننے کے لیے آیا تو دیکھا کہ ایک لومڑی اس پر پیشاب کر رہی تھی پس فوراً اس نے یہ شعر کہا ہے  
وَمَاتَ يَبُولُ الشَّغْبَانُ مِثْرًا سِيمًا لَقَدْ ذُلٌّ مِّنْ بَالِكَ عَلَيْنَا يَا مُعَالِبُ

ترجمہ: بعض ایسے رب بھی ہیں جن کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی پھرتی ہیں بے شک وہ بڑا ذلیل ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کریں۔

اُمّ تحسب یعنی جناب رسالت مآب کو ارشاد ہوا کہ تقریر سننے والوں کی زیادتی سے یہ خیال نہ کرو کہ ان کی اکثریت بات کو سنتی اور سمجھتی ہے اور ہمیشہ ہی دستور ہے۔ سننے والے حاضرین میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سننے والوں میں سے

سمجھنے والے اور بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو انسان یا حیوان بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔  
اللہ تعالیٰ اللہ اپنی عمومی نعمتوں کی یاد دہانی کر رہا ہے کہ دیکھو میں نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا اور اگر چاہتا تو یہ سایہ ہر وقت

ٹھہرا رہتا لیکن میں نے دھوپ کے ذریعے سے اس کو آنے جانے والا کر دیا اور دھوپ اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ سائے کی پہچان ہی دھوپ سے ہوتی ہے جس طرح کہ ہر ضد اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ شمس کا معنی سورج بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی دھوپ بھی ہوتا ہے پس

سایہ دھوپ نکلنے کے بعد تھوڑا تھوڑا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور زوال کے بعد بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروب کے وقت بالکل چھا جاتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ رات تمہارے لیے لباس بن گئی کہ اس میں خفیہ کام انجام دے سکتے ہو۔ اور دن کے کاروبار

مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ

کہ کون بھٹکا ہوا ہے راستہ سے کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے بتالیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا تو ہوگا

تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿۴۳﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ لَيْسَمُونَ

اس پر نگلن ؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کی اکثریت بات سنتی یا سمجھتی ہے

أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۴﴾

وہ تو نہیں مگر چوپایوں جیسے بلکہ ان سے بھی زیادہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تیرے رب نے کس طرح پھیلا یا سایہ اور اگر چاہتا تو کرتا اس کو ساکن

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنَا إِلَيْنَا قَبْضًا

پھر کر دیا ہم نے دھوپ کو اس پر دلیل پھر ہم اس کو سورج نکلنے کے بعد اٹھاتے گئے

لَيْسِيرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سَبَاتًا

تھوڑا تھوڑا اور وہ ہے جس نے بنایا رات کو تمہارا لباس اور نیند کو راحت

سے تھک جانے کے بعد نیند کو آرام کا باعث قرار دیا گیا پھر تروتازہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ سورج کو مشرق سے نکال کر ہمیں آگئے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا موقع دیا۔

مَاءٌ طَهُورًا - طہور کے تین معانی ہیں (۱) طہر کا مبالغہ طہور ہوتا ہے (۲) جس کے ساتھ طہارت کی جائے اس کو بھی طہور کہا جاتا ہے۔ پس پانی اور مٹی دو لو طہور ہیں (۳) طہارت کو بھی طہور کہا جاسکتا ہے جس طرح ولد ہے۔ لَأَصْلُهَا إِذْ بَطَّحُوا

أَنَابِسِيٌّ - یا تو انسان کی جمع ہے اور یا دوسری نون کا عوض ہے اور یا انسی کی جمع ہے جس طرح کرسی کی جمع کرسی ہوتی ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت فقیہ حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ اہل دنیا پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس

بارش کا پانی میں بارش نہ برسی ہو۔ البتہ اس کو خدا پھیر پھیر کر برساتا ہے کسی دن کسی علاقہ میں اور کسی دن کسی علاقہ میں ورنہ اگر

ایک جگہ ٹھہری رہے تو آبادی کی بجائے تباہی کی موجب ہو جائے۔

خداوند کریم نے قرآن مجید میں بارش کے پانی کو بالعموم مبارک پانی کہا ہے اور ماہ یساق جو لغت ربیہ ہندی مہینوں کے لحاظ

سے بیساکہ کے مہینے کے مطابق ہوتا ہے۔ اس ماہ میں برسنے والی بارش کے فوائد بہت زیادہ منقول ہیں غرضیکہ اس کو ہر دکھ و بیماری کے لیے مفید کہا گیا ہے چنانچہ اکثر گھروں میں پڑھے لکھے لوگ اس کو جمع کر کے رکھ دیتے ہیں اور سال بھر میں حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے پیٹ کی تکلیف کے مریض کو بارش کا پانی جو باعث برکت ہے اور شہد جو باعث شفاء ہے اور عورت کے حق مہر میں سے کوئی شے جو لطیف خاطر دے دے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے ضیاء مرثیاً کہا ہے۔ ان تینوں کو ملا کر پنی لینے کا حکم دیا چنانچہ وہ شخص صحتیاب ہو گیا۔ تفسیر کی جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۱۱۱ پر حکایت گزر چکی ہے۔ بارش کے پانی کو خدا نے ظہور کہا ہے اور فقہائے امامیہ نے نزدیک یہ آب جاری کے حکم میں ہے جب کہ اس قدر بر سے کہ اسے بارش کہا جاسکے اور اس کی حد یہ بتلائی گئی ہے کہ سخت زمین پر وہ جاری ہو جائے۔

**مسئلہ۔** جس نجس زمین پر کم از کم بارش بر سے اگر اس پر عین نجاست موجود نہ ہو تو وہ پاک ہو جائے گی۔  
**مسئلہ۔** اگر نجس پٹا یا کوئی دوسری چیز جس پر عین نجاست موجود نہ ہو بارش میں رکھی جائے تو تر ہو جانے کے بعد وہ پاک سمجھی جائیگی۔  
**مسئلہ۔** جو عقولاً نجس پانی زمین پر موجود ہو گا اگر رنگ بو اور مزہ اس کا تبدیل نہیں تو بارش کے پڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو چکا ہو تو وہ پاک نہ ہو گا جب تک اس کی یہ صفات زائل نہ ہوں۔  
**مسئلہ۔** جس آدمی نے غسل کرنا ہو تو بدن سے نجاست کو دور کر کے نیت کر کے بارش میں گھڑا ہو جائے۔ پس پورے جسم کے تر ہو جانے کے بعد اس کا غسل ہو جائے گا اور یہ غسل ارتماسی شمار ہو گا۔

**مسئلہ۔** بارش کا پانی زمین پر پڑی ہوئی نجس چیز کو اس وقت پاک کرتا ہے جب کہ براہ راست اوپر پڑ رہی ہو۔ ورنہ اگر پہلے کسی دوسری چیز پر پڑے اور وہاں سے نجس پڑ چک رہی ہو تو وہ پاک نہیں ہو گی۔ لہذا چھت سے ٹپکنے والا پانی یا درخت کے پتوں سے گرنے والا مطہر نہیں ہو گا۔

**مسئلہ۔** بارش برسنے کے دوران میں زمین پر چلنے والا پانی یا اکٹھا کھڑا ہو پانی پاک سمجھا جائے گا۔ اگرچہ آنکھوں کے سامنے اس میں سے کٹا ہی گذر رہا ہو۔ یہ ایسا ہے جس طرح دریا نہر میں سے کتے کا گذرنا اس کی نجاست کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بارش بھی چونکہ آب جاری ہے اور زمین والا پانی اس سے اتصال رکھتا ہے لہذا نجس نہیں ہوتا البتہ بارش رک جانے کے بعد اگر کٹا گذر جائے یا کوئی دوسری نجاست اس میں نظر آجائے تو کڑے زیادہ ہونے کی صورت میں پاک ہو گا ورنہ نجس سمجھا جائیگا۔

**مسئلہ۔** اگر تالاب کا پانی جس میں آب کثیر ہے اور نجاست کے پڑنے سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو جائے۔ پس وہ نجس ہو گا اور صاف نلنہ کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود پاک نہ ہو گا۔ جب تک اس کا اتصال آب جاری یا آب کثیر سے نہ ہو پس ایسے تالاب پر اگر بارش ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

**مسئلہ۔** رکتے پر اگر بارش پڑ جائے اور وہ گھر میں داخل ہو کر کسی پاکیزہ برتن یا کپڑے یا جسم انسانی سے مس ہو جائے یا وہ بدن کو حرکت دے اور پانی کے قطرات اڑ کر دوسری چیزوں پر پڑیں تو اس کو بارش کا پانی سمجھ کر پاک نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ نجس ہوں گے اور

# وَجَعَلَ النَّهَارَ نَشُورًا ﴿۶۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَيْنٍ

اور بنایا دن کو اٹھنے کے لئے اور وہ وہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو اس کی رحمت (بارش) کی

# يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۶۸﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ

خوش خبری دینے کے لئے اور اتارا ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ زندہ کریں

پاک چیز جو اس سے صس ہو جائے گی وہ بھی بخش ہوگی۔

**مسئلہ۔** زمین پر کھڑا ہوا نجس پانی خواہ تالاب و حوض میں ہو یا کسی برتن میں ہو بارش کے پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا۔ خواہ اس کے بعد اس کو ڈھانپ ہی کیوں نہ دیا جائے۔ کیونکہ نجس پانی کی طہارت کے لیے آب کثیر سے صرف بلاقات ضروری ہے۔ پس جس طرح برتن کے اندر کا نجس پانی بارش پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا اسی طرح وہ برتن بھی پاک ہوگا۔ جس میں پانی موجود ہے۔ بہر کیف بارش کو اللہ نے کلام مجید میں تین نام دیئے ہیں (۱) مبارک چنانچہ ارشاد ہے۔ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا۔ یعنی ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل کیا (۲) طہور چنانچہ اسی آیت نمبر ۸۴ میں ہے (۳) رحمت جیسا کہ اسی آیت میں ہے کہ ہم اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوا میں بھیجتے ہیں۔ طہور اور مبارک ہونے کے متعلق قدرے بیان ہو چکا ہے اور اس کا رحمت ہونا ایک ایسا ہی امر ہے کہ اس کی تشریح توضیح و اضمحلت میں سے ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ جن سبز لوہوں باغوں اور کھیتوں کو نہری پانی سے سیراب کیا جائے۔ وہ بھی بارش کے محتاج ہوتے ہیں چنانچہ بارش کی وجہ سے جس طرح ان کی ظاہری رونق میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح دانہ پھل اور نشوونما میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ لذت اور ذائقہ تیزان کی افادہ حیثیت میں نمایاں ترقی ہو جاتی ہے جس کو ذراحت کے فن سے وابستگی رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس علاقہ میں ایک عرصہ تک بارش نازل نہ ہو وہ علاقہ گوناگوں بیماریوں اور تکلیفوں کا مرکز بن جاتا ہے لوگوں کے لیے بلکہ حیوانوں اور حشرات الارض تک کے لیے بارش کی تاخیر ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے پس جس طرح بارش کے نزول سے موسم میں خوشگوار سماں پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح انسانوں کے مزاج میں بھی عمدگی اور بہتری اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور انسانی طبائع خود بخود تندرستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور آئی ہوئی آفات سماہ اور پھیلی ہوئی امراض جمانیہ کا فوری طور پر خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کا کوئی بدل نہیں ناشکرے اور بے قدرے انسانوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ انسا اس کی اس نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ کا انکار نعمت کر کے ٹھکرا دیا۔

**مَوْجِبَ الْبَحْرِ سِينِ۔** یعنی دو دریا جب آپس میں ملتے ہیں تو دور دور تک چلے جاتے ہیں لیکن میٹھا میٹھا رہتا ہے اور تلخ تلخ باوجود ظاہری رو کا وٹھ ہونے کے ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پس درمیان میں قدرتی حد موجود ہے پس اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ اور حسی طور پر مرعی کے اندر سے میں سفیدی اور زرد رنگ کا پانی موجود ہوتے ہیں جو بغیر ظاہری حد کے ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور ایک کا اثر دوسرے سے جدا گانہ رہتا ہے۔

بَلَدَةٌ مَّيْتًا وَسُقْيَاهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْ آسَى كَثِيرًا ﴿٥١﴾

اس کے ذریعے مردہ شہروں کو اور سیراب کریں اپنی مخلوق میں سے جو پاؤں کو اور بہت سے لوگوں کو

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا

اور تحقیق پھر پھر کر برسایا ہم نے ان کے درمیان تاکہ نصیحت لیں پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ کفرانِ نعمت

كُفُورًا ﴿٥٢﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿٥٣﴾

کیا اگر ہم چاہتے تو صحیح دیتے ہر بستی میں نذیر

فَلَا تَطِيعُ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٤﴾ وَهٗو

پس نہ اطاعت کرو کافروں کی اور جہاد کرو ان سے اس (قرآن) کے ساتھ بڑا جہاد اور وہ

الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اٰجَاجٌ وَ

وہ ہے جس نے ملا دیا دو دریاؤں کو کہ یہ میٹھا طیب ہے اور وہ نمکین کھارا ہے اور

۱۸۴. وَمِنَ الْاَنْمَاءِ الْبَشَرُ۔ چونکہ مٹی کو خدا نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے حضرت آدمؑ، بھی پانی کی پیداوار ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اولادِ آدمؑ مراد ہے جو نطفہ سے پیدا ہوئی پس اولادِ آدمؑ میں سے جو مرد ہیں وہ نسب ہیں اور عورتیں صہرہ ہیں کیونکہ بیٹوں سے نسب کا سلسلہ ہوتا ہے اور بیٹیوں سے دامادی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں ابن سیرین سے منقول ہے کہ اس کی تاویل بشر سے مراد حضور رسالتؐ ہیں اور نسب سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں اور صہرہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور بروایت ابن شہر آشوب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی تاویل منقول ہے۔ اور تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ابن سیرین کہتا ہے کہ آیت حضرت رسالتؐ اور علیؑ و بتول کے حق میں اتری ہے اور حضورؐ نے فرمایا: كَلِمَةٌ خَلَقَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا كَانَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ كُفُوًا۔ یعنی اگر علیؑ پیدا نہ ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا اور دوسری روایت میں ہے آپؑ نے علیؑ سے فرمایا لَوْلَا كَلِمَةٌ خَلَقَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا كَانَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ كُفُوًا۔ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو روئے زمین پر فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔

۱۸۵. اَلَا مَسْئُورًا۔ یعنی میں تم سے قرآن اور تبلیغ کی اجرت و فیس نہیں مانگتا البتہ جو شخص خود شہودی خدا کے لئے کچھ خرچ کرنا چاہے تو اس کو میں منع نہیں کرنا بلکہ تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ و خیرات کیا کرو۔

۱۸۶. ثُمَّ اسْتَوَىٰ۔ اس کی تفسیر سورہ اعراف میں گذر چکی ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۲ نیز جلد ۹ صفحہ ۱۷۱ پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ

کردی ان کے درمیان ایک حد اور رکاوٹ مضبوط اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رطبت پانی

بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُونَ

سے انسان کو پس کیا اس کو نسب اور صہر اور تیرا رب قادر ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں

مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ

اللہ کے سوا اس کی جو نہ ان کو نفع دیتا ہے اور نہ نقصان پہنچاتا ہے اور ہے کافر اپنے رب کے خلاف

عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ

معاون (شیطان کا) اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانا والا کبد میں

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ

تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اختیار کرے اپنے رب کی طرف راستہ

سَبِيلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور توکل کر اور پر اس زندہ کے جو نہ مرے گا اور تسبیح کر اس کی حمد کی

فَأَسْأَلُ بِمَا تُبَيِّنُ لِلنَّاسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ الْحَقَّ وَمَنْ يَرْجُ الْكَافِرَ لَا يَتْلُو الْهُدَىٰ وَإِنَّ يَوْمَهُ

اور بعضوں نے کہا ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے اور مجمع البیان میں ہے یہودیوں نے اشیا کی ابتدائی تخلیق کے متعلق جو بیان کیا

تھا وہ قرآن کے خلاف تھا۔ اللہ نے ان کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے کہ یہ باتیں اللہ سے دریافت کرو جو اس چیز کا خیر ہے۔

نَفْسُ مَا أَقْرَأَ قُرْآنًا يُرْتَلُّ فِيهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿۵۸﴾

پہلے سورہ اعراف کی تفسیر میں بیان کیا چکا ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۵۷

بُرُوجًا شَمْسٌ وَقَمَرٌ فِي مَقَامَاتٍ كَمِثْلِ الْوَجْدِ وَنَزَّلَ فِيهِ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ الْأَنْهَارُ

میں سورہ بروج و قمر کے دائرہ گردش میں بروج و منازل کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ

تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر گزر چکی ہے۔ پس ان امور کی حکمت و مصلحت میں غور و خوض کرنا معرفت پروردگار کا محرک

ہے اور صاحبان عقل و دانش کے لیے توحید خالق کی بہترین دعوت ہے۔

وَكَفَىٰ بِهِ ذُنُوبًا عِوَابًا ۖ خَيْرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور کافی ہے وہ کہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہے۔ وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَمَا يَدْنُهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ

اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متصرف ہوا عرش پر جو رحمن ہے

فَأَسْأَلُ بِهِ خَيْرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذْ أَقِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا

پس دریافت کر اس کے متعلق واقف کار سے اور جب کہا جائے ان کو کہ سجدہ کرو رحمن کے لئے تو کہتے ہیں

وَمَا الرَّحْمَنُ الْأَسْبَدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿٦٠﴾ ع

کون رحمان ؟ کیا سجدہ کریں ہم جس کا تو کہے اور زیادہ ہوتے ہیں دوری میں

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا

بارگت ہے وہ ذات جس نے بنایا آسمان میں برجوں کو اور بنایا اس میں سورج

عِبَادُ الرَّحْمَنِ ۗ اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا  
اور پھر سکون ہو کر چلتے ہیں کوئی ٹکڑو بڑائی ان کی رفتار سے ظاہر نہیں ہوتی (۴) جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کریں تو اللہ کے  
بندے ان کا جواب پیش و غصہ سے یا پھر رے پن سے نہیں دیتے بلکہ ایسی بات کرتے ہیں جس میں دنیا و دین کی سلامتی کا راز مضمر ہوتا  
ہے پس ان کا دن سلامتی کا ضامن اور ان کی رات ان کے خالق کے درمیان قرب و وصال کا سماں پیدا کرتی ہے (۳) رات کو عبادت  
یعنی سجدہ و قیام میں گزارتے ہیں۔ (۴) اللہ سے عذاب جہنم کے دفع کرنے کی دعائیں مانگتے ہیں یعنی اللہ کے بندوں کی یہ شان ہے کہ کثرت  
عبادت ان کو خوف خدا سے الگ نہیں کرتی بلکہ جس قدر عبادت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کے دل میں عظمت و جلال پروردگار زیادہ  
ہوتا ہے اور دلوں پر رعب طاری ہوتا ہے اور اس کی گرفت کا ڈر پیش نظر رہتا ہے۔ اسی لئے معصوم نے فرمایا ہے کہ مومن کا ایمان  
خوف اور رجا کے در پہلوؤں کے درمیان بند ہوتا ہے وہ ایک طرف اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور دوسری طرف اس کی گرفت  
کا ڈر رکھتا ہے۔ اور یہ دونوں وزن برابر ہوتے ہیں (۵) اللہ کے نیک بندوں کی یہ علامت ہے کہ خرچ کرنے میں فضول خرچی اور کنجوسی  
دونوں سے بچ کر درمیان خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے نا جائز خرچ کرنا اسراف ہے اور حق پر نہ خرچ کرنا کنجوسی  
ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اپنے کھانے اور پینے میں کوئی اسراف نہیں ہوتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام



وَقَمْرًا مُنِيرًا ۶۱) وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور چاند روشنی دینے والا اور وہ ہے جس نے کیمارات اور دن کو ایک دوسرے کے

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَدَّ تَكَرُّرًا أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۶۲) وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ

بعد آنے والا واسطے اس کے جو چاہے معرفت حاصل کرے یا چاہے شکر گزار بنے اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو

الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُونَ وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ

چلتے پھرتے زمین کے وقار سے اور جب ان سے خطاب کریں جاہلی لوگ۔

قَالُوا سَلَامًا ۶۳) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۶۴)

تو کہیں سلامتی کی بات اور وہ ہیں جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدہ و قیام کی حالت میں

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار پھیر ہم سے دوزخ کا عذاب تحقیق اس کا عذاب

نے فرمایا اسراف اس میں ہے جو جسم و مال کو نقصان دے اور کجخو سی یہ ہے کہ طاقت کے باوجود ناک روٹی پر گزارا کرے اور میاندہی گوشت روٹی وغیرہ (صافی) جلد ۹ ص ۱۲۴ پر بھی اشارہ گزر چکا ہے (۷) ان کی چھٹی علامت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے (۸) ان کی ساتویں علامت یہ ہے کہ نفسِ محترمہ کو قتل نہیں کرتے ناجائز طور پر البتہ قصاص کے طور پر یا شرعی حد کی صورت میں واجب القتل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے (۸) ان کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے۔ تفسیر صافی میں قسی سے منقول ہے کہ اٹامِ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں لگھلا ہوا تانبہ ہوگا اس میں وہ جلے گا جو غیر اللہ کی پرستش کرے یا نفسِ محترمہ کا قاتل ہو۔ اور زانی لوگ بھی اس وادی میں ہوں گے۔

يَخْلُدُ فِيهَا ۶۵) قُرْآنِ مجید میں یہ ایک مقام ہے جہاں فینہ میں ہر ضمیر کے نیچے کسرہ کو پر کر کے یا مرکی حد تک پہنچایا جاتا ہے۔  
الْأَمْنِ تَابِتٌ ۶۵) یعنی توبہ کرنے کے بعد توبہ کرنے والے کے اعمال نامہ میں برائی کی بجائے نیکی لکھی جائے گی اور گناہ کی جگہ ثواب درج ہوگا گویا سابق شرک کی بجائے توحید پرستی اور سابق زنا کی جگہ عفت و پاکدامنی اس کے نامہ اعمال میں ہوگی۔

تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا ہماری اہل بیت کی محبت گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے اور ہمارے مجوں کے مظالم عباد خدا اپنے ذمہ لے لے گا۔ بشرطیکہ انہوں نے مومنوں کی حق تلفی اور ضرر سانی نہ کی ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت صحیح مسلم حضرت ابوذر رضی سے منقول ہے حضور نے فرمایا کہ ہر روز محشر ایک

كَانَ غَرَامًا ۞۲۵۱ اِنْفَاسًا تُمْسَقًا وَمُقَامًا ۞۲۶۱ وَالَّذِينَ إِذَا

سخت ہے تحقیق وہ برکارالتشکاح اور برا مقام ہے اور وہ ہیں کہ جب

انْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۞۲۷۱

خرچ کریں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کچھ ہی کرتے ہیں اور ہے (ان کا خرچ) ان کے درمیان متوسط

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي

اور جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس نفس کو جو

حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۞۲۸۱ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۞۲۹۱

اللہ نے حرام کیا ہے مگر جائز طور پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ فعل کرے گا پائے گا اسی کا بدلہ

يُضَعَّفَ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۞۳۰۱

کہ دگنا کیا جائے گا اس کا عذاب قیامت کے دن اور اس میں ہمیشہ ذلیل رہے گا

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے پس تبدیل کرے گا

برود میں کہ جب لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ اس کو چھوٹے گناہ دکھائے جائیں اور اس کے گناہ ان کی کبیرہ کو مٹا دیا جائے اور وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوگا لہذا اس کی برائیوں کی جگہ پر نیکیاں لکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ بندہ خود حیران ہوگا کہ میرے گناہ کہاں چلے گئے۔ ابو ذرؓ کہتا ہے حضورؐ نے یہ حدیث بیان کی اور اس قدر ہنسے کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

وَالَّذِينَ ۹۳۱، ان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ بے حیائی، فحش اور گانے بجانے کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے اور روایات اہل بیتؑ میں زور سے مراد گانا ہے۔ دور حاضر میں جو مجلس آل محمدؐ کے فضائل و مصائب کے نام سے منعقد کی جاتی ہے اگر اس میں گلوکاری اور فلمی گانوں کی نقالی ہی مالِ مجلس ہو تو یقیناً اس میں حاضر ہونا مجلس زور میں حاضر ہونا ہے اور ثواب تو بجائے خود یہ عمل گناہ کیوں ہے۔

۱۰) ان کی دسویں صفت یہ ہے کہ جب کسی ناشائستہ جگہ سے گزریں یا گناہ کے مقام سے گزریں تو چپکے سے دامن سچا کر چلے جاتے ہیں وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا ۱۱) ان کی گیارہویں علامت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے وعظ و نصیحت کے لئے آیات خداوندی کی تلاوت کی جائے تو وہ آیات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور تفکر و تدبیر کر کے معرفت کی منازل پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا

اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٤٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ

اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو توبہ کرے اور عمل

صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ

صالح بجا لائے تو بیٹھے گا اللہ کی طرف اچھا بیٹھنا اور وہ جو نہیں حاضر ہوتے گانے (کی مجالس) میں

الزُّورَ وَإِذَا مَسَّوَابُ اللَّغُومِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٤٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا

اور جب گزریں گناہ کی چیزوں کے پاس سے تو شریفانہ گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جب ان کو نصیحت کی جائے

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٤٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ

اپنے رب کی آیتوں سے تو نہیں ہٹتے ان کے خلاف بہرے اور اندھے ہو کر اور وہ جو کہتے ہیں اسے ہمارے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ

رب بخش ہمارے لئے ہمارے ازواج اور ہماری ذریت میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور کہ ہمیں متقیوں کا

إِمَامًا ﴿٤٤﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً

امام ایسے لوگوں کو جزا دی جائے گی بلند درجہ کی بوجہ صبر کے اور بھیجا جائے گا ان میں ان پر

وَسَلَامًا ﴿٤٥﴾ خَلِدِينَ فِيهَا حَسَنَتْ مُسْتَقْرَأًا وَمَقَامًا ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا يَعْبُوكُمُ رَبِّي

تحیہ و سلام ہمیشہ رہیں گے اسی میں وہ بہتر فرمایا جائے رہائش اور قیام گاہ ہے کہہ دیجئے کیا پرواہ تھی تمہاری بیس

كُلَّادْعَاءِكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٤٧﴾

رب کو اگر نہ بلاتا تم کو (ایمان کی طرف) پس تم نے جھٹلایا تو عنقریب ہرگاہ (عذاب) ضروری

نہیں کہ بہروں کی طرح نہیں یا اندھوں کی طرح ان کی طرف نہ دیکھیں اور اپنے ضد پر ڈٹ کر پڑے ہیں۔

۱۳. یَقُولُونَ۔ اس آخری صفت کے بلکہ بیان کردہ جمیع اوصاف کے حقیقی مصداق محمد و آل محمد ہیں۔ البتہ بعض صفات شیطان

آل محمد کے چیدہ چیدہ افراد میں پائی جاتی ہیں۔ خدا ہم سب کو محمد و آل محمد کی غلامی کی صحیح توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

قُلْ مَا يَعْبُوكُمُ رَبِّي۔ کہہ دیجئے کیا پرواہ ہے کہ خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی تم خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہو یا کونسی اس کی بگڑی بنا

سکتے ہو۔ اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہ دیتا یعنی دعائے تم میں مصداق اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی اگر خدا تم کو اسلام

کی طرف نہ بلاتا تو اس کو پروا تو نہ تھی لیکن صرف اتنا ہم حجت اور اقتضائے مصلحت کے ماتحت اس نے تم کو دعوت اسلام بھیجی ہے

جس کو تم نے جھٹلایا اور انجام میں جہنم کے حقدار ہوئے۔

فرامین آئمہ سے اس کا معنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کو کیا پر واقعی اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تم کو دوزخ میں بھیج دیتا بڑا آت  
عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ قرأت افضل ہے یا دعا تو آپ نے فرمایا دعا افضل ہے۔ پھر آپ نے  
استشہار کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔

تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تمہاری عبادت نہ ہو۔ پس دعا کو عبادت کے معنی میں لیا  
گیا ہے۔ پس اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جو اس کی عبادت نہ کرے اور فرمانبردار نہ ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔  
چوتھا معنی یہ کیا گیا ہے کہ خدا کو تمہارے عذاب میں گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر تمہارا بعض دوسرے بعض کو شرک و  
کفر کی دعوت نہ دیتا لیکن چونکہ تم نے جھٹلایا تو اب عذاب کا انجام لازمی ہے

۹ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء بمگھر ۲۰ شب جمعہ تقریباً پونے ۸ بجے تفسیر سورہ  
فرقان سے فارغ ہوا ہوں۔ اور خدا سے دعا ہے کہ مجھے بہت جلد اپنی کتاب کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق مرحمت  
فرمائے۔ سجاہ محمد و آلہ الظاہرین۔

## سُورَةُ شَعْرَاءِ

یہ سورہ مکیہ ہے صرف آخری چار آیتیں مدنی ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد دو سو تالیس ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۲۲۸ ہے۔  
تفسیر بیان میں بروایت صدوق ابو بصیر سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص طواسین ثلاثہ (وہ  
تین سو تیس جو طس سے شروع ہوتی ہیں) کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ اولیاء اللہ سے ہوگا۔ اللہ کے جوار رحمت ہیں اور اس  
کی حفاظت میں ہوگا نیز وہ دنیا کی کوئی تنگی نہ دیکھے گا اور آخرت میں اس قدر جنت اس کو ملے گی کہ وہ راضی ہوگا اور اس  
سے بھی زیادہ اس کو ملے گی اور ایک سو حور عین سے اس کی شادی ہوگی۔

جناب رسالت اکبر سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ  
نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی اور قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا نکلے گا اور صبح سویرے جو اس کی تلاوت کرے گا  
گویا اس نے تمام کتب سماویہ کی تلاوت کی اور جو شخص اس کو لکھ کر پانی سے دھو کر پیے وہ ہر بیماری سے شفا پائے گا  
اور جو شخص اس کو لکھ کر ایک مرغ کلنی دار کی گردن میں باندھے تو وہ مرغ اس کے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ خزانے کے  
اوپر پہنچ کر کھڑا ہو جائے گا یا جس جگہ وہ ٹھہرے گا۔ وہاں پانی نزدیک ہوگا (از خواص القرآن)

حضور نے فرمایا جو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتا رہے اس کے گھر میں چور داخل نہ ہوگا اور نہ وہ جلے گا اور نہ غرق ہوگا  
پھر حدیث سابق کی مثل ہے لیکن یہاں مرغ سفید کا ذکر ہے اور یہ کہ یا وہ مرغ خزانے پر ٹھہرے گا یا جادو کے مقام  
پر رے گا اور اپنی چونچ سے کھود کر اس کو ظاہر کر دے گا۔ (از خواص القرآن)

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طَسْمَہٗ ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَآخِجٌ لِّفَسَاكٍ

طَسْمَ یہ آیتیں ہیں کتاب مبین کی شاید تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے آپ کو

الَّذِي كُنُوزًا مِّنَ السَّمَاءِ ۳ اِنْ نَّشَأْنُ نَزَّلَ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ

کہ وہ مومن نہیں ہوتے اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی

آيَةٌ فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۴ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ

پس ہر جا میں ان کی گردنیں اس کے لئے کہ وہ جھکنے والے ہوں اور نہیں آتیا ان کے پاس کوئی

ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحَدِّثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۵ فَقَدْ

ذکر رحمن کی طرف سے نیا مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں پس تحقیق

كَذَّبُوْا فَاٰتِيْهِمْ اَنْبَاؤُ مَا كَانُوْا يَلْتَمِزُوْنَ ۶ اَوْلٰٓئِكَ

انہوں نے جھٹلایا پس آئیں گی ان کے پاس خبریں اس کی جس کے ساتھ وہ مخمخی کرتے تھے کیا انہوں نے نہیں

طَسْمَہٗ۔ آئمہ کی تفسیر میں حروف مقطعات قرآن کے متعلق بحث گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت

رکوع نمبر ۱ نہیں ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت محمد بن حنفیہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طَسْمَہٗ جب نازل

ہوئی تو حضور نے فرمایا ط طور سیناء اس اسکندریہ اور م مکہ ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ط سے مراد درخت طوبی ہے اور اس سے

سدرۃ المنتہیٰ اور م سے محمد مصطفیٰ مراد ہیں۔

تِلْكَ آیَات۔ تک اشارہ ہے غائب کی طرف یعنی ان آیات کی طرف جو ابھی بعد میں اترنے اور پڑھی جانے والی ہیں یعنی

یہ وہی آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا جا چکا ہے اور ممکن ہے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہو اور مبین سے مراد ہے حق اور باطل کے

درمیان فرق کرنے والی۔

بَآخِجٌ۔ یعنی ہلاک کرنے والا۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ قریش مکہ کے ایمان نہ لانے سے آپ کیوں غمزدہ ہیں اگر ہم چاہیں تو آسمان

إِلَى الْأَرْضِ كَمَا أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ إِنَّ فِي

دیجھا زمین کی طرف کہ کس قدر پیدا کئے ہم نے اس میں اچھے جوڑے تحقیق اس میں

ذَلِكَ لَدِيَّةٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے حالانکہ ان میں سے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب غالب

سے ایک نشانی اتاریں جس سے سب کی گردنیں جھک جائیں۔ لیکن یہ تقاضائے مصلحت کے خلاف ہے۔

فَطَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ۔ یہاں طلّت افعال ناقصہ میں سے ہے اور اعناق اس کا اسم اور خاضعین اس کی خبر ہے۔ یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعناق غیر ذوی العقول میں سے ہے اور خاضعین ذوالعقول کی جمع کا صیغہ ہے لہذا حمل کیسے درست ہو سکتا ہے تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) اصل میں اصحاب الاعناق تھا یعنی گردنوں والے جھک جائیں گے تو مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر کھڑا کیا گیا ہے (۲) اعناق سے مراد رؤسا اور امراء کا طبقہ یا یہ کہ عنق سے مراد جماعت اور اعناق یعنی جماعتیں لوگوں کی جھک جائیں گی ان کے علاوہ اور تاویلین بھی ذکر کی گئی ہیں۔

روایات اہل بیت میں بالتواتر منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور آسمانی نشانی سے مراد وہ آواز ہے جو آسمان سے آئے گی حتیٰ کہ ہر پروردہ نشین عورت اپنے کمرے میں بیٹھ کر سن لے گی اور اہل مشرق و مغرب سن سکیں گے اور امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ آسمان کی جانب سے ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام اہل زمین سنیں گے وہ حجۃ اللہ کی آمد اور ان کے ظہور کا اعلان کرے گا کہ بیت اللہ کے پاس وہ ظاہر ہو چکے ہیں لہذا اس کی اتباع کرو۔

مِنْ ذِكْرٍ۔ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور کئی مقامات پر ذکر سے مراد قرآن لیا گیا یعنی جب بھی قرآن کی کوئی نئی آیت اترے تو یہ لوگ اندر ہر حسد و عناد منہ پھیرتے ہیں۔ خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے فرمایا کہ اب تو وہ تکذیب کرتے ہیں لیکن اس سحری اور رُوگردانی کا مزہ ایک دن ضرور چکھیں گے۔

زَوْجٍ كَرِيمٍ۔ یعنی زمین پر ہم نے انسانوں کے منافع کے لئے ہر جنس کا جوڑا جوڑا لگایا ہے مقصد یہ ہے کہ مختلف قسم کے میوہ جات سبزیاں، پھل وغیرہ پیدا کئے ہیں اور کریم سے مراد ہے کہ وہ قابل شکر اور قابل عزت ہیں اور ہم نے زمین سے اگنے والی اشیاء کے جوڑے ہونے کی وضاحت تفسیر نہا کی جلد نمبر ۸ میں صفحہ ۱۰۴ پر کی ہے۔

خداوند کریم نے اپنے حبیب کی دل جوئی کے لئے سابق انبیاء کے قصص بیان کئے ہیں تاکہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی سے غمزہ نہ ہوں، اور

رکوع ۶ حضرت موسیٰ کا ذکر

اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي ۱۹۲۰ حضرت موسیٰ اکی زبان میں تلاوت کی وجہ جلد نمبر ۸ پر دیکھئے۔

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾ وَاذْنَادِي رَبِّكَ مُوسَىٰ إِنَّ أَنْتَ الْقَوُّمَ

مہربان ہے اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے

الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمٌ فِرْعَوْنُ الَّذِي تَقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ

پاس یعنی قوم فرعون کے ہیں کیا وہ خوف نہ کریں گے کہا اے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ

أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ

وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان میں روانی نہیں پس بھیج طرف

إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ

ہارون کے (کہ میری مدد کرے) اور ان کا میرے اوپر ایک دعویٰ ہے پس ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں فرمایا

عَلَىٰ ذَنْبٍ یعنی قہیوں کا میرے اوپر ایک دعویٰ ہے اور وہ یہ کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ انتقام میں وہ مجھے قتل کر دیں۔

جناب رسالت مآب سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ میرے بھائی موسیٰ نے کوہ طور پر اپنے پروردگار سے مناجات کی تھی آخر میں خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ڈرو مت کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس کا جواب حضرت موسیٰ نے جو دیا تھا اس کا ذکر خدا خود فرماتا ہے کہ میں ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں لہذا مجھے ان سے قتل کا اندیشہ ہے لیکن اس طرف علیٰ کو دیکھو کہ میں نے اس کو سورہ برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا ہے حالانکہ علیٰ ان کے کافی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے لیکن نہ ڈرانہ گھبراہ اور نہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کا خوف کیا مکہ والے علیٰ پر دانت پیتے رہے کیونکہ علیٰ کے ہاتھوں کسی کا باپ مارا جا چکا تھا اور کسی کا بھائی قتل ہو چکا تھا۔ پس خدا نے اس کو محفوظ رکھا اور وہ واپس ہجرت مدینہ میں پہنچ گیا۔ (الہامس المرصیہ ص ۱۰۰)

فَاذْهَبْنَا۔ یہاں عبارت محذوف ہے یعنی خدا نے ان کی دعا کو مستجاب کیا اور ہارون کو موسیٰ کا ساتھی قرار دے کر اب دونوں کو جانے کا حکم دیا اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے

قَالَ الْكُفْرُ۔ یہاں بھی عبارت محذوف ہے کہ دو لوگئے اور فرعون کو پیغام حق سنایا۔

تفسیر یہاں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرعون نے موسیٰ کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور دروازے بند کر لئے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو سب دروازے کھل گئے۔ پس آپ سیدھے تخت فرعون کے سامنے چلے گئے اور بے دھڑک پیغام خداوندی سنا دیا تو فرعون نے جواب میں کہا۔ تجھے ہم نے بچنے میں پالا ہے اور کئی سال (ابن عباس

كَلَّا ۚ فَاذْهَبْ بِآيَاتِنَا مَعَكُمْ مُسْتَبْعُونَ ﴿١٥﴾ فَاتِيَا فِرْعَوْنَ

ہرگز نہیں پس تم دوڑ جاؤ ہماری آیات کے ساتھ تحقیق ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں پس جاؤ فرعون کے

فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلُ مَعَنَابِي إِسْرَائِيلَ

پاس میں کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

﴿١٧﴾ قَالَ الْمُرْيِكُ فِينَا وَوَلِيدًا وَاوَلَيْتُ فِينَا مِنْ عُمْرِكَ

(فرعون) کہنے لگا کیا تجھے ہم نے بچنے میں پالانا نہیں اور تو پھڑپھڑا ہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال؟

سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾

اور کیا تو نے وہ کام (قہقہی قاتل) جو کیا حالانکہ تو انکار کرنے والا تھا (ہمارے احسان کا)

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ مَا خَفْتُمْكُمْ

کہا (موسیٰ نے) میں نے وہ اس وقت کیا جبکہ میں راستہ سے بھٹکا ہوا تھا پس تم سے بھاگ گیا جب کہ تم سے ڈرا

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

پس عطا کی مجھے میرے رب نے نبوت اور بنایا مجھے رسولوں میں سے اور کیا یہ احسان ہے جو

سے ۱۸ برس منقول ہیں) تو نے ہمارے ہاں گزارے پھر تو نے ہمارے سب احسانات کو فراموش کر کے ایک قتل بھی کر لیا ہے اپنے نے فرمایا مجھ سے جو قتل ہوا ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر ہوا ہے کیونکہ میرا ارادہ قتل کا نہ تھا یا یہ کہ یہ قتل مجھ سے اس وقت ہوا، جب کہ میں کہیں جاتے ہوئے اپنا راستہ گم کر چکا تھا۔

حُكْمًا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت نبی بنائے گئے بلکہ نبوت اور اس کی استعداد پہلے سے تھی اور اسی بنا پر تو نے اپنے اس کو فرعون کے شر سے (قتل) اور دیگر خطرناک مقامات سے محفوظ رکھا اور دوسری دایہ عورتوں کا دودھ اس پر حرام قرار دیا۔ نیز پس اب گویا اعلان نبوت کا مجھے حکم ملا ہے اور رسول ہو کر تیرے پاس آ گیا ہوں۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ۔ اور فرعون نے چونکہ اپنے احسانات جتلائے تھے اور موسیٰ کو پروردہ نعمت قرار دے کر مرعوب کرنا چاہا تھا تو موسیٰ نے نہایت بے دھڑک ہو کر دو ٹوک بات کہہ دی کہ یہ تیرا کونسا احسان ہے کہ تو نے میری پوری قوم کو اپنا غلام اور قیدی بنا رکھا ہے اگر وہ تیری قیدی میں نہ ہوتے تو مجھے اپنے گھر میں اپنی ماں خود پالتی یا یہ کہ تو نے چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیا ہے



تَمَّمَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ

تو جلا رہا ہے مجھ پر؟ کہ تو نے اپنا عباد بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو فرعون نے کہا

وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

اور رب العالمین کیا ہے؟ (جس کا تو رسول ہے) فرمایا آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَعِينُونَ ﴿٢٥﴾

ان کے اندر ہے اگر تم یقین کرتے ہو کہ رب ایسا ہونا چاہیے اس نے اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم نہیں سُن

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ

رہے ہو؟ آپ نے فرمایا تمہارا رب اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی رب ہے اس نے کہا تحقیق یہ رسول جو تمہاری

الَّذِي أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٦﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے (دوسرے نے کہا) وہ مشرق و مغرب کا رب

الْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَنْ

ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم عقل رکھتے ہو (فرعون) کہنے لگا اگر تو نے

اور اس ڈر سے میری ماں نے مجھے دریا میں ڈال دیا اگر بنی اسرائیل کو تو قیدی نہ بناتا اور ان کے بچوں پر قتل کا حکم نہ کرتا تو میری ماں مجھے دریا میں نہ ڈالتی اور تیری تربیت کی نوبت نہ آتی تو یہ تیرا احسان نہیں بلکہ تیرے ظلم نے یہ اسباب خود پیدا کئے جن کو تو اب احسان کا نام دے رہا ہے بلکہ درحقیقت یہ تو تیرے ظلم کا پس منظر ہے جس پر سجائے اترانے کے تجھے پھینکانا چاہیے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو اس کی تردید نہ کر سکا پس فرما کلام کا رخ بدلتے ہوئے کہنے لگا وہ کون رب العالمین ہے جس کا رسول بن کر آیا ہے؟ یہ بات یاد رہے کہ فرعون نے لفظ "ہے" سے سوال کیا جو طلب حقیقت کے لئے آتا ہے اور ماہیت نامہ جواب میں مطلوب ہوتی ہے اور چونکہ خداوند کریم جنس سے بلند و بالہ ہے اور اس کی کہنہ حقیقت تک رسائی کسی کے بس میں نہیں البتہ وہ اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے پس حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال کے جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے صفات خداوندی کے بیان کو شروع کر دیا کیونکہ فرعون کا سوال غلط اور نا فہمی کی بنا پر تھا پس فرمایا عالمین کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور رب العالمین کی شان یہی ہے گویا حضرت موسیٰ نے افعال خداوندی سے ذات خدا کی معرفت کا درس دیا تو فرعون نے جھٹکا کہ حاضرین مجلس کی طرف دیکھا

اتَّخَذَتِ الْمَآغِزِي لَدَجْعَلَنكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوْلَوْ

میرے علاوہ کوئی اور معبود بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا آپ نے کہا کیسا

جُنُك بَشِي مَبِين ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاتَّبِعْ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

لاؤں میں تیرے سامنے ایک معجزہ ظاہر ہے اس نے کہا ہے آ اگر ہے تو سچا

﴿٣١﴾ فَالْقِي عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ

پس ڈالا اپنے عصا کو تو وہ ایک اژدہا تھا سچ مچ اور آستین سے ہاتھ باہر

اور ازراہ حیرت ان سے کہنے لگا کہ سنتے ہو جو یہ کہہ رہا ہے یہ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو آگے بڑھا کر فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے تو اس کا جواب فرعون کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ کہیہ جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ دیوانہ ہے اور جھوٹے اور لا جواب ضدی انسان کا آخری حربہ یہی ہوا کرتا ہے کہ اخلاق کی حدود کو توڑ کر زبان سے جو چاہے بڑبڑاتا چلا جائے حضرت موسیٰ نے دامن استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ جذبات کی طرف آئے۔ اس کی بگو اس پر کان دھرے بغیر آگے بڑھے اور فرمایا وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے پس فرعون نے لا جواب ہو کر دھکی دی کہ اگر تم مجھے خدانہ مانو گے تو میں تم کو قید کر لوں گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنی صداقت پر معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ جب اس نے مانگا تو آپ نے دو معجزے دکھائے عصا کو زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا اور ہاتھ کو آستین سے باہر نکالا تو یہ بیضا ہو گیا، واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ ص ۶۷ ملاحظہ فرمائیے۔ بروایت قتی اژدہا کے ڈر سے فرعون کے حاشیہ نشین سب دوڑ گئے۔ اور فرعون خود بھی ڈر کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ پس موسیٰ کو اپنے اللہ کا اور سچنے کی تربیت کا واسطہ دیا تو موسیٰ نے عصا کو اٹھا لیا۔ تب فرعون کا ہوش ٹھکانے آیا۔ پس ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ایمان نے کہا شرم کر اب تک تو معبود بنا بیٹھا تھا اب کسی اور کا عبد بنا چاہتا ہے۔

قَالَ لِلْمَلَأِ - یعنی ہوش ٹھکنے آیا تو سرداران قوم  
رکوع نبرا سے مشورہ طلب کیا۔

اَوْجِدُ - اس کی تفسیر جلد نمبر ۶ ص ۶۷ پر دیکھیے۔

نَتَّبِعُ السَّحْرَةَ - یعنی ہم جادو گروں کی بات کو مانیں گے مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی اتباع سے چھٹکارا ملے ورنہ جادو گروں کی اطاعت وہ کیسے کرتا جو اپنے اوپر خالق کی اطاعت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک ہزار جادوگر جمع ہوئے تھے۔ تفسیر صافی سے ان کی تعداد ستر ہزار منقول ہے (تفسیر سورہ طہ) پھر ان میں سے ایک سو کا انتخاب ہوا۔ اور

فَاذْهَبِي بِبُصْبَاٍ لِلنَّظِيرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَأَحْوَلَةِ إِنِّ هَذَا

کیا تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے کہا سرداروں کو جو اس کے ارد گرد تھے تحقیق یہ

لَسِحْرٌ عَلَيْكُمْ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ

ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم کو نکال دے اپنی زمین سے بذریعہ اپنے جادو کے پس

فَمَا ذَاتَ آثَرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجَاهُ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ

تم کیا مشورہ دیتے ہو کہنے لگے شمال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں

الْحَسِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَا تُولِي بِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيمٌ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں ہر بڑے ماہر جادوگر کو پس اکٹھے ہو گئے جادوگر

مُطِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾

مقرر دن کے معین وقت میں اور کہا گیا لوگوں کو کیا تم بھی جمع ہو گے ؟

لَعَلَّ نَأْبِغُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٣٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ

شاید ہم تباہ ہوں گے جادوگروں کے اگر وہ غالب آئے پس جب جادوگر آ گئے

پھر ان میں سے ۸۰ ماہر جادوگروں کو چنا گیا۔ پس انہوں نے فرعون سے کہا مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت روئے زمین پر ہم سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں ہے۔ پس اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم میدان جیت گئے تو میں تم کو اپنے ملکی معاملات میں اپنا مقرب بنا لوں گا پھر جادوگروں نے کہا اگر موسیٰ ہم پر غالب آجائے اور ہمارے جادو کو باطل کر دے پس ہم سمجھیں گے کہ اس کا کرمہ جادو نہیں پس ہم ایمان لانے پر مجبور ہوں گے تو فرعون نے جواب دیا اگر موسیٰ تم پر غالب آجائے تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر اس کی تصدیق کروں گا لیکن تم اپنے ہنر میں کمی نہ کرنا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اسی ذراغ بلند گنبدنا چو تر سے پر بیٹھا تھا جس کے اوپر صیقل شدہ لوہے کی چادر چڑھی تھی کہ دن کی چمک پڑنے کے بعد اس کی طرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

بِعِزَّةِ فَرْعَوْنَ - یعنی ان لوگوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا ہم ضرور غالب ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے عصاؤ الا کہ زمین پر پھینچے ہی تانبے کی طرح پگھلا پھرا ڈوبا بن کر اس نے باجھیں کھولیں اس کا اوپر کا ہونٹ فرعون کے تخت کے اوپر

قَالُوا فِرْعَوْنُ ءَاِنَّ لَنَا لَلْآجِرَ اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٣١﴾

تو فرعون سے کہنے لگے کیا ہمارے لئے کوئی اجر تہا ہوگی اگر ہم جیت گئے

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذَا لِمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى

فرعون نے کہا ہاں اور تحقیق تم تو پھر میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے فرمایا ان کو موسیٰ نے پھینکو جو تم

الْقَوْمَ اِنَّكُمْ مَلْقُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

پھینکنے والے ہو پس انہوں نے پھینکا اپنی رسیوں اور ٹکڑیوں کو

وَقَالُوا بَعِزَّةٌ فِرْعَوْنُ اِنَّ النَّحْنَ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَلْقٰى مُّوسٰى

اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم تحقیق ہم ضرور غالب ہیں پس ڈالا موسیٰ نے

عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَلْقٰى السَّحْرَةَ

اپنا عصا تو وہ فوراً نکل گیا اس کو جو انہوں نے جھوٹ بنا یا تھا پس گر گئے سب جادوگر سجدہ

سٰجِدِيْنَ ﴿٣٦﴾ قَالُوْا اٰمٰنًا رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ رَبِّ مُّوسٰى وَ

کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا رب

تھا اور دوسرا ہونٹ نیچے دکھایا پس وہ جادوگروں کے سب مصنوعی سامیوں کو ٹپ کر گیا لوگوں پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ بے محاشا ڈر کے مارے بھاگ نکلے حتیٰ کہ اس بیٹھ میں دس ہزار کے قریب زن و مرد اور بچے کچل گئے فرعون و ہامان کا ڈر سے کپڑوں میں پاخانہ نکل گیا اور بال سفید ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور حضرت موسیٰ پر بھی خوف طاری ہوا چنانچہ ارشاد ہوا ڈرو نہیں سَتَجِدُنَّ هٰٓا سِبْرَتَهَا اَلْفُلًا کہ اس کو ہم پہلی شکل پر پلٹا دیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی وجہ ہم نے جلد نمبر ۶ ص ۱۰ پر بیان کی ہے اور باقی قصہ بھی مفصل لکھا ہے نیز جلد نمبر ۶ ص ۱۰ پر بھی کافی وضاحت کی گئی ہے۔

اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ - یعنی فرعون کی قوم میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی تھی اور نبی اسرائیل ان سے پہلے ایمان لائے تھے وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى خَدَاوٰدِ كَرِيْمٍ نَّعْمُ اَوْحٰی کی کہ قوم نبی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ کیوں کہ وہ تمہارے تعاقب میں آئیں گے۔

فَاَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ نَ اٰنِطِنَ مَلَاۤئِكَةً تَامِ شَهْرٍ مِّنْ صٰحِيْحَةٍ تَاكِيْ اِيْكٍ لِّشَكْرِ جَمْعِ كَرِكِ اِن كَالْتَعَاقِبِ كِيَا جَاۤءَ اُوْر حَضْرَتِ

ہَارُونَ ﴿۴۸﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهَا قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرِكُمْ

ہے (فرعون نے) کہا تم ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یہ تمہارا بزرگ ہے

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَا قِطْعَانَ أَيْدِيكُمْ

جس نے تم کو جادو سکھایا ہے یہی عنقریب اس کا نتیجہ دیکھو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور

وَأَرْجُلِكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا صِلبَكُمْ أَجْعِلِينَ ﴿۴۹﴾ قَالُوا لَا

پاؤں جانب مخالفت سے کاٹ دوں گا اور ضرورت تم کو سولی پر سب کو لٹکا دوں گا کہنے لگے کوئی

ضَيْرٌ إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۵۰﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

حرج نہیں تھیں ہم اپنے رب کے طرف پلٹنے والے ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ بخشنے کا رب ہمارا ہماری

خَطِيئَاتٍ أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۱﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ

خطاؤں کو کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں اور ہم نے وحی کی موسیٰ پر کہ رات کو لے چلو

۱

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی جن کو فرعون نے ایک قلیل جماعت سمجھ رہے تھے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون کا لشکر ان سے کہیں زیادہ تھا اور تفسیر مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق وہ دس لاکھ مسلح فوجی نوجوان تھے جب کہ موسیٰ کی قوم میں زن و مرد اور بچے بوڑھے بھی موجود تھے اور سب کے سب ہتے شہر سے باہر نکلے تھے کیونکہ ان کی زندگی غلامانہ تھی۔ حذر فرما۔ کہ بعضوں نے حذرون پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ حاذر اس کو کہتے ہیں جو دشمن کے خوف کی وجہ سے اس کے مقابلہ کے لئے چوکنا ہوشیار اور پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہو، اور حذروہ ہے جو دشمن کے خطرہ سے آگاہ ہو، خواہ اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو یا نہ ہو۔

فَأَخْرَجْنَاهُمُ ۖ یعنی ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کو وہاں سے نکالا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غرقابی کے بعد تسلط عطا کیا باقی قرآنی آیات اور تفسیر و کتب میرے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل واپس مصر نہیں گئے لیکن یہاں ان کا مصر پر تسلط ظاہر ہے تو شاید پہلے مصر پر قبضہ کر کے دوبارہ آمادہ سفر ہوئے ہوں اور فلسطین کی طرف جا آباد ہوئے ہوں اور تیرہ میں سرگردانی کا واقعہ بھی شاید اسکے بعد کا ہے قال کلاً۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا بالکل نہ گھبراؤ کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ جو میری رہبری فرمائے گا۔ پس خدا نے پانی پر عصا مارنے کا حکم دیا اور موسیٰ نے پانی پر عصا مارا تو درمیان میں راستہ پیدا ہوا اور

أَسْرِبِأَدِيَّ إِنَّكُمْ مَّتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾ فَأَرْسَلْ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ

میرے بندوں کو تحقیق تم تعاقب کئے جاؤ گے پس بھیجے فرعون نے شہروں میں (کارندے لوگوں کو) اکٹھا

حَسِرِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا

کرنے والے کہ تحقیق یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور تحقیق وہ ہم پر غصے

لِعَائِظُونَ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَازِمُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ

ہو گئے ہیں اور تحقیق ہم سب کو ان سے خطرہ ہے پس ہم نے نکالا ان کو باغات اور

وَعَيْونَ ﴿۵۷﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح اور ہم نے وارث کیا ان کا بنی اسرائیل کو

اور پانی کا ہر ایک کنارہ ایک بلند پہاڑ کی طرح نظر آنے لگا۔ اور اس کا مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد میں ص ۱۲۸ تا ۱۳۰ مذکور ہے اس میں مفسرین کو اختلاف ہے کہ وہ دریائے نیل تھا یا بحر قلزم اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہو کر صحرائے سینا کی طرف آ رہے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل حائل نہیں ہوتا لہذا بحر قلزم ہی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ پانی مصر اور صحرائے سینا کے درمیان حائل ہے۔

فوق۔ افتراق کے بعد ہر کنارہ ایک فرق ہو گیا اور یہ اسم ہے اور مصدر فرق ہے۔

اَزْلَفْنَا۔ جب حضرت موسیٰ اور اس کی جماعت کے سب آدمی پانی میں داخل ہو چکے تو فرعون لشکر سمیت کنارے پر آن پہنچا پس اس کا گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرا یا تو حضرت جبریل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پس گھوڑی کو دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی پانی میں اتر آیا اور جب پوری قوم پانی میں داخل ہو چکی اور ادھر آخری آدمی موسیٰ کی قوم کا باہر پہنچ چکا تو خدا نے پانی کے پاٹ کو ملا دیا۔ پس دونوں کنارے آپس میں مل گئے اور فرعون پوری قوم سمیت غرق ہو گیا۔

المحض از صافی

مَآكَاتٍ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ قوم کے ایمان نہ لانے سے گھبراہٹیں نہیں بلکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ اور اُممیں اپنے زمانہ کے انبیاء کو ستاتی رہی ہیں اور حق کا انکار کرتی رہی ہیں اور نتیجہ میں خدا اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کو کامیاب کرتا ہے۔ اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصریوں میں سے صرف تین آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک آسیہ زین فرعون اور دوسرا مومن

فَاتَّبِعُوهُمْ مَشْرِقِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ

پس انہوں نے تعاقب کیا ان کا دن چڑھے پس جب دیکھا ایک دوسرے کو دونو جماعتوں نے تو کہا تمہارے کے ساتھیوں نے

إِنَّا لَمَدْرَكُونَ ﴿٤١﴾ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٤٢﴾ فَأَوْحَيْنَا

کہ ہم گرفتار ہونے والے ہیں فرمایا ہرگز نہیں تحقیق میرے ساتھ میرا رب مجھے راستہ بتلائے گا پس ہم نے وحی کی

إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ

ٹون ٹون کے کہ مار اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو پس وہ پھٹ گیا پس ہو گیا ہر کنارہ بلند

كَالطُّودِ الْعَظِيمِ ﴿٤٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخِرِينَ ﴿٤٤﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ

یساٹ کی طرح اور قریب کیا ہم نے ان کے گزرنے کے بعد دوسروں کو اور بہتات دی ہم نے موسیٰ کو

وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿٤٦﴾ إِنَّ فِي

اور اس کے سب ساتھیوں کو پھر غرق کر دیا ہم نے دوسروں کو تحقیق اس میں

ذَلِكَ لآيَةٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشان ہے حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب ہی

آل فرعون اور تیسری ایک مریم نامی عورت تھی۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْعَنُونَ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْكُلُوا طِينًا مِنْ يَدِيهِمْ أَن كَانُوا عَمَّٰقِينَ ﴿٤٨﴾

ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا یہ جہانیا ہیں اور عرب لوگ ان کی نسل سے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔

فَإِنَّهُمْ كَانُوا إِتْرَاقًا يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٩﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ يَأْتِي الْغَافِقِينَ ﴿٥٠﴾

مطلب یہ ہے کہ تمہارے معبود اور تم اور تمہارے بت پرست آباء سب کے سب میرے دشمن ہیں سوائے ایک معبود کے

جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ وہی خالق ہے اور اچھائی کی طرف رہبری کرنے والا ہے وہی رازق ہے جو طعام اور پانی عطا

فرماتا ہے اور بیمار ہونے کے بعد شفا بھی وہی عطا فرماتا ہے۔ اور موت و حیات کا مالک بھی وہی ایک خدا ہے اور اسی

سے امید والبتہ ہے کہ ہر روز قیامت لغزشوں سے معافی دے دے۔

العَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ

غالب رحم کرنے والا ہے اور پڑھ ان پر خبر ابراہیم کی جب اس نے

لِرَبِّهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنُظَلُّ لَهَا

اپنے پیچھے اور اس کی قوم سے کہا کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی پس ہم ان کی عبادت

عِيفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ لَيْسَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ

پر ثابت قدم ہیں کہا وہ سنتے ہیں تمہاری بات جب تم ان کو بلا تے ہو اور تمہیں نفع یا نقصان

أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

دے سکتے ہیں؟ کہنے لگے ہم نے دیکھا ہے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے تھے

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَإِبَاءُكُمْ

فرمایا دیکھئے کہ جس کی عبادت کرتے ہو تم اور تمہارے باپ دادا

الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِيَ الرَّبِّ الْعَلِيمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي

گذشتہ تجھتی وہ میرے دشمن ہیں سوائے پروردگار عالمین کے جس نے

خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾

مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے ہدایت کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھانا دیتا ہے اور سیراب کرتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعوت میں جہاں باطل خداؤں کے نقائص بیان کئے۔ وہاں ساتھ ساتھ اللہ کے اوصاف کا ذکر بھی کیا تاکہ باطل سے تبری کے بعد حق سے توحی پیدا ہو جائے۔ گویا پہلے لالہ کو واضح کیا اور پھر اللہ کو ثابت کیا اور یہی حق راستا ہے جو انہوں نے ادا فرمایا۔

یَعْفِرُ ذُنُوبَهُمْ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء معصوم ہوتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لغزشوں کی بخشش کی امید کیوں ظاہر کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد امت کی لغزشیں ہیں جن کے آپ شفیع ہوں گے اور چونکہ معاف کے لئے شفاعت آپ کریں گے اس لئے نسبت اپنی طرف دیدی جس طرح سورہ فتح میں لِيَعْفُوَ لَكَ اللَّهُ حضور کو کہا گیا ہے نسبت حضور کی طرف اور مراد امت کے گناہ ہیں جن کی آپ شفاعت فرمائیں گے۔

حُكْمًا۔ یہاں حکم سے مراد حکمت یا علم یا نبوت باختلاف اقوال لی گئی ہے۔

لِسَانَ صِدْقٍ۔ اس کا لفظی ترجمہ ذکر خیر ہے یعنی بعد میں آنے والے مجھے اچھے الفاظ سے یاد کریں اور اس کی تاویل حضرت علیؑ



وَقِيلَ لَهُمَ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ هَلْ

اور کہا جائے گا ان کو کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا کیا تمہاری مدد کر سکتے

يُنصِرُونَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۹۳﴾ فَكُتِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوَنَ ﴿۹۴﴾

ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں پس منہ کے بل ڈالے جائیں گے اس میں وہ اور ان کے گمراہ پرستار

وَجُنُودِ اِبْلِيسَ اجْمَعُونَ ﴿۹۵﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿۹۶﴾

اور ابلیس کے لشکر سب کہیں گے درحالیکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے

تَا اللّٰه اِنْ كُنَّا لِنَعْنِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نَسُوْكُمْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾

خدا کی قسم تحقیق ہم تھے کھلی گمراہی میں جب کہ تم کو ہم برابر کرتے تھے رب العالمین کچھاتے

وَمَا اَضَلْنَا اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاَلَا

اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرموں نے (جن کی ہم نے تقیید کی) پس نہیں کوئی ہماری شفاعت کرنے والا

صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور نہ دوست قریبی پس کاش ہمارے لئے پلٹنا ہوتا تو ہم ہر جاتے مومنوں میں سے

بعد میں دوسرے لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر مشرک بنے اور تفسیر صافی میں بروایت قمی معصوم سے مروی ہے کہ ہم اپنے گنہگار شیعوں کے لئے اس قدر شفاعت کرینگے کہ دشمنوں کی حسرت بڑھے گی اور کہیں گے ہائے ہمارا نہ کوئی دوست ہے شفاعت کرنیوالا اور نہ کوئی قرابتدار ہے جو مدد کرے تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن قیامت کے دن اپنے قرابتدار کی شفاعت کرے گا حتیٰ کہ اپنے خادم کے متعلق بھی کہے گا اے میرے اللہ یہ میرا خدمت گزار تھا کہ جو مجھے سردی و گرمی کی تکالیف سے بچاتا تھا پس اس کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اسی طرح اپنے ہمسایوں اور اپنے احسان کرنے والوں کے حق میں شفاعت کرے گا۔ جو مقبول ہوگی اور ایک مومن کم از کم تیس آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا۔ (ملاحظاً)

کذب نبی۔ فعل کو مؤنث لایا گیا ہے کیونکہ قوم بتاویل جماعت ہے اور اگرچہ انہوں نے اپنے رسول حضرت رکوع نمبر حضرت نوح کا ذکر نوح کو جھٹلایا تھا لیکن چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب کے برابر ہے اس لئے ان کی طرف تمام رسولوں کی تکذیب منسوب کی گئی گویا انہوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔

وَإِذَا عَرِضْتُ فَهُوَ لَشَفِيفٌ ﴿۸۷﴾ وَالَّذِي يَمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿۸۸﴾

اور جب میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جو مارے گا پھر زندہ کرے گا

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿۸۹﴾ رَبِّ هَبْ

اور وہ جن سے امید کرتا ہوں کہ بخشے گا میری لغزشوں کو قیامت کے دن اے پروردگار! عطا کر

لِي حُكْمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۹۰﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ

مجھے حکم اور مجھے ملا دے ساتھ صالحین کے اور کر میرے لئے ذکر خیر پہنچانے

فِي الْآخِرِينَ ﴿۹۱﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ الْجَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۹۲﴾ وَاعْفُرْ

واہوں میں سے اور کر مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے اور بخش

رَأْسِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِينَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿۹۴﴾

میرے چہرے کی تھیں وہ مگرہوں میں سے تھا اور نہ رسوا کر مجھے قیامت کے دن

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۹۵﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۹۶﴾

جس دن نہ نفع دے گا مال اور نہ اولاد مگر جو آئے اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ

وَأَزَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۹۷﴾ وَبُورَّتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿۹۸﴾

اور بجائی جائے گی جنت متقین کے لئے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ مگرہوں کے لئے

کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر زبان میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے لئے آخرین میں لسان

صدق حضرت علیؑ ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا وَاعْفُورًا لِأَبِي۔ حضرت ابراہیمؑ کا چہرے

کے لئے بخشش کی دعا کرنا اور اس کی وجہ تفسیر کی جلد نمبر ۱۳۲ پر مذکور ہے اور مفصل قسط جلد نمبر ۹ میں ص ۲۲۹ تا ۲۳۰ بھی مذکور ہے۔

يَنْصُرُونَ وَنَكَرُونَ۔ یعنی جب وہ اپنے سر سے عذاب کو نہ ٹال سکیں گے تو تم کو کس طرح عذاب سے بچائیں گے۔ گویا بت پرست

اپنے تہوں سمیت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

فَلْيُكَلِّمُوا۔ یعنی اوندھے منہ اور ایک دوسرے کے اوپر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے اور روایات اہل بیتؑ میں ہے یہ

وہ لوگ ہوں گے جو زبان سے عدل بیان کرتے تھے لیکن مقام عمل میں عدل کے تقاضوں کو بھول جاتے تھے۔

الْمُجْرِمُونَ۔ جرم وہ گناہ ہے جو قابل بخشش نہ ہو اور ذنب وہ گناہ ہے جو بخشا جاسکے۔ اس لئے انبیاء و ائمہ شفیع

المنذوبین ہیں نہ کہ شفیع المجرمین۔ اس جگہ مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے شرک سے توبہ کرنے کے بغیر دنیا سے چلے گئے اور

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِنَّ

تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن اور تحقیق

رَبِّكَ لَهُمُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ

تیزاب غالب رحم کرنے والا ہے جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں

الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾

کہ جب کہ کما ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا وَمَا

تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ فَاتَّقُوا

نہیں مانگتا اس پر کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر اوپر رب العالمین کے پس ڈرو

أَخُوهُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ

دینی بھائی۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ اس آیت کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے کیونکہ معانی الگ الگ ہیں۔ پہلی دفعہ فرمایا میں خدا کا فرستادہ اور امین ہوں۔ اس لئے

میری اطاعت کرو۔ اور اس کے بعد شاید ان کو خیال ہوگا کہ ہم سے کچھ مزوری طلب کرے گا تو صاف لفظوں میں فرمایا کہ تمہاری اطاعت کے لئے

یہ باتیں نہیں کرتا بلکہ تمہارا خیر خواہ ہوں۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی ضامن ہوگی۔

الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ كُفْرَهُمْ كَانَ كِذْبًا ۚ اور یہ ذیل پیشہ لوگ چونکہ تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں لہذا اس زمرہ میں شامل ہونا ہم اپنی تو بہن

سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے پیشے سے مطلب نہیں اور نہ تمہاری بڑائی سے میرا کوئی واسطہ ہے بلکہ میں تو اپنا پیغام پہنچانے آیا

ہوں اور وہ ہر ایک کے لئے یکساں ہے لہذا تمہارے کہنے سے میں غریب طبقہ کے لوگوں کو دھکیل کر نکال دینا پسند نہیں کرتا۔ بہر کیف

جناب رسالت مآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر دور میں انبیاء کی امتیں اپنے رسولوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتی رہی ہیں۔ پس

قریش مکہ اور دیگر اکابر اگر غریب طبقہ کے ایمان پر اعتراض کریں تو آپ پر واہم کے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اور بڑے بڑوں کے ایمان کے

طرح میں غریبوں کو اپنے دربار سے ہرگز نہ نکالیں۔

قَالَوَا ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ

سکی تو اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئی جو ہر چھوٹے فریق کا دستور ہوا کرتا ہے کہ ہم تم کو پتھر ماریں گے یا ہم تجھے بدزبانی کا نشانہ

بنائیں گے۔

اللَّهُ وَأَطِيعُونَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا أَنْزِلْ عَلَيْنَا آيَاتًا ۖ وَقَالَ أُولُو الْأَلْبَابِ اللَّهُمَّ أَنْزِلْ عَلَيْنَا آيَاتًا ۖ وَاتَّبَعُكَ الْأَرْدَلُونَ ﴿۱۱۱﴾

اللہ سے اور میری اطاعت کرو کہنے لگے کیا ایمان لائیں تیرے لئے حالانکہ تیری اتباع کی ہے گھٹیا لوگوں نے

قَالَ وَمَا عَلَيْنِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ إِنَّ حِسَابَهُمُ الْآخِرَىٰ

فرمایا مجھے نہیں پتہ جو وہ کاروبار کرتے ہیں ان کا حساب نہیں مگر میرے رب پر

رَبِّي لَوَشِعْرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّ أَنَا

اگر تم شعور رکھتے ہو اور میں نہیں دور کرنے والا مومنوں کو میں نہیں مگر

الْأَنْذِيرِ مَبِينٍ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا لَنْ لَمَّا تَدْتَهُ يَنْسُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ

صاف ڈرانے والا کہنے لگے اگر تو باز نہ آئے گا اے نوح تو تجھ پر پتھر برسائے جائیں گے

الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي

کہا اے رب تجھتی میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے پس فیصلہ کر میرے

وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ

اور ان کے درمیان واضح فیصلہ اور مجھے نجات دے اور جو میرے ساتھ مومن ہیں۔ پس ہم نے اس کو نجات

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَاقِينَ ﴿۱۲۰﴾

دی اور جو اس کے ساتھ تھے کشتہ میں۔ جو پڑھتی پھر ہم نے غرق کر دیا بعد اس کے باقیوں کو

فَأَفْتَحَ بَيْنِي. حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کا جواب سن کر بارگاہ پروردگار میں درخواست دی کہ اے رب یہ مجھے بالکل جھٹلا چکے

ہیں اب تو ہمارے درمیان فیصلہ کر یعنی ان کو گرفتار عذاب کر اور ہمیں اپنے عذاب سے اور ان کے شر سے نجات عطا فرما۔

الْمَشْحُونِ۔ وہ کشتی آدمیوں اور دیگر حیوانات سے پُر تھی۔ حضرت نوح ۴ کا قصہ سورہ صود میں جلد نمبر ۲۰۳ تا ۲۱۸ مفصل گزرا ہے

اس کے علاوہ جلد ۷ کے صفحہ ۱۴۱ پر اور جلد ۶ کے صفحہ ۴۶ تا ۴۷ پر بھی بیان ہو چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۱ حضرت ہود کا ذکر اور آیات کی تفسیر پچھلے رکوع کی طرح ہے۔

أَتَيْنُونَكُمْ بِكُلِّ رِيحٍ مَّزِينَةٍ كَامِنٍ بَلَدٍ مَكَانٍ يَارَسْتَهُ كَيْفَ يَأْتِيهِمْ يَارَسْتَهُ كَيْفَ يَأْتِيهِمْ يَارَسْتَهُ كَيْفَ يَأْتِيهِمْ

کے قریب مکان بناتے تھے اور آیت سے مراد یہاں مکان ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اس فعل سے منع کیا کہ لہو و لعب کیلئے فالتمس مکان

نہ بنایا کرو۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے ایک دفعہ حضرت رسالتناک شہر سے باہر نکلے تو ایک بلند مکان پر آپ کی نگاہ پڑی۔ آپ نے دریافت کیا کہ

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۱﴾ وَإِن

تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے اور تحقیق تیرا

رَبِّكَ لَهُمُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۲﴾ ع كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۳﴾

رب البتہ وہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم عادر نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۴۴﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم نہیں ڈرتے؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول

أَمِينٌ ﴿۱۴۵﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۴۶﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی

أَجْرًا نَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۷﴾ أَتَبْنُونَ بُكُلًّا مَّرِيعًا

اجرت کیونکہ نہیں میری اجرت مگر اوپر رب العالمین کے کیا بناتے ہو ہر بلند مقام پر مکان کہ

یہ کس کا گھر ہے تو لوگوں نے جواب دیا فلاں انصاری کا ہے۔ پس آپ ٹھہر گئے۔ اتنے میں وہ انصاری آیا اور اس نے سلام کیا لیکن حضورؐ نے منہ پھیر لیا چنانچہ اس نے چند بار ایسا کیا پس اس کو حضورؐ کی ناراضگی کا احساس ہوا اور ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے حضورؐ کے چہرہ پر لال کے آثار دیکھے ہیں نہ معلوم مجھ سے کونسی غلطی ہوئی ہے۔ آخر لوگوں نے کہا کہ ایک دن حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تیرے مکان کے متعلق آپؐ نے پوچھا تھا کہ کس کا ہے اور بتایا گیا کہ یہ فلاں کا ہے پس وہ انصاری اسی وقت اٹھا۔ اور جا کر مکان کو گر دیا اور زمین کو ہموار کر کے واپس آ گیا پھر ایک دن حضورؐ کا اس جانب سے گذر ہوا تو پوچھا وہ مکان کہاں گیا لوگوں نے سارا ماجرا سنا دیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ ہر مکان اپنے مالک کے لئے وبال جان ہو گا۔ بروز محشر سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ ہو مصالح مستضعف کی جمع ہے اس کا معنی ہے بچتہ مکان اور موجودہ اصطلاح کے مطابق عالیشان کوٹھیاں ہائے اگر اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کو حضورؐ دیکھتے کہ ایک طرف غرباء طبقہ کے لوگ کچی جھونپڑیوں کے لئے ترستے ہیں اور دوسری طرف امراء کا دل نہیں ہرتا جب تک ہر ٹپے شہر میں عالیشان کوٹھی نہ ہو یقیناً حضورؐ ایسے مسلمانوں سے بیزار ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لئے اسلام کا دعویٰ کرنا باعث ننگ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی سے کوتاہی کریں اور غرباء کے خون کے گارے سے اپنی قصاصات کو تعمیر کریں ایسے لوگوں کے دل میں رائی برابر بھی خوف خدا نہیں ہوتا اللہ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے تاکہ سب مسلمان بھائیوں کی سی زندگی گزار کر عالم انسانیت کو اسلام کا پیغام دینے کے اہل ہو سکیں۔

آیۃ تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَجِدُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَ

بے فائدہ کام کرتے ہو اور بناتے ہو پختہ محلات شاید تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور

إِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ﴿۱۳۱﴾

جب کسی کی گرفت کرتے ہو تو گرفت کرتے ہو جباروں کو پس ڈرو خدا سے اور میری اطاعت کرو

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ

اور ڈرو اس سے جس نے تم کو عطا کیا جو تم جانتے ہو اس نے تم کو عطا کئے جو پائے

وَبَيْنِ ﴿۱۳۳﴾ وَجَدْتُمْ وَعْيُونَ ﴿۱۳۴﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اور بیٹے اور باغات اور چٹھے تحقیق میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے

حُفْلِ الْأَوَّلِينَ۔ اس کی کمی تا ویس ہیں (۱) جس طرح تجھ سے پہلے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو بھی ان جیسا ہے (۲) شہر سے باہر تفریح کے لئے کوشیاں نیکے اور عمدہ محلات تعمیر کرنا وغیرہ پہلے سے چلا آیا ہے کوئی ہمارا بنیاد ستور نہیں ہے (۳) جس طرح ہم سے پہلے لوگ گزرے ہیں کہ ایک وقت تک جینا ہے پھر مرنا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی قیامت کے حساب نہ سزا اور نہ جزا۔ پس ہم جی اسی سابق دستور پر ثابت قدم ہیں۔ جناب رسالت مآب کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تیری قوم مجھ سے ایسی باتیں کرے تو غم زدہ نہ ہو۔ کیوں کہ کفار کا بنیاد کے ساتھ ہمیشہ ہی دستور رہا ہے نبی کا کام ہے کہ تبلیغ کے کام کو جاری رکھے اور اس بارے میں کسی کی تردید و تکذیب کی پروا نہ کرے۔

قوم ہود کا قصہ سورہ ہود میں جلد نمبر ۲۲۵ تا ۲۲۷ پر گزر چکا ہے۔ اور آیات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد نہایت سرکش قوم تھی۔ امراء و رؤساء طبقہ غریب کو انسان نہیں سمجھتا تھا اور ضرورت سے نائد کو ٹھیسوں اور بنگلوں کی ابتداء اور عیاشی کا رواج اسی قوم سے ہوا ہے جو بالآخر اپنے اعمال بد کے نتیجے میں گرفتار عذاب ہوئے سابقہ اقوام کے قرآنی قصص سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

کذبت۔ حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا مفصل قصہ جلد نمبر ۶ میں ص ۲۹ تا ص ۵۶ ذکر ہو رکوع نمبر ۱۲ حضرت صالح کا ذکر

چکا ہے اور جلد ۷ میں ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳ پر بھی ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز جلد نمبر ۸ ص ۱۸۹ پر بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱۳ میں گزر چکی ہے۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اتُّرَكُونَ۔ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ ان نعمات خداوندی پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے یہ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتیں اگر اس وقت وافر ہیں تو ان کے زوال کا خوف رکھو اور اس اللہ کی معرفت حاصل کرو جس نے یہ عطا فرمائی ہیں اور اس کا شکر ادا کرو اور اس کے بعد ان نعمات کا شمار کیا جو ان کے پاس تھیں پھلدار باغات شیریں چشمے کھیتیاں اور عمدہ کھجوریں جن کے شگوفے خوشنما ہیں۔

يَوْمَ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾

عذاب سے کہنے کے برابر ہے ہم پر وعظ کرو یا وعظ نہ کرو

إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ

نہیں ہے یہ مگر دستور پہلے لوگوں کا اور نہیں ہم معذب ہونے والے پس انہوں نے اس

فَأَهْلَكْتَهُمْ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطُغْيَانِهِ وَاتَّخَذَ آلِهَتًا لِلَّذِينَ هُمْ أَقْرَبُ ﴿١٤١﴾

اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَتَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَوْيَاكُمْ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

ہضمیہ چھری سے اور ہلکے پھلکے بدن والے انسان کو ہضمیہ کہا جاتا ہے اس جگہ بعضوں نے تروتازہ اور بعضوں نے بغیر گھٹالی چل مراد لئے ہیں۔

اموالمشرکین حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں فوادی تھے جنہوں نے ناقہ کو زخمی کیا تھا وہ اس قوم کے رئیس وزمیندار تھے اور اپنی قوم میں من مانی کاروانی کرتے تھے۔ تند اور متکبر مزاج تھے آپ نے قوم کو ان کی خوشامد و اطاعت سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

البشریت ورسالت ہوجکا ہو بعضوں نے اس کا معنی فریب خوردہ کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم جیسا کھانے پینے والا انسان اور آپ کی نبوت کو بشریت کے منافی سمجھ کر بشر ہونے کا اعتراض بھی کیا ہے جس طرح باقی اُنہوں کا عام دستور ہے۔ اور آج تک ہے اور ہرزمانہ کے پیٹ لٹ مولوی لوگ عوام میں یہی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پس انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی بشریت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان کو ناقہ اللہ کا معجزہ دکھایا گویا عمل سے ثابت کیا۔

پس نے والا انسان اور آپ کی نبوت کو بشریت کے منافی سمجھ کر بشر ہونے کا اعتراض بھی کیا ہے جس طرح باقی اُنہوں کا عام دستور ہے۔ اور آج تک ہے اور ہرزمانہ کے پیٹ لٹ مولوی لوگ عوام میں یہی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پس انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی بشریت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان کو ناقہ اللہ کا معجزہ دکھایا گویا عمل سے ثابت کیا۔

عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٨﴾ أَتُرْكُونَ فِي مَا هُمْنَا آمِنِينَ ﴿١٢٩﴾ فِي

رب العالمین پر کیا تم چھوڑے جاؤ گے اس جگہ کی نعمتوں میں یا امن باغات

جَنَّتْ وَعُيُونٌ ﴿١٣٠﴾ وَزُرُوعٌ وَنَخْلٌ طَلَعَهَا هُضَيْمٌ ﴿١٣١﴾ وَتَنْجُونَ

اور چشموں میں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جس کے شکر نے خوشنما ہیں اور تراشتے ہو

مِنَ الْجِبَالِ بِيُونًَا فَرِهِينَ ﴿١٣٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ﴿١٣٣﴾ وَلَا

تم پہاڑوں سے اپنے گھر مہارت سے پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور نہ

تَطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٣٤﴾ الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا

اطاعت کرو اسراف کرنے والوں کے حکم کی جو فساد کرتے ہیں زمین میں اور اصلاح

يَصْحَحُونَ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٣٦﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ

نہیں کرتے کہنے لگے سوئے اس کے نہیں تو جاود شدہ لوگوں میں سے ہے تو نہیں مگر تم جیسا بشر

مِثْلَنَا فَأْتِ بَيِّنَاتٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٣٧﴾ قَالَ هَذِهِ نَارُ

پس لے آکوئی نشانی اگر ہے تو سچا فرمایا یہ اللہ کی نثار ہے

لَهَا شَرِبٌ وَلَكُمْ شَرِبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَمْسُوهَا يُسُوفَ يَأْخُذَكُمْ

اس کے لئے باری ہے پانی کی اور تمہارے لئے باری مقرر دن کے لئے اور نہ چھو اس کو برائی سے درزن پڑے گا

عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ﴿١٣٩﴾ فَعَقَرُوهَا فَاصْبِرُوا نَدْمِينِ ﴿١٤٠﴾ فَأَخَذَهُم

تم کو بڑے دن کا عذاب پس انہوں نے اس کو بے کیا ہیں ہو گئے پشیمان پس پکڑ لیا

کہ بشریت اور رسالت ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ خدا جس بشر کو چاہتا ہے عہدہ نبوت و رسالت عطا فرماتا ہے اور اسے صاحب

اعجاز کر دیتا ہے تاکہ عوام کو مطمئن کیا جاسکے ہم نے نبیوں کی بشریت کے متعلق پہلی جلدوں میں بھی اور اسی جلد میں بھی کافی بحث کی ہے

شربت تقسیم کے بعد ایک حصہ کا اسم شربت جگہ ہے جس طرح حضرت موسیٰ ؑ کے واقعہ میں سمندر کے پانی کی تقسیم کے بعد ہر کسار کو

فرق کہا گیا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روئے زمین پر پانی کا پہلا چشمہ وہی ہے جو حضرت صالح ؑ

کے لئے ظاہر کیا گیا جس کا پینا ایک دن نادر کے لئے اور دوسرے دن لوگوں کے لئے معین ہوا لیکن ان بد بختوں نے نادر کو بے کر کے عذاب

الہی کو پسند کیا پس تباہ کر دیئے گئے۔



الْعَذَابِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ

ان کو عذاب نے تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں اثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق

رَبِّكَ لَهُمُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَبَتْ قَوْمٌ لُوطًا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾

تیرا رب البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم لوط نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم نہیں ڈرتے تحقیق میں تمہارا رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ

رب العالمین پر کیا تم آتے ہو لڑکوں پر عالین میں سے اور چھوڑتے ہو

مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا

جو پیدا کی تمہارے لئے تمہارے بیویاں بلکہ تم ظالم لوگ ہو کہنے لگے

رکوع نمبر ۱۳ حضرت لوط کا ذکر کذبیت۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱۳ میں گذر چکی ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ - وہ چونکہ لڑکوں کے ساتھ لواط کرنے کے عادی تھے آپ نے ان کو اس فعل بد سے روکا اور فرمایا خدا نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ پس اس غلط روی کو ترک کرو اور صحیح و حلال طریقہ سے اپنی عورتوں سے خواہش نفسانی کی پیاس بجھاؤ۔ پس چھوٹے اور لاجواب انسانوں کی طرح دھکی پر اتر آئے کہ ہم تم کو نکال دیں گے۔ آپ نے فرمایا میں پہلے سے ہی تمہارے اس فعل سے تنگ آچکا ہوں اور اس شہر کی سکونت کو ترک کرنے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہوں۔

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ - حضرت لوط، بعد اہل خانہ کے گرفت عذاب سے بچ گئے صرف ان کی عورت پیچھے رہی جو قوم کے غنڈوں کو آپ کے پاس آنے والے مہانوں کو اطلاع دیا کرتی تھی و صحیح، پس ان کی زمین کے تختہ کو الٹ دیا گیا اور جو باقی ادھر ادھر بچ گئے ان پر آسمان سے پتھر بھیج کر تباہ کیا گیا۔ قصہ کی تفصیل جلد ۶ کے صفحہ ۱۵ پر اور جلد ۷ کے صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۱ پر ملاحظہ ہو نیز جلد ۸ صفحہ ۱۸۶ پر بھی مختصر واقعہ گذر چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۴ حضرت شعیب کا ذکر اصحاب الانبیاء۔ ایک گھنے درختوں والی گھاٹی کو کہتے ہیں گویا یہ لوگ ایسے مقام پر آباد تھے جہاں درخت

لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَخْرُجِينَ ﴿١٧٤﴾ قَالَ إِنِّي لَعَمْرِكُمْ مِّنَ

اگر تو باز نہ آیا اے لوط تر بچھے نکال دیا جائے گا فرمایا میں تمہارے کرتوت کو

الْقَالِينَ ﴿١٧٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٧٩﴾ فَتَجَنَّبَهُ وَاهْلَهُ

بڑا سمجھتا ہوں اے رب مجھے نجات دے اور میرے اہل کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں پس ہم نے اس کو بچایا اور اس کے

أَجْعِلِينَ ﴿١٨٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٨١﴾ ثُمَّ دَهَرْنَا الْأُخْرَيْنَ ﴿١٨٢﴾

پر سے خاندان کو مگر ایک عورت پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی پھر ہم نے ہلاک کیا باقیوں کو

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فِسَاءً مَّطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٨٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ

اور برسائی ان پر بارش پس بڑی بارش تھی کافروں پر تحقیق اس میں نشانی ہے

لَايَةً ذُوًّا مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٨٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ

حالا کہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تیرا رب البتہ غالب مہربان

الرَّحِيمُ ﴿١٨٥﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨٦﴾ إِذْ قَالَ

بے جھٹلایا ایک والوں نے رسولوں کو جب کہ کہا ان کو

لَهُمْ شَعِيبٌ الْأَتَقُونَ ﴿١٨٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

شعیب نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

بکثرت موجود تھے بعضوں نے اسے مدین کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایک دو انگ انگ مقام ہیں اور حضرت شعیب دونوں کے لئے رسول مبعوث ہوئے۔

کذا۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے، خداوند کریم نے ہر نبی کی دعوت کی حکایت ایک ہی لفظ سے فرمائی اور تمام کا کلمہ ایک ہی ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کی دعوت کا محوری و مرکزی لفظ ایک تھا اور وہ ہے توحید کی معرفت اور اللہ کا تقویٰ۔ چنانچہ سب نبی معرفت کا درس ادا فرمایا ہے اور اس کی نعمت کے ذکر سے دیتے رہے اور عمل میں تقویٰ اختیار کرنے کی تبلیغ میں سعی طبع کرتے رہے اور سب نبیوں کی تبلیغ ایک جیسی تھی اور سب انبیاء کی اکھڑ و جاہل امتوں کا جواب بھی ایک جیسا تھا جیسا کہ آیات کے الفاظ سے

وَاطِيعُونَ ﴿۱۸۹﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرْتُمْ عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۰﴾

اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا تم سے کوئی مزدوری نہیں میری مزدوری مگر رب العالمین پر

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ

پورا کرو ناپ کو اور نہ ہو نقصان دینے والوں میں سے اور تولو ساتھ ترازو صحیح

الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۹۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ

کے اور نہ خسارہ دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں اور نہ پھرو زمین میں

مُفْسِدِينَ ﴿۱۹۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْحَبِطَةَ الْأُولَىٰ ﴿۱۹۴﴾ قَالُوا

فساد کتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پہلے لوگوں کو کئے گئے

إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۹۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ

سوائے اس کا کچھ نہیں کہ تو جاؤ شدہ لوگوں میں سے ہے اور تو نہیں مگر ہم جیسا بشر اور تحقیق ہم تجھے جھوٹا

سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کی امت تول دناب میں غداری کرتی تھی۔ پس ان کو صحیح تولنے اور ٹھیک پیمائش کرنے کا آپ نے حکم خداوندی سنایا۔

القِسْطَاسِ۔ وہ ترازو جس کے درمیان میں وزن صحیح بتلانے کی ایک سوتلی لگی ہوئی ہوتی ہے یہاں مقصد صحیح اور پورا تولنا ہے۔ الْحَبِطَةَ۔ اس کا لغوی معنی عادت و خصلت جو فطرت انسانہ میں سپرد کی جاتی ہے اور یہاں مقصد صرف انسان ہے یعنی اس اللہ نے تم کو پیدا کیا اور ان تمام انسانوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پس وہ اللہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرو اور اس کی باز پرس سے ڈرو۔

قَالُوا۔ اس کی تشریح رکوع نمبر ۱۱ کی تفسیر میں بشریت و رسالت کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ كَسْنَا مِنَ السَّمَاءِ سِجَاتًا تَهَابِي لَآبِ رَوَاهِي كَاجَوَابِہے کہ تولنے جو آسمان کا ٹکڑا ہم پر گرانا ہے گرا دے۔ ہم تیری باتوں پر کان دھرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

عَذَابِ يَوْمِ الظُّلَّةِ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب قوم حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کو ٹھکرا چکی اور ان سے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی تو خدا نے ان پر عذاب بھیجا۔ پس پہلے سات دن تک ان کو سخت گرمی کا عذاب دیا گیا کہ ہوا جکم خدا بالکل بند ہو گئی پھر ان کے سروں پر ایک بادل لے جایا وہ سمجھے کہ اس سے بارش برے گی۔ پس اس امید سے گرمی کی شدت سے تنگ آکر وہ گھروں سے

لَمِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١٨٦﴾ فَاسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ

بگتے ہیں پس گرا ہم پر طوفان آسمان سے اگر تو ہے

الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ فَكَذَّبُوهُ فَاخَذَهُمْ

سچا فرمایا میرا رب بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس پکڑا

عَذَابٌ یُّومِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿١٨٩﴾ إِنَّ فِی ذَٰلِكَ

ان کو عذاب سے جو بادل کے دن تھا تحقیق وہ سخت دن کا عذاب تھا تحقیق اس میں نشانیاں

لَا یَہْدِیْهُنَّ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْحَزِیْرُ

ہے حالانکہ ان کے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب البتہ غالب رحم کرنے والا

الرَّحِیْمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ

ہے اور تحقیق یہ تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہے اتار ہے اس کو

الْأَمِیْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلَی قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِیْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ

روح الامین ہے تیرے دل پر تاکہ تو ہو ڈرانے والا ساتھ زبان عربی

نکل کھڑے ہوئے تو خدا نے ان پر آگ برسا دی اور سب کے سب جل کر کوئلہ ہو گئے اور دنیا میں عذاب خداوندی کے لحاظ سے یہ دن سخت ترین دن تھا اس لئے خدا نے اس کو یوم عظیم کہا ہے اور حضرت شعیب کا ذکر تفسیر کی جلد ۶ میں ص ۵۸، ۵۹ پر اور جلد نمبر ۱ میں ص ۲۲۲ تا ۲۲۳ پر ہو چکا ہے اور قوم شعیب پر عذاب کی کیفیت ج ۶ میں ص ۶۵ تا ۶۷ پر ملاحظہ ہو۔

رکوع نمبر ۵ ولایت علیؑ ائمہ تنزیل: ظاہری مصداق کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن مجید ہے اور باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد ولایت حضرت علیؑ علیہ السلام ہے چنانچہ روایات اہل بیتؑ میں تو اس سے منقول ہے اور صحف انبیاء میں بھی

اس کا ذکر موجود ہے چنانچہ بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولایت علیؑ تمام انبیاء کی کتابوں میں درج ہے۔ وَلَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَّا بَشَّرْتَهُمْ حَمْدًا وَّوَلَا یَہْدِیْہُمْ اِلَّا لِحَبِیْبِہِمْ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ۔ یعنی خدا نے کسی کو عہدہ رسالت نہیں عطا فرمایا مگر نبوت محمدؐ اور ولایت علیؑ کے ساتھ۔ (ربان)

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ۔ صافی میں بروایت غل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے کوئی کتاب وحی نہیں بھیجی مگر زبان



فَحْنٌ مُنظَرُونَ ﴿۲۳۳﴾ اَفِعْدَابِنَا يَسْتَجْلُونَ ﴿۲۳۴﴾ اَفَرَأَيْتَ اِنْ مَتَعْنَاهُمْ

مہلت دی جائے گی کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں؟ دیکھئے اگر ہم ان کو دنیاوی نفع دیں

سِنِينَ ﴿۲۳۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۳۶﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ

چند سال پھر آجائے ان پر وہ (عذاب) جس کا وعدہ کئے گئے ہیں تو نہیں بچائے گا ان کو وہ جو

مَا كَانُوا يَمْتَعُونَ ﴿۲۳۷﴾ وَمَا أَهْلَكَ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذَرُونَ

نفع دیئے گئے اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کو پہلے ڈرانے والے تھے

ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۳۸﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۳۹﴾ وَمَا

انہوں نے نصیحت اور ہم نہیں ظلم کرنے والے اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیطانوں نے (جیسا کہ کافر کہتے ہیں اور نہ ان کی یہ

يَتَّبِعِي لَهُمْ فَمَا يَسْتَفِيعُونَ ﴿۲۴۰﴾ اِنَّمَا عَنِ السَّعِيرِ لَمَعَزُولُونَ ﴿۲۴۱﴾

شان ہے اور نہ وہ لپسا کر سکتے ہیں تحقیق وہ تو بات سننے سے بھڑکتے گئے ہیں

پوچھا۔ آپ نے خواب بیان فرمایا پس جبریل واپس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت لایا کہ اگر چند سال انہوں نے منافع دنیاویہ سے فائدہ اٹھالیا تو آخر ہماری گرفت ان کو کس طرح چھوڑے گی اور پھر سورہ قدر نازل ہوا کہ خدا نے آپ کو لیلیہ القدر عطا فرمائی ہے کہ ہر ایک رات بنی امیہ کے ایک ہزار مہینوں کی حکومت سے افضل ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ - قریش نے کہا تھا کہ آپ پر معاذ اللہ شیاطین القا کرتے ہیں تو خدا نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ سننے سے دور کئے گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آسمان پر جانے سے ان کو روکتے ہیں۔

فَلَا تَدْعُ عِرْشًا عَرَّ حَضْرًا مِّنْ سَمَاءٍ أَوْ مَرَا سَمَاءٍ أُمَّتٍ هِيَ - اور مراد ساری امت ہے۔

دعوتِ عشرہ - وَأَنْذِرْ أَهْلَ الْقُرُوبِ إِنَّهُمْ قُرْبَىٰ وَرَبِّكَ أَكْرَمُ مَا يَدْعُونَ سَمَاءًا أَوْ تَطَّرْتَ بِهَا لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَنْذِرِ الْقَوْمَ لِآيَاتِنَا أَنْ يَتَذَكَّرُوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ انہوں نے کہا کہ آپ پر معاذ اللہ شیاطین القا کرتے ہیں تو خدا نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ سننے سے دور کئے گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آسمان پر جانے سے ان کو روکتے ہیں۔

تو حضور اپنے نہایت قریبی رشتہ داروں کو کیوں سختی سے احکام خداوندی کی پابندی کا حکم دیتے۔ پس جب دین خدا میں رسول کے قریبوں کو رعایت نہیں مل سکتی تو کسی دوسرے سے کیا رعایت ہوگی۔ نیز یہ بھی بدیہی اور واضح امر ہے کہ خیر خواہی کا پہلا حق قرابت داروں کو حاصل ہے۔ اور اسلام کی دعوت سے بڑھ کر اور کوئی خیر خواہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکم خداوندی ہوا کہ نعمتِ اسلام کو پہلے اپنے رشتہ داروں پر پیش کیے۔ بہر کیف روایاتِ شیعہ و سنی میں یہ بات حد تو اترا کہ پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مکہ میں نازل ہوئی تو حضور نے اولادِ عبد المطلب کو جمع کیا اور اس وقت وہ چالیس برس مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی خوراک ایک بکرہ اسلام اور دودھ کا مشکیزہ تھا اپنے اپنی حیثیت کے مطابق مختصر سا کھانا تیار کیا۔ چنانچہ سب

نے اسی سے سیر ہو کر کھایا۔ تو ابولہب نے فوراً کہہ دیا کہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ پس لوگ چلے گئے، دوسرے دن پھر ایسا ہوا۔ پھر تیسرے دن جب کھانا کھا چکے تو ابولہب کے کہنے سے پہلے آپؐ نے تقریر شروع کر دی کہ تم میں سے کون ہے جو میرا وصی وزیر میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضے کا ضامن ہوگا۔ تو حضرت علیؑ نے جو سن و سال میں سب سے چھوٹے تھے اور مال و دولت میں بھی کمزور تھے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ واقعہ کو مفصل تفسیر یہاں میں مجالس شیخؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مجھے اپنے خاندان کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہذا تم تین سیر کے قریب کھانا تیار کرو اور بکرے کی ایک دان پکالو اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی ساتھ رکھو اس کے بعد تمام اولاد عبدالمطلب کو مدعو کرو تاکہ میں حکم پروردگار کو پہنچا سکوں۔ حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں نے تعمیل حکم میں سب کچھ کر لیا جو آپؐ نے فرمایا تھا اولاد عبدالمطلب میں آپؐ کے چچا ابوطالب، عباس، حمزہ اور ابولہب بھی تھے اور سب چالیس کے قریب مرد جمع ہو گئے۔ آپؐ کے حکم سے میں نے کھانا پیش کیا تو سب سے پہلے حضورؐ نے بنصر بنصر ایک گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور دندان مبارک سے تھوڑا سا کاٹ کر کھالیا باقی برتن میں رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حالانکہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں سے ہر ایک آدمی اس سارے کھانے کے برابر کھا سکتا تھا۔ پھر میں نے دودھ پیش کیا تو وہ سب سیر ہو گئے حالانکہ سبھی اس قدر دودھ تو ایک ایک آدمی پی سکتا تھا۔ پس جب حضورؐ نے بات کرنی چاہی تو ابولہب نے پہلے کہنا شروع کر دیا یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ پس سارے آدمی اٹھ کر چلے گئے اور حضورؐ کو کئی بات نہ کر سکے۔ پھر دوسرے دن مجھے حکم دیا کہ اے علیؑ اُس (ابولہب) نے ایک بات کہہ کر لوگوں کو منتشر کر دیا اور مجھے بات کرنے کا موقع نہ دیا آج پھر حسب سابق کھانا تیار کرو اور دعوت دیکر سب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ جب سب کے سب کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے اولاد عبدالمطلب! عرب میں کوئی جوان اپنی قوم کے لئے اس سے زیادہ بہتر پیغام نہیں لایا ہوگا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں کہ اس میں تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح کا لازمہ مضمر ہے اور مجھے اپنے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ **فَأَيُّكُمْ يُؤْمِنُ بِي وَ يُؤْذِرُنِي مَعَلَىٰ آفَاتِي** فَيَكُونُ أَخِي وَ وَصِي وَ وَزِيرِي وَ خَلِيفَتِي فِي أَهْلِي مِنْ بَعْدِي۔ یعنی پس تم میں سے کون مجھ پر ایمان لاتا ہے اور میرے معاملہ میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرے بعد میری اہل میں میرا خلیفہ ہو یہ سُن کر سب خاموش ہو گئے اور گھبرا گئے تو میں اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ سن و سال میں سب سے چھوٹا تھا میں نے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ آپؐ کے امور رسالت میں شریک کار رہنے کو تیار ہوں۔ پس حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی و وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا تم میں پس اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا یہ سُن کر سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھے اور ابوطالب سے کہہ رہے تھے سنا ہے؟ اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

دوسری روایت میں البراقع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شعب میں اولاد عبدالمطلب کو مدعو کیا کہ وہ اس وقت چالیس آدمی تھے۔ ایک بکرے کی دان تیار کی اور شہید بنا کر اوپر شور باڈاں اور اوپر گوشت رکھ کر ان کے آگے رکھا۔ چنانچہ جب سب سیر ہو گئے پھر ایک بڑے پیالے سے سب کو دودھ پلایا۔ جب ابولہب نے دیکھا تو کہنے لگا۔ خجدا ہم میں سے ایک ایک آدمی کے لئے بھی یہ کھانا اور دودھ

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الْمَعْدُوبِينَ ﴿۲۱۳﴾ وَانذِرْ

پس نہ پکارو اللہ کے سوا کسی معبود کو ورنہ ہو جاؤ گے عذاب کئے جانے والوں میں سے اور ڈرا

عَشِيرَتِكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِئَلَّا يَتَّبِعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور جھکا دے اپنا پہلو اس کے لئے جو تیری اتباع

نا کافی تھا انہوں نے ہیں ایک دن بکرے اور ایک کا ستہ دودھ میں سب کو سیر کر دیا یہ کوئی جادو ہی ہے بات ختم ہو گئی اور لوگ چلے گئے پھر دوبارہ ان کی دعوت کا انتظام کیا گیا تب حضرت نے پیغام خداوندی سنایا اور بعد میں فرمایا کہ خدا نے جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہر ایک کے خاندان سے ہی ان کا بھائی وارث وزیر اور وصی مقرر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اٹھ کر میری بیعت کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی وزیر وارث وصی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو اور اس کی منزل مجھ سے وہی ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ پس حضرت علیؓ نے اٹھ کر سب کے سامنے آپؐ کی بیعت کی۔ آپ نے فرمایا: میرے قریب ہو جو بھائی حضرت علیؓ قریب ہوئے تو فرمایا منہ کھول۔ پس اپنا لعاب وحی اس میں ڈالا اور کندھوں کے درمیان اور سینہ پر بھی لعاب ملا۔ ابولہب حسد و بغض کی آگ میں پہلے سے جل رہا تھا کہنے لگا تو نے اپنے چہرے بھائی سے اچھا سلوک نہیں کیا اس نے تیری دعوت کو قبول کیا تو نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے نہایت منان اور حوصلے سے جواب دیا یہ نہیں جو تو سمجھا ہے بلکہ میں نے اس کو علم حکمت اور فقہ سے پُر کر دیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہی واقعہ تفسیر ثعلبی سے منقول ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کو صفار تشریف لے گئے اور ایک بلند آواز دی۔ چنانچہ یہ سن کر سب قریشی جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ صبح یا شام کو تمہارے اوپر ایک دشمن حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا میری بات مان لو گے یا کہنے لگے بے شک ہم ضرور مان لیں گے تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو آنے والے سخت ترین عذاب سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ پس ابولہب نے کہا تبتاً لک۔ یعنی تو بلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا ہے۔ پس اس کے جواب میں خدا نے تثبتت میداً ایضاً لہب۔ بھیجی۔

سیرت حلبیہ اور نہایہ ابن اثیر سے بھی روایت اسی طرح منقول ہے کہ پہلے دن تو ابولہب نے بات کاٹ دی اور مجمع کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن دوسرے دن آپؐ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں توحید پروردگار کا اعلان کیا اور اپنی نبوت کا اظہار بھی کیا پس حضرت ابوطالب نے کھڑے ہو کر عرض کی ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے قول کی تصدیق کرنے والے ہیں بے شک آپ کو جو حکم پہلے سے پورا کیجئے۔ بخدا میں آپ کا جانثار ہوں گا اور آپ کی پوری حفاظت کروں گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن اثیر نے کہا ہے ابوطالب کی باتیں سن کر ابولہب پھر ایکن ابوطالب نے جھڑک کر اسے خاموش کر دیا اور فرمایا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم



المؤمنین ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيٌّ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾

کے مومنین میں سے پس اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرْكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾

اور توکل کر اوپر اس غالب کے جو مہربان ہے جو دیکھتا ہے تجھے جب کہ تو اٹھتا ہے

وَتَقَلَّبَكَ فِي السَّجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ

اور تیرا قلب سجدہ کرنے والوں میں تحقیق وہ سننے جانے والا ہے کیا میں

أَنْبَأَكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنْزِلُ الشَّيْطَانُ ﴿۲۲۱﴾ تَنْزِيلٌ عَلَىٰ كُلِّ آفَّاكٍ

تو میں بتاؤں کہ کن پر اترتے ہیں شیاطین ؟ اترتے ہیں اوپر ہر جھوٹے گنہگار

اس کی ضرور حفاظت کریں گے اور میرت علیہ میں ہے کہ یہ دعوت ہی سر سے حضرت ابوطالب کے گھر میں ہوئی تھی۔ طبری نے ابن الاسعانی سے نقل کیا ہے کہ دو سرے روز بھی ابولہب نے اپنی بدباطنی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ابوطالب نے نہایت تندو تیز لہجہ میں فرمایا: او ایک چشم اٹھا موش۔ پھر مجمع سے فرمایا کہ خبردار کوئی نہ اٹھنے پائے۔ پس سب اپنی جگہ پر جمے رہے تو ابوطالب نے عرض کی: میرے سردار کھڑے ہو کر جوار شاد فرمانا ہو فرمائیے سب سننے کے لئے موجود ہیں۔ بے شک اپنے پروردگار کی رسالت کو پہنچائیے کیونکہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ - یعنی جو ایمان لے آئے تو اس کے لئے نرمی اور حسن اخلاق سے سلوک کیجئے۔

وَتَقَلَّبَكَ - مذہب شیعہ آٹھ عشرہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسالت آت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آبائی سلسلہ

**آپ کے نبی کا اسلام**

سوا آدم تک سب کا سب مسلمان تھا اور آیت مجیدہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے۔ آیت مجیدہ سے اگرچہ یہ معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے زمرہ میں تیرا سر بسجود ہونا اور عبادت کی حالات قیام رکوع سجدہ قعود میں قلب اللہ کو معلوم ہے لیکن یہ معنی اس امر سے نہیں روکتا کہ اس سے دوسرا معنی بھی مراد لیا جائے جب کہ جمع ممکن ہو اور روایات بھی بکثرت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تیرا نور ہمیشہ ساجدین میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ پس آدم سے لے کر تا دم ولادت پاکیزہ ارحام اور ظاہر اصاب اس نور کے حامل ہے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیشہ موحدین کی صلیبوں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے (الحديث) اور آپ نے جماعت میں شریک ہونے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا مجھ سے پہلے نہ سر رکھا کرو اور نہ اٹھایا کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تفسیر بیان میں ابن ابویہ سے سند متصل کے ساتھ جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب سے دریافت کیا گیا۔ جب آدم جنت میں تھا تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے فرمایا میں اس کی صلب میں تھا وہ زمین پر تشریف لائے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت نوح کشتی میں سوار ہوئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالے گئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ میرے آباؤ سلسلہ میں کبھی زمانہ نہیں ہوا اور خدا نے مجھے اصحابِ طاہرہ سے ارحامِ طیبہ کی طرف منتقل کرتا رہا اور حایکہ میں ہادی دہری رہا ہوں مجھ سے خدا نے نبوت و اسلام کا میثاق لیا ہے اور اس نے میری ہر صفت کو واضح کیا ہے۔ تورات و انجیل میں میرا ذکر کیا ہے اور مجھے آسمانوں پر بلند کیا ہے اور میرا نام اس نے اپنے ناموں سے مشتق کیا ہے۔ میری امت حاد ہے وہ محمود ہے۔ اور میں محمد ہوں ابن ابویہ فرماتے ہیں یہ روایت طرق کثیرہ سے وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ میں نے بگوش ہوش جناب رسالت مآب سے سنا ہے۔

خَلَقْتُ اَنَا وَعَلِيٌّ بِنِ ابْنِ طَالِبٍ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے عرش کے پاس اللہ کی قسب کر تے رہے جب آدم کو پیدا کیا گیا تو یہ نور اس کی صلب میں ودیعت ہوا وہ جنت میں تھا تو ہم اس کی صلب میں تھے۔ حضرت نوح کشتی پر سوار ہوئے تو ہم اس کی صلب میں تھے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو ہم اس کی صلب میں تھے پس خدا ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف ہمیشہ منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا پس اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا مجھے خدا نے صلب عبد اللہ میں رکھا اور علی کو صلب ابوطالب میں ودیعت کیا مجھ میں نبوت و برکت رکھی اور علی میں فصاحت و شجاعت رکھی ہمارے نام بھی اس نے اپنے ناموں سے مشتق کئے وہ محمود ہے اور میں محمد ہوں اور اللہ تعالیٰ ہے اور یہ علی ہے۔

امالی میں شرف الدین سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور ہم آپ کے مرتبہ کے تو قائل ہیں لیکن آپ کے والد کو دوزخ کا عذاب ہوگا۔ آپ نے فوراً فرمایا خاموش خدا تیرا منہ ٹوڑے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو برحق مبعوث کیا ہے اگر میرا آپ پوری زمین کے گنہگار لوگوں کے حق میں شفاعت کرے تو سب کے سب بخشے جائیں گے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میرا آپ دوزخ میں جائے حالانکہ میں قسیم النار ہوں۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اللہ کی جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کو مبعوث برسات کیا ہے۔ حضرت ابوطالب کا نور بروز محشر تمام مخلوق کے نور پر غلبہ حاصل کرے گا سوائے نور محمد کے اور میرے نور فاطمہ و حنین کے نور اور آئمہ اطہار کے نور کے کیونکہ اس کا نور ہمارے نور سے ہے۔ جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے خلق فرمایا۔ ہم نے حضرت ابوطالب کے ایمان اور ان کے فضائل کے متعلق تفسیر مذاکی پانچویں جلد میں ص ۲۱ سے ص ۲۲ تک مفصل بیان قلم بند کیا ہے۔

وَهَلْ اُنْتَبِئُكُمْ كَفَارِ قُرَيْشٍ چو کہہتے تھے کہ اس پر شیطان القا کرتے ہیں تو اس کا خدا نے جواب دیا ہے کہ ہم بتائیں شیاطین کیسے لوگوں پر اترتے ہیں وہ ہر جھوٹے فاسق و فاجر اور بدکردار انسان پر اترتے ہیں۔ لہذا کہہ دیجئے کہ مجھ پر شیطان نہیں اترے کیونکہ میں نہ کاذب ہوں نہ فاسق بلکہ میرے اوپر ملائکہ کا نزول رہتا ہے۔

يُؤْقِنُونَ السَّمْعَ یعنی شیاطین سنی ہوئی باتیں کاہن اور جھوٹے لوگوں پر القا کرتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہوا کرتے ہیں

ہم ضمیر کا مرجع کا بن بھی ہو سکتے ہیں اور شایطین بھی ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں مراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

الشعراء تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے شعراء مشرکین مراد ہیں جنہوں نے حضور رسالت کی ہجو کی، اور ناشائستہ کلمات اپنے اشعار میں نظم کئے اور جاہلوں سے داد و تحسین حاصل کی۔ خداوند کریم انہی کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے کہ شانہ لوگوں کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس مقام پر شعراء سے تمام وہ شاعر مراد ہیں جو شاعری میں حد درجہ اہماک رکھیں تھے کہ قرآن و سنت کو بھول جائیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ شعراء سے مراد وہ شاعر ہیں جو جذبات کے تابع ہوں۔ جب غصہ میں ہوں گا لیاں دینے لگ جائیں اور جب نظم کریں تو جھوٹ کو استعمال کریں اور زیادہ رجحان ان کا گمراہی کی طرف ہو چنانچہ عام شعراء کا دستور یہی ہے کہ شعروں کی ابتداء عشقیہ مضامین سے کرتے ہیں اور تعریف طبع کے لئے کرتے ہیں اور جاہلانہ غیرت و حمیت کی بنا پر وہ ہجو کر لے لگ جاتے ہیں اور بعضوں کا خیال ہے مطلق قصہ خوان لوگ مراد ہیں جو جھوٹے افسانوں سے لوگوں میں مقام حاصل کرتے ہیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور تفسیر قمی میں ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی خواہشات سے دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں پس جہل ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم و فہم سے گورے ہونے کے باوجود علم کا لباس پہن بیٹھے ہیں اور لوگ ان کو عالم سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے عوام کو بھی گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اِنَّمَا عَنَى اَهْلُو كَلِمَةِ الْفَقْهَاءِ وَالَّذِينَ يَشْعُرُونَ فَلَوْبِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ یعنی اس سے مراد وہ فقیہ لوگ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں باطل کا بیج بونٹتے ہیں۔ الخ

بہر کیف اگر شعراء سے مراد ایک عام مفہوم لیا جائے (یعنی مشاعر خداوندی کے خلاف بولنے والا) تو سب اس کے ضمن میں آجائیں گے۔ خواہ شاعر ہوں یا خطیب و مقرر ہوں۔

وَأَنَّهُمْ لَيَقُولُنَّ ۗ عام شعراء کا دستور ہے کہ ایسی مبالغہ آمیز باتیں منہ سے نکال جلتے ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے اور خود بھی جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں ہوتے اسی طرح اگر اس سے مراد علماء سہوں تو وہ بھی کہتے کچھ اور ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں۔

إِنَّا الَّذِيْنَ ۗ شعراء میں سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو ایماندار ہیں جنہوں نے جناب رسالت کی مدح و ثنا کی۔ اور قلب و لسان سے آپ کی نصرت کا فرض ادا کیا۔ چنانچہ حسان بن ثابت کو آپ نے دعا بھی فرمائی تھی۔ بہر کیف وہ شعراء جن کے اشعار خدا اور رسول و اہل بیت کی تعریف میں ہوں اور درس معرفت دینے والے ہوں۔ جنت کی تشریح اور جہنم کی تشریح پر مشتمل ہوں یا حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی مرثیہ خوانی اور مصائب کو متضمن ہوں وہ اس مذمت سے مستثنیٰ ہیں بلکہ وہ قابل مدح ہیں اور ان کے وہ اشعار جو دین خدا کی نصرت میں ہوں قابل اجر جزیل اور شکر جمیل ہیں اور انہی شعراء کے متعلق فرماتا ہے وَأَمْتَصِرُوا ۗ یعنی وہ شعراء جنہوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد رسول خدا اور مومنین کا انتقام لیا وہ قابل تعریف ہیں۔ یعنی جس طرح مشرک شاعروں نے حضور اور مومنین کی تکفیر کے ذریعے سے مذمت کی تھی۔ ان مومن شاعروں نے اس کا ان سے بدلہ لیا کہ حضور م کی تعریف کی اور کفار کی انہوں نے ہجو کی۔ لہذا شاعر ہونا قابل مذمت نہیں بلکہ فضول کلامی اور یا وہ گوئی قابل مذمت و

اَتِيْمٌ ۲۲۳ يَلْقَوْنَ السَّمْعَ وَاكْثَرَهُمْ كَذِبُونَ ۲۲۴ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ

کے الفکار تھے ہیں اپنی سنی ہوئی چیزیں دکا ہنوں پر اور اکثر ان کے جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعر لوگوں کی اتباع کرتے ہیں

الْغَاوِنَ ۲۲۵ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَمِيْمُونَ ۲۲۶ وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا

گمراہ لوگ کیا دیکھتے نہیں تحقیقی وہ ہر وادی میں سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق وہ کہتے ہیں جو

نفرت ہے خواہ اشعار کے رنگ میں ہو یا نثر کے لباس میں ہو۔

تفسیر صافی میں بروایت عیون حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَنْ قَالَ فِينَا بَيْتٌ شِعْرِي اللّٰهُ لَمْ يَبْتِئًا فِي الْجَنَّةِ۔ یعنی جو شخص ہمارے حق میں شعر کا ایک بیت کہے خدا اس کو جنت کا بیت دگر عطا فرمائے گا نیز فرمایا۔ مَا قَالَ فِينَا قَائِلٌ شِعْرًا حَتَّى يُؤَيَّدَ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔ یعنی جس شاعر نے بھی ہمارے حق میں ایک شعر کہا اس کی روح القدس سے تائید کی گئی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کعب بن مالک نے حضور رسالت مآب سے سوال کیا کہ حضور آپ شعراء کے متعلق کیا فرمائے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مومن تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ شاعر لوگ جو دین کی ترجمانی میں اشعار لکھیں ان کو تیر مارتے ہیں۔ آپ نے حسان بن ثابت سے فرمایا تھا کہ ان کی جو کیا کر دو۔ روح القدس تیرے ساتھ ہوگا۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ یعنی جو ظالموں نے آل محمد پر ظلم کے اور جناب رسالت مآب سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جو شخص میرے دین سے تمسک لکھنا چاہے اور میری کشتی نجات پر سوار ہونا چاہے وہ علی کی اقتدا کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اس کے دوست سے دوستی رکھے اور علی میرا دھی اور میری اُمت پر خلیفہ ہے میری زندگی میں بھی اور میری وفات کے بعد بھی۔ وہ ہر مسلم و مومن کا میرے بعد امیر ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اس کی نہیں میری نہیں۔ اس کا تابع میرا تابع اور اس کا ناصر میرا ناصر ہے۔ پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا۔ پس فرمایا جس نے علی کو چھوڑا قیامت کے دن نہ وہ مجھے دیکھے گا اور نہ میں اسے دیکھوں گا۔ اور جو علی کا مخالف ہوگا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے اور جو علی کی مدد کو ترک کر دے خدا اس کی کوئی بات نہ سنے گا۔ جب اس کے پیش ہوگا۔ اور جو علی کی مدد کرے گا خدا اس کی مدد کرے اور یوم جزا اس کو اپنی حجت تعلیم کرے گا۔

پھر فرمایا حضرت حسن اور حسینؑ اپنے باپ کے بعد لوگوں کے امام ہوں گے اور جو انان جنت کے یہ دونوں سردار ہیں اور ان کی ماں عالمین کی عورتوں کی سردار ہے اور ان کا باپ تام اوصیاء کا سردار ہے اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو امام ہیں جن کا نواں قائم مہدی ہوگا۔ ان سب کی اطاعت میری اطاعت ہے۔

اللہ کی طرف شکایت کرتا ہوں ان لوگوں کی جو ان کی فضیلت کا انکار کریں گے اور ان کے حق کو میرے بعد ضائع کریں گے۔ اللہ ولی و مددگار ہے میری عزت کا اور میری اُمت کے آئمہ کا اور وہ انتقام لے گا ان سے جو ان کے حق کا انکار کریں گے۔

يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا

کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے اور ذکر کیا اللہ کا بہت اور انتقام لیا انہوں

مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾ ع

نے بعد اس کے کہ ظلم کئے گئے اور عقرب جان لیں گے ظالم لوگ کہ کونسی بازگشت کی طرف انہوں نے پلٹنا ہے

پس اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۶۹ء، گھنٹہ ۲۰-۲۶ ب

شب یک شنبہ ساڑھے سات بجے شام سورہ شعراء کی تفسیر ختم ہوئی۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

## سُورَةُ نَمْلِ

یہ سورہ مکہ ہے اس کی آیات کی تعداد ۹۳ ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۹۴ ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے جو سورہ طس و نمل کو پڑھے تو حضرت سلیمان و ہود و شعیب و صالح و ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور ہر روز محشر قرآن سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا اٹھے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر اپنے گھر میں رکھے تو سانپ، بچھو، کپڑا، چوہا، باولاکتا اور بھٹی یا غرضیکہ کوئی موذی جانور اس کی منزل کے قریب نہ آئے گا۔ ایک روایت میں مچھر کا نام بھی درج ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص بوقت شب

اس کو ہرن کی جھلی پر لکھے اور اس کو رنگے ہوئے چمڑے میں

بند کرے جس سے کچھ کاٹنا نہ گیا ہو۔ اور اس کو صندوق

میں رکھ دے تو سانپ، بچھو اور مچھر غرضیکہ کوئی

موذی شی اس کے گھر کے قریب نہ آئیگی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طس تبتک ایت القرآن و کتاب مبین ۱ ھدی و بشری

طس یہ آیتیں قرآن کی اور کتاب مبین کی ہیں ہدایت اور خوشخبری

للمومنین ۲ الذین یقومون الصلوة و یؤتون الزکوة و هم

مومنوں کے لئے ہے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ

بالاخرۃ ہم یوقنون ۳ ان الذین لا یؤمنون بالاخرۃ زینالہم

آخرت پر یقین رکھتے ہیں تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے قیامت پر زینت دی

اعمالہم فہم یعیمون ۴ اولئک الذین لہم سوء العذاب و

ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ سرگردان ہیں وہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہوگا اور

ہم فی الاخرۃ ہم الاخسرون ۵ و انک لتلقى القرآن من

قیامت میں خارہ پانے والوں میں ہوں گے اور تحقیق تو دیا جاتا ہے قرآن حکم و

لادن حکیم علیہم ۶ اذ قال موسیٰ لاهلہ اینی النست ناراط

علیم (خدا کی طرف سے جب کہ موسیٰ نے گھر والی سے تحقیق میں نے دیکھی ہے آگ

طس۔ اس کی تفسیر و تشریح اسی جلد میں گذر چکی ہے

رکوع نمبر ۱۷ | تبتک۔ یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

آیات القرآن۔ قرآن اور آیات قرآن دونوں ایک چیز ہیں البتہ یہاں قرآن اور کتاب دونوں کو ذکر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

کہ دونوں سے مراد ایک ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن کا لفظ قرأت کو ظاہر کرتا ہے اور کتاب کا لفظ کتابت کو نایاں کرتا ہے یعنی یہ لکھی اور پڑھی

جانے والے چیز ہے پس یہ نیز لہ اس ناطق (بوتے والے) کے ہے جو لکھ بھی سکتا ہو اور پڑھ بھی سکتا ہو۔ بنا بریں اس کو مبین کی صفت سے موصوف

کرنا اس کی ناطق سے تشبیہ کو مزید بختگی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے مضامین و مطالب اس قدر واضح اور مبہر ہیں گویا کہ یہ کتاب

سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبْرٍ أَوْ إِتْيَاكُمْ بِسَهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۷﴾

غریب لوگوں کا تمہارے پاس اس سے کوئی پتہ یا اللہوں کا شعلہ آگ کا تاکہ تم تاپ سکو

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ

پس جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ برکت دیا گیا جو آگ کے اندر ہے اور جو اس کے باہر ہے پاک ہے

اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸﴾ يُمُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۹﴾

اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے اے موسیٰ تحقیق میں اللہ غالب حکمت والا ہے

وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَّى

اور ڈال دے اپنا عصا پس جب اس کو دیکھا کہ حرکت کر رہا ہے مثل چھوٹے سانپوں کے تو پیچھے ہٹا اور مڑ کر

يَعِيبُ يُمُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا أَنزِلُكَ مِنَ السَّمَاءِ لَدَى الْمَرْسُوكُونَ ﴿۱۰﴾

بھی نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر تحقیق میرے پاس رسول نہیں ڈرا کرتے

خود اپنے مقام پر لوٹتا ہوا مقرر ہے جو مطالب و مقاصد کو نہایت شلحے ہوئے انداز سے بیان کرنا ہوا چلا جا رہا ہے۔ اسی لئے اس کو بعض جگہ بیان کی صفت سے بھی متصف کیا گیا ہے۔

هُدًى وَبَشْرًا ﴿۱۱﴾ یعنی اپنے بیان برہان اور اعجاز کے لحاظ سے ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے پس اس کا محل اعراب رفع ہے کیونکہ خبر واقع ہے اور ہادیاً و مبشراً کی تاویل میں اس کو منصوب بنا پر حالت کے بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ زَيْتًا كَهْمُورٍ یعنی بوجہ کفر و شرک کے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں پس ان کے لئے ان کے وہی کفریہ اعمال مزین کئے گئے ہیں اور وہ انہی پر خوشی ہیں۔ پس توفیق ایمان سے محروم ہیں۔ اور گمراہی کی تاریکی میں سرگرداں ہیں۔

حضرت موسیٰ کا ذکر اذْ قَالَ مُوسَىٰ ﴿۱۲﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جب وہاں رہنے کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ تفسیر کی جلد ۹ ص ۱۶۷ اور ص ۱۶۸ پر واقعہ مفصل

درج ہو چکا ہے۔ سردی زردی پر تھی رات کا وقت تھا اندھیرا چھا چکا تھا راتے کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا قریب کہیں جاتی ہوئی آگ دکھائی دی تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا اور اپنی اہلیہ سے فرمایا۔

إِنِّي النَّسْتُ۔ اِناس چونکہ انس سے ہے لہذا اس کا معنی ہے چیز کا دیکھنا جس میں انس و محبت اور اطمینان و سکون کی خوشبو ہو گویا ارنیا کہ میں ایک ایسی آگ دیکھ رہا ہوں جو ہلکے لئے سکون نفس کی موجب ہے لہذا تمہارا بیان ٹھیک ہے ان سے راتے کا مرنے کی بات کرو نکالو آگ کا شعلہ لادو گا تاکہ اسے اپنے سردی کی تکلیف سے نجات ہو چنانچہ ہاتھ میں خشک گھاس مٹھی چیر کے

لیا تاکہ جلتی ہوئی آگ سے ایک شعلہ لبا، لاکر سردی کا علاج کریں۔ جب قریب پہنچے تو قدرت خالق کا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ ایک سبز و شاداب درخت کی پُرولق شاخوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں جو ہنی آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اتنا ہی درخت کی تازگی و رونق میں اضافہ ہوتا ہے نہ آگ درخت کی رونق کو برباد کرتی ہے اور نہ درخت کی سبزی آگ کے ٹھکرتے ہوئے شعلوں پر اثر انداز ہوتی ہے پس دریائے حیرت میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے مطلب کی فکر میں مٹھی بھر خشک گھاس کو آگ کی طرف بڑھایا تاکہ جلتا ہوا آگ کا شعلہ واپس الہیہ کی طرف لے جائیں جو ہنی آپ آگے بڑھے آگ ان کی طرف بڑھی فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ جب دوبارہ سہ بارہ یہی ماجرا پیش آیا تو فرط حیرت میں ایک تماشائی بن کر قدرت پروردگار کا نظارہ دیکھنے کے لیے رک گئے۔ اتنے میں نہایت شیریں و پُر کیف لہجے میں آگ کے اندر سے ایک رُوح برور آوازی آئی جس سے بے سفروں کے تھکے ماندے مسافر نبی کو سرور محسوس ہوا۔ محبت آمیز اور پیارے انداز سے خوش آمدیوں ہوئی بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی مبارک ہے وہ جو آگ کے اندر ہے اور مبارک ہے وہ اس کے پاس آیا ہے قدرت کی زبان سے تحیہ و اکرام کے وہ الفاظ تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے قلب و جگر میں محبت کی ایک لہر پیدا کر دی اور مزید پیاری گفتگو کے لیے فکر لاحق سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ ندائے رحمتی تھی جس نے آگ کے اندر والے فرشتوں اور باہر کھڑے ہوئے حضرت موسیٰ کو مبارکباد کا پیغام تہنیت و تحیہ و صحت سنایا۔ روشن فضا کے اندر فرشتے محو تسبیح و تہلیل پروردگار تھے اور حضرت موسیٰ اس کے باہر دل آفرین منظر اور پیاری آوازوں میں محو حیرت تھے اتنے میں پھر آواز آئی سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی پاکیزہ ہے ہر عیب سے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل اس شیریں لب و لہجہ کے سننے کیلئے اور زیادہ بے تاب ہو گیا تو فوراً آواز آئی یا موسیٰ ایک دوست اپنے دوست کو نام لے کر پکارے تو جو سرور کی کیفیت دوست کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا جب زبان توحید سے حضرت موسیٰ نے اپنے نام کی پکار سنی تو جوشِ محبت اور ولولہ عقیدت میں منتظر تھے کہ کیا پیغام آتا ہے اور یہ اللہ کا اپنے پیارے کلم سے کلام کا پہلا موقع تھا جس کی چاہت نے حضرت موسیٰ کے دل سے عیال و مال کا خیال نکال دیا تھا پس تعارف کے انداز میں ارشاد فرمایا اَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ میں وہ اللہ ہوں جو غالب اور حکمت والا ہوں۔

كَانَهَا جَانٌّ جَانٌّ چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور سورہ اعراف میں ثَبَانٌ بُسْبِينٌ کہا ہے یعنی اژدہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ تھا تو اژدہا لیکن تیزی سے اُدھر اُدھر اس طرح حرکت کرتا تھا جس طرح چھوٹے بچے پھلکے سانپ کیا کرتے ہیں اس لیے یہاں فرمایا اس طرح حرکت کرتا تھا۔ کَانَ جَانٌّ جس طرح گویا کہ چھوٹا سانپ ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب پہلی دفعہ عصا زمین پر پھینکا تھا تو اس وقت چھوٹا سانپ تھا جیسا کہ اس مقام پر ہے اور جب فرعون کے سامنے پھینکا تو اژدہا بن گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہر دو دفعہ خود بھی ڈر گئے۔ پہلی دفعہ اگرچہ چھوٹا سانپ تھا لیکن اس لیے ڈرے کہ واقعہ نیا اور پہلی دفعہ کا تھا اب اگر دوبارہ فرعون میں بھی اسی طرح چھوٹا سانپ بنا تو یقیناً حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا نہ ہوتا کیونکہ پہلے آگ کے شعلے کے پکڑنے سے ویسے کا ویسا سانپ ہی بن جائیگا۔ لیکن جب اس کو بڑا اژدہا بنا ہوا دیکھا تو دل پر خوف طاری ہو گیا اور اس میں مصلحت کار فرما تھی اور چند فائدے تھے۔

۱) جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو پھینکا اور جادو کے انہیں سانپ ظاہر کیا تو حضرت موسیٰ خود گھبرا گئے۔ چنانچہ سورہ حلد میں



ارشاد ہے۔ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ۔ یعنی موسیٰ نے بھی دل میں گھبراہٹ محسوس کی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ جس طرح انہوں نے رسیوں کے چھوٹے چھوٹے سانپ بنا دیئے ہیں اگر میں عصا کو پھینکوں تو وہ بھی اسی طرح ایک چھوٹا سا سانپ ہی بنے گا۔ پس لوگوں کے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جاتے۔ پس ارشاد قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْاَعْلَىٰ۔ یعنی گھبراہٹ نہیں کیونکہ تو ہی غالب رہے گا۔ پس اس دفعہ جو عصا کو پھینکا تو پہلے کی طرح چھوٹا سانپ نہیں تھا جس طرح پر پہلی ملاقات خداوندی کے موقع پر بنا تھا بلکہ ایک بہت بڑا اثر دہا تھا جس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۱۷۶ پر اور جلد ۶ ص ۶۸ پر اور اسی جلد میں صفحہ ۱۹۶ پر گذر چکی ہے۔ چنانچہ اس نے جادو گروں کے تمام مصنوعی سانپوں کو اپنا لقمہ بنا لیا۔ اگر یہ بھی خود چھوٹا سا سانپ ہوتا اور ان مصنوعی سانپوں کو کھاتا تو جادو گروں کا ذہن مطمئن نہ ہوتا بلکہ وہ حضرت موسیٰ کو بڑا جادو گر ہی سمجھتے نہ مانتے کیونکہ ایک حجم کے جانور کا اپنے برابر کے ایک جانور کو کھانا بھی ظاہراً ممکن نہیں تھا چہ جائیکہ اپنی جسامت کے ہزاروں جانوروں کو کھا جائے۔ پس وہ حضرت موسیٰ کے سانپ کو جادو کہتے۔ اور حضرت موسیٰ کو جادو گر کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ ہمارے سانپ غائب ہو گئے ہیں ورنہ اس حجم کے سانپ کے لئے ناممکن ہے کہ حقیقتاً اپنے حجم کے ہزاروں سانپوں کو کھا جائے۔ پس خدا نے اس دفعہ اس کو ایک بڑے اثر دہا کی شکل دیدی تاکہ جادو گر مطمئن ہو جائیں کہ یہ جادو نہیں بلکہ قدرت خداوندی کا مظہر ہے کیونکہ جادو والی چیز دوسری آنکھوں کو دھوکا دے سکتی ہے لیکن اس کے لیے کھانا اور دیگر آثار زندگی مسترب ہونا جادو نہیں قدرت خدا ہے۔

۲۱ اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر پہلے کی طرح چھوٹا سانپ ہوتا تو حضرت موسیٰ اس کے عادی ہونے کی وجہ سے خوف نہ کرتے اور دوبار فرعون میں جادو گروں کے سامنے ان کا خوف نہ کرنا جادو گروں کو شک میں ڈال دیتا کیونکہ جادو گر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔ پس وہ سمجھتے کہ جس طرح ہمارا جادو ہے وہ بھی جادو ہے کیونکہ جس طرح ہم اپنے سانپوں سے نہیں ڈرتے وہ بھی نہیں ڈرتا۔ اس لئے خدا نے اس کو اثر دہا کی شکل دے دی جس سے ابھی تک حضرت موسیٰ خود بھی مانوس نہ تھے پس اثر دہا کی شکل اور ڈراؤنی حالت دیکھ کر حضرت موسیٰ بھی دوسرے ڈرنے والوں کی طرح ڈر گئے جس سے جادو گر سمجھے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ کیوں کہ جادو گر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔

۲۲ اور اس میں تیسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر حضرت موسیٰ خود نہ خوف کرتے تو فرعون کی خدائی کا جانڈا تو پھوٹ چکا تھا۔ جب اس نے اثر دہا کو اپنی طرف متوجہ دیکھا اور اس کا پاناہ بھی خوف کے مارے نکل گیا پس جادو گروں نے تو یہ سمجھ لیا کہ فرعون یقیناً خدا نہیں جو ایک اثر دہا سے خوف کھا رہا ہے لیکن جس نے عصا کو اتنا بڑا اثر دہا بنا دیا ہے وہ ضرور خدا ہے۔ پس حضرت موسیٰ کو خدا مان کر وہ مشرک ہو جاتے اور تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا کیونکہ جس طرح فرعون کی خدائی کا دعویٰ غلط ثابت کرنا تھا اسی طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ توحید پروردگار کے قائل ہوں۔ پس خدا نے اس کو اثر دہا کی شکل دے کر موسیٰ کے دل میں خوف پیدا کر دیا تاکہ لوگ فرعون کی خدائی کو باطل سمجھ کر موسیٰ کو خدا تسلیم کریں جو عصا کو اثر دہا بنا نے پر قادر ہے پس وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ یقیناً اس فعل پر قادر نہیں ہے ورنہ خود اس سے خوف نہ کرتا پس خدا وہ ہے جس نے موسیٰ کو یہ معجزہ دیکر بھیجا ہے اور یہ اس کا رسول برحق ہے اور ہم نے اس مطلب کو

الَّذِينَ ظَلَمُوا ثُمَّ بَدَّلُوا حِسَابَهُمْ فَأَلَّفُوا فِي غَفْوَةٍ رَحِيمًا ۝

مگر جو ظلم کرے پھر تہلیل کرے نیگا بعد جڑائی کے تو تحقیق میں بخشنے والا مہربان ہے،

وَأَدْخَلَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سَوْءٍ فِي تَسْمِعٍ

اور داخل کر اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا نورانی سفید بغیر عیب کے تو دوسرے معجزوں کے ساتھ

آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِذْ هُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝

رجا، طرف فرعون کے اور اس کی قوم کے تحقیق وہ ہیں ناسخ پس جب

جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

پہنچیں ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں تو کہنے لگے یہ صاف جادو ہے اور انہوں نے

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

انکار کیا ان کا حالانکہ مانتے تھے ان کو ان کے دل ازراہ ظلم و تکبر پس دیکھ کیا انجام ہوا فساد

الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ

کرنے والوں کا اور تحقیق ہم نے دیا داؤد و سلیمان کو علم دینا نے کہا حمد ہے اللہ کے لئے

جلد ۶ صفحہ ۱۰ پر سوال و جواب کے رنگ میں قدرے واضح کیا ہے نیز اس سے یہ بات خوب واضح ہوئی کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا امام کے ہاتھوں پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہے اور اینیار و آئمہ معجز نہیں۔

الآمن۔ یہ سابق سے مستثنیٰ منقطع ہے۔ اور اس کا پہلے مطلب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔  
فی تسمیع آیات۔ یہاں فی مع کے معنی میں ہے یعنی اس کے علاوہ تو معجزات اور عطا فرمائے جن کا ذکر جلد ۶ صفحہ ۸۳ پر گزر چکا ہے  
مُبْصِرَةً۔ یعنی اس قدر واضح کہ کثرت سے دیکھی جاسکے اور مُفْعِلَةً کا وزن کثرت کو ظاہر کرتا ہے جس طرح اَنْزِلْنَ فِي الْيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُنَّ فِيهَا  
جس میں سو سے زیادہ ہوں مُفْعَلَةٌ جس میں افعی (اثر دہا) زیادہ ہوں مُفْعِلَةٌ جس میں سائب زیادہ ہوں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لِيثِمًا ۝ لِيثِمًا یعنی ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا اور اس علم سے مخصوص علم مراد  
رکوع نمبر ۱۱ حضرت سلیمان کا قصہ ہے کیونکہ علم نبوت و رسالت تو باقی نبیوں اور رسولوں کو بھی عطا ہوا ہے اور علم

کے بغیر تو کوئی نبی یا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔ پس علم سے مراد علم قضا یعنی رعایا میں فیصلوں کا علم۔ پس وہ اپنے زمانہ کے حکمران و سلطان

الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ

جن نے ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے مومن بندوں پر اور وارث ہوا

سَلِيمٍ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنُطِقَ الطَّيْرِ وَ

سلیمان داؤد کا اور کہا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی بولی پرندوں کی اور

بھی تھے اور مملکت کے چیف جنس بھی۔ اس کے علاوہ پرندوں اور دیگر حیوانات کی بولی بھی جان سکتے تھے۔ (مجمع البیان نقلاً عن ابن عباس) فَضَّلْنَا یعنی خداوند کریم نے ہمیں باقی لوگوں سے امتیازی شرف عطا فرمایا کہ ہمیں اس نے نبوت دی اور صاحب اعجاز بنایا۔ نیز علم مخصوص عطا فرمایا اور ہمارے لئے موبہ کو نرم کیا اور شیاطین و جن وانس کو ہمارا تابع فرمان بنایا۔

**وراثت اینیاری** وورثت سلیمان آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ حضرت سلیمان اپنے باپ حضرت داؤد کے وارث ہوئے۔ حکومت سلطنت تخت بخت جائداد جاگیر اور مملکت و مکانات غرضیکہ اس کی جملہ متروکہ

اشیاء کے وارث ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ بیوں کے مال کی اولاد و وارث ہوتی ہے۔ جس طرح دوسرے لوگوں کی وارث ان کی اولاد ہوا کرتی ہے اور نبی اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں۔ جس طرح دوسرے لوگ اپنے آباء کے وارث ہوا کرتے ہیں اور خانوادہ رسالت و اہل بیت عصمت سے اسی طرح مروی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنے باپ حضرت داؤد کے علم و نبوت اور ملک و سلطنت کے واحد وارث ہوئے۔ اور اس میں حضرت داؤد کی دوسری اولاد شریک نہ تھی۔ خاتون جنت کے مقدمہ فذک میں جو حدیث پیش کر کے خلیفہ وقت نے بی بی کا دعویٰ خارج کیا تھا درحقیقت وہی پیش کردہ مرفوضہ حدیث ہی آیات وراثت اینیاری کے معانی کی توڑ پھوڑ کی موجب بنی ہے اور خلیفہ وقت کے کاسہ لیسوں نے یہی تاویل پیدا کی کہ سلیمان اپنے باپ داؤد کے علم و نبوت و ملک کا وارث تھا۔ اسی طرح حضرت زکریا کی دعا میں جہاں یہ الفاظ ہیں **يَسِّرْ لِي سَبِيَّتِي وَيَسِّرْ لِي مِّنْ آلِ لَيْقُوتٍ**۔ یعنی مجھے وہ لڑکا عطا فرما جو میرا اور آل لعیقوت کا بھی وارث ہو۔ وہاں بھی انہوں نے وراثت نبوت مراد لے لی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم و نبوت حقیقت کے اعتبار سے قابل وراثت اور نہیں ہیں ورنہ ہر نبی کی ہر اولاد نبی ہوتی اور دنیا میں کوئی آدمی اس صورت میں غیر نبی نہ رہتا کیونکہ سب کے سب کم از کم حضرت آدم نبی کی تو اولاد ہیں ہی۔ اسی طرح دنیا کا کوئی فن قابل وراثت نہیں ہوتا ورنہ ہر صاحب فن کی اولاد صاحب فن ہوتی پس وراثت کا تعلق مورث کے متروکہ مال و اسباب جاگیر و جائداد اور زر و دولت پر ہوتا ہے جن کی ملکیت قابل نقل و انتقال ہو۔ اور یہ ہے وراثت کا حقیقی اطلاق جن پر احکام وراثت مرتب ہوتے ہیں۔ البتہ علوم و فنون و صفات و کمالات وغیرہ ناقابل انتقال اور اشیا پر وراثت کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کسی عالم کا بیٹا خواہ باپ سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو بلکہ کہیں دُور دراز کے سفر طے کر کے تحصیل علوم کرے اور عالم بن جائے تو باپ کے مرنے کے

بعد کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے باپ کا صحیح وارث ہے۔ حالانکہ باپ نے اپنے علم سے اس کو ایک حرف بھی تعلیم نہیں کیا تھا اسی طرح ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر ڈاکٹری میں بھی باپ کا وارث کہلائے گا اگرچہ باپ سے نہ بھی سیکھا ہو اور جملہ فنون بلکہ صفات انسانیہ کا یہی حال ہے اور صفاتِ ردیہ و ناقصہ میں بھی یہ اطلاق جاری ہوا کرتا ہے اور یہ وراثت کا مجازی اطلاق ہے اور اس کا انکار بجاہت کا انکار ہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ کیا حضرت زکریا کی دعا کے لئے پروردگار مجھے اپنا وارث عطا کرے اسی مجازی اطلاق کے پیش نظر تھی تو یقیناً محفل صحیح اس کی تردید کر دے گی کیونکہ کسی باپ کو کیا وثوق ہو سکتا ہے کہ میرا بیٹا میرے فنون و کمالات کا وارث ہو گا یا نہیں اور حضرت زکریا کو معلوم تھا کہ اس سے قبل جس قدر انبیا کی اولادیں گزری ہیں وہ نبوت میں اپنے آباء کی وارث نہیں ہوئیں پس وہ خود کس طرح اللہ سے ایسی دعا کر سکتے تھے۔ نیز حضرت زکریا کی مناجات میں یہ الفاظ بھی صراحت سے مذکور ہیں۔ اِنِّیْ خِیْفْتُ الْمَوَالِیَ۔ یعنی مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے کہ اگر میرا اپنا لڑکا نہ ہو تو وہ میری وراثت پر قبضہ کر لیں گے۔ حالانکہ حضرت زکریا صاف جانتے تھے کہ نبوت ایسی چیز نہیں جس پر کوئی دوسرا غیر مستحق قبضہ کر سکے۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ وارث سے مراد وارث مال و ترکہ ہے ذکر وارث علم و نبوت۔ ویسے ہی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں لفظ کو حقیقی یا مجازی معنی پر محمول کرنا مساوی احتمال رکھتا ہو اور قرینہ مجازی معنی پر کوئی نہ ہو تو لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے لیکن اگر قرینہ بھی موجود ہو جو مجازی معنی کی نفی اور حقیقی معنی کی تائید کرتا ہو تو ایسی صورت میں مجازی معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت زکریا کی دعا میں اگر حقیقی و مجازی دونوں معنوں کا برابر احتمال بھی ہوتا تب بھی چونکہ قرینہ نہیں لہذا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا بلکہ مجاز کا مخالف قرینہ موجود ہے (اور یہ کہ آپ نے عرض کی کہ بچے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے اور یہ ڈر نبوت و علم کے متعلق ہو نہیں سکتا) پس ضروری ہے کہ دعا مال پر مراد لی جائے نہ کہ علیہ۔ علاوہ ازیں آپ نے دعائیں یہ عرض بھی کی وَاجْعَلْهُ رُذْبًا رَسُوْلًا۔ یعنی اے اللہ اس کو رسی (پسندیدہ و برگزیدہ) بھی بنا تو اگر وارث نبوت کی دعا مانگا رہے ہوتے تو بعد میں اس کی برگزیدگی کی دعا بے محل تھی۔ کیونکہ جو نبی ہوتا ہے وہ تو برگزیدہ ہوتا ہی ہے۔ البتہ مالی وارث کے سوال کے ساتھ جس طرح دیگر وارثوں کا خطرہ ظاہر کرنا بے محل ہے۔ اسی طرح اس کی برگزیدگی کی دعا بھی بجا و بے محل ہے۔ اس کی تحقیق جلد ۹ صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ پر گذر چکی ہے۔

اب رہا آیت مجیدہ میں سلیمان کی وراثت کا معاملہ تو اس میں شک نہیں کہ معنی مجازی کے لحاظ سے حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے علم و نبوت و ملک و سلطنت کے واحد وارث تھے اور اس میں ان کی دوسری اولاد شریک نہیں تھی لیکن آیت مجیدہ میں اس امر کی ضمانت کہاں ہے کہ حضرت داؤد کی مالی وراثت باقی اولاد پر تقسیم ہوئی اور اس سے حضرت سلیمان کو حصہ نہ دیا گیا۔ اولاً تو جو مفروضہ روایت مقدمہ فدک کی رد میں پیش کی گئی تھی۔ اس میں یہ شق بھی ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا لہذا حضرت داؤد کی اولاد جو سلیمان کے علاوہ تھی وہ آپ کی کسی چیز کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ ملک و سلطنت اور نبوت و علم میں ان کے واحد وارث حضرت سلیمان تھے اور باقی جائداد قلعہ کے لحاظ سے بیٹوں کو مل نہیں سکتی تھی لہذا وہ یکسر محروم ہونے چاہئیں اور ثانیاً اگر کوئی گنجائش نکال کر دوسروں کو وارث بنایا گیا اور حضرت سلیمان کو باقی مالی وراثت سے محروم کیا گیا کیونکہ یہ نبی تھا اور نبی وارث نہیں ہوا کرتے تو اس کو آیت کے کس لفظ سے ثابت کیا جائے گا۔ پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی مالی جائداد کے وارث سب لڑکے لڑکیاں تھے اور حضرت سلیمانؑ ان میں شریک تھے۔

أَوَيْتَنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ طَرَانٌ هَذَا هُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ①۶ ق

عطا کیا گیا ہمیں ہر اس چیز میں سے (جسہم تحقیق یہ البتہ فضل ظاہر ہے اور

حُشْرَ لِسُلَيْمَانَ جَنُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

سجے کئے گئے سلیمان کے لئے اس کے لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے پس وہ

يَوْمَ نَزَعُونَ ①۷ حَتَّىٰ إِذَا تَوَاصَلُوا عَلَىٰ وَادِ التَّمْرِ قَالَتْ نَمْلَةٌ

روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب پہنچے وادی نخل پر تو سنا، کہ ایک چیونٹی نے کہا

لیکن علم و نبوت و ملک کا وارث باقی برادری سے امتیازی صورت میں صرف حضرت سلیمانؑ تھے اس لئے حضرت سلیمانؑ کا آیت میں مخصوص طور پر ذکر کیا گیا کہ وہ داؤد کے وارث ہوئے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ بچپن میں کیسے امام بن گئے تو آپ نے فرمایا جب خدا نے حضرت داؤدؑ پر وحی کی کہ اپنا جائنشین نامزد کرو اور حضرت سلیمان کو اپنا ولی عہد قرار دو تو وہ ابھی تک عالم بچپن میں تھے اور دنیاں چرایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے عابد و زہد لوگوں نے اور علمائے اس کی کم سنی پر اعتراض کیا تھا لیکن خدا نے داؤدؑ پر وحی کی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کا عصا اور دوسروں کے عصا کے ایک کرے میں بند کر کے رکھ دو اور جہر کر دو۔ پس جس کا عصا صحیح کو نر و تازہ اور ٹر آور ہو جائے تو اسی کو خلیفہ مقرر کر دو۔ پس قوم اس پر رضامند ہو گئی اور صبح کو دروازہ کھولا گیا تو حضرت سلیمانؑ کا عصا نر و تازہ تھا اور اس پر پھل بھی لگا ہوا تھا پس وہ نامزد ہو گئے اور تفسیر کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۲۴۱ پر اس کی دوسری وجہ مذکور ہے۔

مَنْطِقُ الطَّيْرِ۔ اہل لغت کے نزدیک منطق کا اطلاق صرف بنی آدم پر ہی ہو سکتا ہے اور باقی جانوروں پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ منطق کلام کے معنی میں ہے اور باقی جانور کلام پر قادر نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے تفسیر کی تیسری جلد ص ۲۳ پر ثابت کیا ہے کہ کلام اس ذریعہ و واسطہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچائے اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتا اور رہن سہن میں معاشرہ کا محتاج نہ ہوتا تو کلام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی پس حروف اور لفظوں سے مرکب ہونے والی آواز کو کلام کا نام دے دیا گیا اور حیوان چونکہ حروف و الفاظ کے بغیر پہلے آوازوں سے یا اشاروں سے یا آنکھوں یا دوسرے مخصوص ذرائع سے ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھا لیتے ہیں لہذا ان کا وہ مخصوص انداز کلام کہا جاسکتا ہے پس موجودات کی ہر نوع و صنف کا کلام ان کی حقیقت و کیفیت و حیثیت کے لحاظ سے جدا جدا نوعیت کا ہو گا۔ لہذا جس کلام کی تعریف اہل لغت کرتے ہیں کہ لفظوں اور حروف سے مرکب ہونے والے بمعنی و مفید آوازوں کا نام کلام ہے یہ صرف کلام انسانی کی تعریف ہے نہ کہ مطلق کلام کی۔ بنا بریں پرندوں اور حیوانوں کی آوازیں جو افہام و تفہیم کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوں ان کا کلام کہی جاسکتی ہیں اور وہی ان کی بولی ہوتی ہے بلکہ بعض شعراء عرب نے تو غیر جاندار اشیاء کی ہیئت کذائیہ کو بھی کلام کہا ہے جو کسی بات پر دلالت کرتی کر رہی ہو۔ چنانچہ ایک عرب شاعر تنبیہ کرتا ہے۔

وَزَكِيٌّ سَاءَ التَّرِيَاضِ كَلَامُهَا وَيَبْغِي الشَّنَاءَ عَلَى الْحَيَاءِ فَتَفْجُحُ

باغات کی پاکیزہ خوشبو ان کا کلام ہے وہ ہارش کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہبک اٹھتے ہیں

وَأَوْتَيْنَا مَقْصِدَ يَرْهَبُ كَرَمُوتٍ أَوْرِ حُكُومَتِ كَيْ يَعْ قَدْرَ اشْيَاءِ كِي نَصْرُوتِ هُوتِي كَيْ كِهْ خَدَانِي كَيْ عِطَافَرْمَانِي كَيْ كَيْ .

وَحَشْرٌ لِسُلَيْمَانَ - تفسیر بران میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ حضرت سلیمان بن داؤد کو مشرق و مغرب یعنی پوری روئے زمین پر حکومت دی گئی اور سات سو برس اور چھ ماہ انہوں نے حکومت کی۔ ان کی حکومت جنوں انسانوں شیطانوں حیوانوں اور درند چرند پرند وغیرہ کی جملہ اصناف پر تھی ہر قسم کی ضروریات کا علم ان کو دیا گیا اور ہر جنس کی بولی ان کو تعلیم کی گئی۔ ان کے دور سلطنت میں عجیب و غریب صنعتیں رونما ہوئیں۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خداوند کریم نے دیگر علوم کے علاوہ اس زمانے کی مروجہ تمام زبانوں کی معرفت بھی عطا فرمائی تھی بلکہ وہ پرندوں درندوں اور جملہ حیوانوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ علاوہ ازیں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے تو زبان فارسی استعمال کرتے تھے۔ جب حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کا رکنوں اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے تھے تو رومی (انگریزی) زبان بولتے تھے خانگی اور گھریلو معاملات میں سرانی (فارسی) زبان استعمال کرتے تھے جب محراب عبادت میں خالق بے نیاز کے سامنے عبادت و مناجات کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عربی زبان کو استعمال فرماتے تھے اور جب بیرونجاہگے وفد ملنے کے لیے آتے یا چیف جسٹس کی کرسی پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت عبرانی زبان میں بات کرتے تھے۔ اور یہی گویا اس زمانہ کی عام مروجہ زبانیں تھیں۔

تفسیر صافی میں بروایت بصائر الدرجات منقول ہے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا۔ تحقیق اللہ نے ہمیں بھی پرندوں کی بولیاں تعلیم کی ہیں۔ جس طرح حضرت سلیمان بن داؤد کو تعلیم کی تھیں اور ہمیں ہر حیوان کی بولی کا علم دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے خواہ (سجری ہو یا بری)

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ انسانوں پرندوں اور حیوانوں بلکہ کسی ذی روح کا کلام امام سے مخفی نہیں ہوتا یعنی جو شخص جس بولی اور جس لہجے میں بات کرے امام اس کو سمجھ سکتا ہے اسی طرح وہ جملہ ذی روح جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتا ہے اور فرمایا جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ امام نہیں ہے یہ کیفیت اس باب میں روایات کثیرہ موجود ہیں کہ اگر ظاہرین حیوانات کی بولیاں جانتے تھے۔

وَحَشْرٌ لِسُلَيْمَانَ - تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد کی فوجی چھاؤنی کا رقبہ ایک سو فرسخ یعنی تین سو میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پچیس فرسخ انسانوں کے لیے پچیس قوم جن کے لیے پچیس وحشی جانوروں کے بے اور پچیس فرسخ پرندوں کے لئے مخصوص تھے اور آپ کی رہائش کے محلات اور رہائشی مکانات ایک ہزار کی تعداد میں تھے جو شیشے سے بنے ہوئے تھے اور ان کے نیچے لکڑی لگی ہوئی تھی۔ آپ کی منکوہ عورتیں تین سو اور کنیزیں سات سو تھیں جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تھے تو تخت اس قدر وسیع تھا کہ اس پر ہر صنف کا ایک ایک گروہ بیٹھا تھا پس ہوا کو حکم دیتے تھے تو تخت کو فضا میں اڑا کر چلتی تھی پہلے تیر ہوا کو حکم ہوتا تھا اور وہ آپ کے تخت کو زمین سے بلند کرتی تھی پھر نرم اور دھیمی ہوا اس کو وہاں لے جاتی تھی جہاں کا آپ ارادہ کرتے تھے۔ ایک دن آپ کا تخت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا مَسَاجِدَكُمْ لَا يُحِطُّ بِكُمْ سُلَيْمٌ

اے چیونٹیا! اپنے سوراخوں میں گس جاؤ کہیں لاشعری کے عالم میں تم کو سلیمان

وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾ فَتَسْمَعُ صَاحِبًا مِّنْ قَوْلِهِمَا

اور اس کا لشکر رند نہ ڈالے پس پھنسنے خوب اس کی بات سے اور

وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ

ہم اے رب مجھے توفیق دے کہ شکر کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر کیا ہے اور

دوش ہوا پر سوار تھا اور آپ فضائے آسمانی میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پورے شاہانہ ٹھانڈے سے جلوہ کرتے کہ پروردگار کی جانب سے وحی ہوتی کہ میں نے تیری حکومت میں ایک اور انسان کو دیا ہے اور وہ یہ کہ مخلوق میں کوئی بھی کہیں بات نہیں کرے گا مگر ہوا پر ایک کی ہر آواز کو تیرے کانوں تک پہنچا دے گی۔

يُؤَنِّرُ عَمَّا يَشَاءُ ۗ لِيُذِكرَ الْبُرُودَ الَّذِي يُرْسِلُ فِيهِ رُوحَهُ لِيُقَدِّسَ فِيهِ فَمَا فِيهِ كُفْرًا ۗ وَ

حضرت سلیمان کے تخت کے اوپر جو قالین بچھایا جاتا تھا وہ طول و عرض میں ایک ایک فرسخ (۳) میل تھا جو ریشم کے ساتھ سنہری تاروں کا بنا ہوا تھا اور جنوں نے تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ درمیان میں آپ سنہری منبر پر جلوہ گرتے اور ارد گرد میں ہزار سنہری درو پہلی کر سیاں رکھی جاتی تھیں جن میں سنہری کرسیوں پر انبیاء اور درو پہلی کر سیموں پر علماء تشریف فرما ہوتے تھے ان کے ارد گرد باقی لوگ بیٹھے اور ان کے ارد گرد قوم جنات و شیاطین کو جگہ دی جاتی اور اوپر فضا میں پرندے پر پھیلائے ہوئے سر پر سایہ لگن رہتے تھے تاکہ آپ پر دھوپ نہ پڑے۔ صبح سے شام تک دوش ہوا پر تخت سلیمانی ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام سے صبح تک بھی اسی رفتار و انداز سے سفر طے ہوتا تھا۔

أَتَوَاعَلَىٰ وَادِ التَّحْلِيلِ ۗ لِيُذِكرَ الْبُرُودَ الَّذِي يُرْسِلُ فِيهِ رُوحَهُ لِيُقَدِّسَ فِيهِ فَمَا فِيهِ كُفْرًا ۗ وَ

چوٹی کی بات آپ کے کانوں تک پہنچا دی جو دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی اپنے سوراخوں میں گس جاؤ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر لاشعری کے عالم میں تم کو روند نہ ڈالیں اور اس چیونٹی کا نام منذرہ بتایا گیا ہے۔ علامہ طبرسی نے اس آیت کے ماتحت یہ نظریہ پیش فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دن حضرت سلیمان کا تخت فضائے آسمانی میں نہیں تھا بلکہ زمین پر لشکر سمیت پیدل سفر کر رہے تھے اور غالباً اس وقت ہوا کو ان کے زیر فرمان نہیں کیا گیا تھا اس لئے تو چیونٹی نے روند جانے کا خطرہ ظاہر کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کو تو جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن چیونٹی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت

# عَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ

جو تو نے میرے والدین پر رکھی اور یہ کہ عمل کروں نیک جس پر تو خوش ہو اور مجھے داخل فرما اپنی رحمت سے

## فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۱۹ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا

اپنے نیک بندوں میں اور پڑتال کی پرندوں کی پس فرمایا کیا بات ہے کہ

سیلمان اور اس کا لشکر آرہے ہیں اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جب حضرت سیلمان کو تمام جانوروں پر حق حکومت دیا گیا تو اس کا لازمہ ہے کہ جانوروں کو بھی شعور دیا جائے تاکہ وہ سیلمان اور غیر سیلمان میں فرق کر سکیں ورنہ اپنے حکمران کی اطاعت صحیح معنوں میں نہ کر سکیں گے اور چیونٹیاں اپنے اندر پہلے سے ایک فطری شعور رکھتی ہیں چنانچہ وہ جس قدر دانے اپنے سوراخوں میں جمع کرتی ہیں ان کو دو حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں کیونکہ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ نمی پڑنے سے اُگ نہ جائیں اور دھنیا چونکہ نصف بھی اُگتا ہے۔ لہذا دھنیا کے دانے کو دو چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں پس جس پروردگار نے ان کو یہ شعور دیا ہے وہ یہ شعور بھی دے سکتا ہے کہ کون ہمیں روند سکتا ہے اور کون نہیں روند سکتا اور سیلمان اور غیر سیلمان میں ان کو امتیاز کرنے کی طاقت بھی دے سکتا ہے اور بعضوں نے اس امر کو حضرت سیلمان کا خارق عادت معجزہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ چیونٹی کی بات جب حضرت سیلمان کے کانوں تک پہنچی تو روک گئے، اور لشکر کو بھی پیشقدمی سے روک دیا۔ تاکہ وہ سب کی سب اپنے سوراخوں میں گھس سکیں۔ اور حضرت سیلمان کے ہنسنے کی وجہ بھی یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ اپنے عادلانہ رویے پر خوشی محسوس کر کے ہنسنے لگے چیونٹی تک چھوٹے سے چھوٹے اور گمراہ سے گمراہ حیوان بھی مجھے اپنا عادل حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وہ بھی میرے عدل کے قائل ہیں چنانچہ چیونٹی بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی ہے کہ سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ لا شعوری کے عالم میں سیلمان کا لشکر تم کو روند نہ دے وہ یہ سمجھتی ہے کہ دیدہ دالستہ عادل بادشاہ ہمیں ہرگز نہ روندے گا پس خوشی سے ہنسنے اور اس کے بعد بارگاہ ربوبیت میں نعمت پروردگار کا شکر یہ ادا کیا اور عرض کی مجھے اپنے شکر کی مزید توفیق مرحمت فرما۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سیلمان اور آپ کا لشکر پیدل نہیں بلکہ فضا ئے آسمانی میں وادی نمل سے تین میل کی بلندی پر تھا اور ہوانے چیونٹی کی آواز کو ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔ جب کہ وہ دوسری چیونٹیوں کو جلدی سوراخوں میں گھسنے کا مشورہ دے رہی تھی پس اس کی ہوشیاری اور پھرتی سن کر ہنسنے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت سیلمان کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا آ رہا تھا کہ چیونٹی نے بات کہی اور ہوانے حضرت سیلمان کے کانوں تک پہنچا دی والبتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سیلمان علیہ السلام کا پروگرام وادی نمل میں اترنے اور قیام کرنے کا ہو اور اس کو چیونٹی باذن پروردگار بھانپ گئی ہو کہ لشکر نے یہاں اترنا ہے پس اپنی قوم کو متنبہ کر دیا ہو، یہ بات سن کر حضرت سیلمان نے لشکر کو قیام کا حکم دیا اور تخت زمین پر آگیا، پس حکم دیا کہ اس چیونٹی کو میرے پیش کیا جائے چنانچہ جب وہ لائی گئی تو اپنے فرمایا کیا تو مجھے نبی نہیں سمجھتی اور کیا میں عادل نہیں ہوں؟ چیونٹی نے عرض کی حضور میں آپ کو نبی بھی سمجھتی ہوں اور عادل بھی جانتی ہوں آپ



# أَرَى الْهَدْدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۳۰﴾ لَعَدِبْنَهُ عَذَابًا

میں پرہیز کو نہیں دیکھ رہا کیا وہ غیر حاضر ہے ؟ اس کو ضرور سزا دوں گا

# شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَجَنَّهُ أَوْلِيَاءَ تَبِيِّ سُُلَيْمَانَ مَبِينٍ ﴿۳۱﴾ فَكَتَبَتْ

سخت یا اس کو ذبح کر دوں گا مگر یہ کہ لائے میرے پاس دلیل دعویٰ واضح پس زیادہ

نے فرمایا پھر تو نے اپنی قوم کو میرے ظلم سے کیوں خوفزدہ کیا ہے اس نے عرض کی حضور! وہ عبادتِ خدا کرتی تھیں اور توحید پرست تھیں اگر آپ کا تخت و تاج سخت و اقبال اور شان و شوکت دیکھ لیں تو معمولی شعور رکھنے والی مخلوق آپ کو خدا سمجھ بیٹھتی اور خدا کی عبادت سے اعراض کر کے آپ کی عبادت کرنے لگتی، اور مشرک ہو جاتی میں نے اس بہانہ سے ان کو شرک سے بچایا ہے کہ نہ یہ شان و شوکت دیکھیں اور نہ ان کا عقیدہ خراب ہو۔ پس عبادت پروردگار میں کسی کو شریک نہ کرنے پائیں۔

وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ الطَّيْرَ فَقَدْ كَا مَعْنَى ہوتا ہے پڑتا ل کرنا کہ سب حاضر ہیں یا کوئی ان میں غیر حاضر بھی ہے۔

مَالِي لَا أَرَى۔ درحقیقت مال لا آرا کا ہونا چاہیے اس کو کیا ہو گیا ہے کہ نظر نہیں آتا لیکن محاورہ عرب میں ایسی ترکیبوں میں ازراہ تعجب نسبت متکلم کی طرف دی جاتی ہے جس طرح کسی کو غمناک دیکھ کر کہا جاتا ہے۔ مَالِي أَمَّا كَيْسِيَا۔ حالانکہ کہا چاہیے۔ مَا لَكَ أَرَاكَ كَيْسِيَا۔ یعنی تجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں۔

الْهَدْدُ۔ پنجابی میں اس کو درکھان بھی کہتے ہیں۔ تفسیر میں اس کی دو وجوہ ذکر کی گئی ہیں ایک تو یہ کہ جب آپ تخت پر اہل دربار سمیت جاوے گئے تھے تو پرندے اوپر صرف بستر کے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی گود میں دھوپ کا نشان ہوا تو فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو ہڈ پڑ غائب تھا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو سفر میں پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو پانی تلاش کرنے کیلئے حکم دینا تھا کیونکہ یزیدین کے اندر پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح ہمیں شیشے سے نظر آتا ہے۔ بروایت عیاشی ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت سلمان کی ہڈ پڑ کو طلب کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ہڈ زمین سے پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح تم لوگ شیشی میں تیل کو دیکھتے ہو۔ یزیدین کو ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر ازراہ تسخیر نہیں لگا۔ آپ نے پوچھا۔ اے ہنسا کیوں ہے پھکنے لگا۔ آج میں نے جیت لیا ہے۔ فرمایا وہ کیسے ؟ تو کہنے لگا جو پرندہ پانی کو زمین کے اندر سے دیکھ سکتا ہے وہ زمین کے اوپر سمجھے ہوئے جال کو کیوں نہیں دیکھ سکتا کہ چھنس جاتا ہے بہ آپ نے فرمایا اے نعمان، تجھے معلوم نہیں جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتا کرتی ہیں۔

لَعَدِبْنَهُ عَذَابًا۔ یعنی میں اس کو اس غیر حاضری کی اور بلا رخصت چلے جانے کی سزا دوں گا یا تو اس کے پر نوج کر اس کو دھوپ میں ڈال دوں گا یا اس کے کسی دشمن پرندے کے ہمراہ اس کو پتھر سے میں قید کر دوں گا۔ چونکہ آپ کی حکومت کا دائرہ وسیع تھا اور پرندے بھی ان کے زیر حکومت تھے لہذا قانون شکنی اور فریضہ سے غیر حاضری کی سزا نظام حکومت کو قائم رکھنے کے

لئے ضروری تھی پس ہر جنس کی سزا اس کی اپنی حیثیت کے مطابق تجویز ہو کر تھی چنانچہ ہدہ کی سزا پر نوحؑ کو دھوپ میں ڈالنا یا دشمن کے ساتھ ایک بچہ میں قید ہونا یا ان دونوں سے سخت سزائے موت دینا تھی چنانچہ فرمایا اُولَآذِیْنَ جُنُتْہُ یَا اِسْ کُذِّبْ کُروں گا چونکہ پوری مملکت میں آپ چیخ جھٹس تھے۔ لہذا معمولی سزادیتے یا سخت سزا تجویز کرتے یا سرے سے معاف کر دیتے۔ ان کے اختیار میں تھا۔

اُولَآذِیْنَ جُنُتْہُ۔ یا یہ کہ وہ میرے پاس عذر واضح لائے اور اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے پس سزا معاف کر دوں گا۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت محمد مصطفیٰ ص تمام نبیوں کے وارث تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ حضورؐ اس سے اعلم تھے۔ سائل نے پوچھا۔ حضرت عیسیٰؑ مردوں کو باذن پروردگار زندہ کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان بن داؤد پرندوں کی بولیاں جانتے تھے؟ کیا حضورؐ بھی یہ کام کر سکتے تھے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نے جب ہُد ہد کو غائب پایا تو ناراض ہو کر فرمایا میں اس کو اس کی غیر حاضری کی سزا دوں گا کیونکہ وہ پانی کے متعلق صحیح خبر دیا کرتا تھا۔ تو گو یا اس پرندہ کو وہ چیز عطا کی گئی جو حضرت سلیمان کو عطا نہ ہوئی۔ بے شک ہوا چوٹیوں جن و انس اور شیاطین وغیرہ سب اس کے اطاعت گزار تھے لیکن ہوا میں پرواز کرنے کے باوجود اسے پانی معلوم نہ ہو سکتا تھا اور اس بات میں وہ ایک پرندے کا محتاج تھا اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ قرآن کے ذریعے پہاڑ چل سکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کئے جاسکتے ہیں اور مردے زندہ ہو سکتے ہیں اور ہم اسی قرآن کے وارث ہیں جس میں پہاڑوں کا چلانا مسافت کا طے کرنا اور مردوں کا زندہ کرنا موجود ہے اور ہم ہوا کے نیچے پانی کا وجود جانتے ہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی غائب ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتاب میں نہ ہو نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو کیا ہے جن کو ہم نے چن لیا ہے۔ پس ہم ہی وہ ہیں جن کو اللہ نے چنا ہے اور ہم کو ہی اس نے کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ (ملاحظاً)

وفی میں بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں سخت قحط ہوا پس لوگ حضرت سلیمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور دعائے بارش کی درخواست کی آپ نے فرمایا کلی صبح نماز کے بعد آجانا چنانچہ دوسرے دن نماز صبح کے بعد آپ جمع رعایا کے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ چوٹی کو آپ نے دیکھا کہ قدم زمین پر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے مناجات کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم تیری مخلوق تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تو ہم کو نبی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اب پاٹ جاؤ کہ دوسری مخلوق کے صدق میں تمہیں بھی سیراب کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ واپس آئے اور اس سال اس قدر بارش ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایک سال میں اتنی بارش نہیں ہوئی تھی (وفی باب الذنوب) اور اسی مضمون کی روایت فقہیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

فَمَكَثَ ۲۳۴۔ یعنی حضرت سلیمانؑ زیادہ نہ ٹھہرا کہ ہُد ہد پیش ہو گیا۔ اور اس نے اپنا غدر پیش کرنا شروع کیا یا یہ کہ ہُد ہد زیادہ نہ ٹھہرا۔ غیر حاضری میں کہ آگیا اور کہنے لگا۔

غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطَّتْ بِمَا لَمْ تَحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ

ویر نہ گزری (کہ وہ آگیا) میں کہا میں ایک خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں اور لایا ہوں تک سب سے

نَبَأٍ يَّقِينِ ۲۲) اِنِّي وَجَدْتُ امْرَاةً تَمْلِكُهُمْ وَاوْتَيْتُ مِنْ

یقینی خبر تحقیق میں نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ان پر حکمران ہے اور دی گئی اس کو

كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۲۳) وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ

(حکومتی ضرورت کی) ہر چیز اور اس کا تخت عظیم الشان ہے اور میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا ہے پوجا کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

سورج کی اللہ کے سوا اور مزین کیا ہے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک رکھا ہے

عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۲۴) اَللّٰی سَجَدَ وَاللّٰهُ الَّذِي

ان کو سیدھے راستے سے پس رہ ہدایت نہیں پاتے کہ نہ سجدہ کریں اللہ کا جو

أَحَطَّتْ میں نے اس کا احاطہ کیا ہے۔ جس کا آپ نے نہیں کیا یعنی میں وہ معلومات حاصل کر کے لایا ہوں۔ جو آپ کو نہ جن فرام کر سکے اور نہ انسان۔ اور میں ایسے مقام پر پہنچا ہوں کہ آپ آج تک وہاں نہیں پہنچ پائے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ سابق انبیاء میں یہ بات ممکن تھی بلکہ واقع تھی کہ ان کی رعایا اور امت میں سے کوئی فرد ایک بات جانتا ہو اور نبی کو اس کا علم نہ ہو۔ لہذا حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کے واقعہ میں یہ کہنا کہ ماتحت نبی کو ایسی باتیں معلوم تھیں جن کا مافوق نبی موسیٰ کو علم نہ تھا کیسے ممکن ہے؟ حضرت موسیٰؑ کا ماتحت انسان تو تھا بلکہ نبی بھی تھا۔ جس سے بعض معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا لیکن حضرت سلیمان کا ماتحت نبی تو بجائے خود انسان بھی نہیں ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو ایسے معلومات لایا کہ نبی بھی ان سے بے خبر تھا۔ ہاں علوم نبوت اور احکام شریعت میں ہر نبی کا اپنے زمانہ کے اور اپنی جملہ امت کے افراد سے ممتاز ہونا ضروری ہے اور یہ اللہ کے راز ہیں اور وہ خود ہی ان کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

بہر کیف ہد ہد نے جب یہ دعویٰ کیا کہ میں ایسے معلومات لایا ہوں کہ آپ ان سے آج تک بے خبر ہیں تو حضرت سلیمان ؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور پوری توجہ سے اس کی خبروں کو سنا۔ اس مقام پر حضرت سلیمان ؑ کا یہ دعویٰ کہ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہم کو ہر چیز میں سے عطا کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء نظام مملکت اور تدریس سلطنت کے لئے نیز جو علوم

# يُخْرِجُ الْخَبَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا

نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (علم سے وجود کی طرف) اور جانتا ہے خفیہ و اعلانیہ

ومعارف مقام نبوت کے لئے ضروری ہیں ہم کو وہ عطا کئے گئے ہیں نہ کہ ہر چیز ورنہ ہد ہد کی خبر سے وہ بے نیاز ہوتے۔

مِنْ سَبَاءٍ۔ ہد ہد نے کہا کہ میں ابھی تک سب سے آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت حکمران ہے۔ بعض نحویوں نے سب کو منصرف پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قبیلہ منسوب ہے اور بعضوں نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے پس علم اور تائید کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور بعض نحویوں نے اس کا منصرف پڑھا اور غیر منصرف پڑھنا برابر قرار دیا ہے اور جنہوں نے ایک شخص کا نام قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ مینی لوگ سب اس کی نسل سے ہیں اور وہ سب ابن شیبہ ابن یعرب بن قحطان تھا اور بعضوں نے کہلہ ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک یمن میں واقع ہے اور اس کا دوسرا نام مارب ہے اور یہ صنعا سے یمن دن کی مسافت پر واقع ہے۔ شاید اس زمانہ میں ملک یمن کو ملک سب سے کہتے ہوں گے کیونکہ پایہ تخت ہی شہر تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ خداوند کریم نے سب میں بارہ نبی بھیجے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے حضور سے سب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا سب ایک آدمی کا نام تھا جس کے دس لڑکے تھے ان میں سے چھ یمن میں آبا د ہوئے اور چار شام میں جا بسے ان کے نام نخم جذام عسار اور عاملہ تھے اور مینیوں کے نام کاندہ اشعرا و مذحج عمیر اور انار ہیں اور انار کے دو قبیلے ہیں خشم اور بجلیہ۔ ہر کیف شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو یا شخص کا نام ہو۔ ان میں تضاد اس لئے نہیں کہ ایک شخص کے نام سے شہر کا نام بھی رکھا جا سکتا ہے اور وہ قبیلہ کا نام بھی بن جاتا ہے۔

بِنَبَأٍ يَفِيئُ۔ یعنی پکی خبر اور ہر لحاظ سے مکمل خبر لایا ہوں کہ اس کا کوئی ضروری گوشہ معرض خفا میں نہ ہوگا اور احاطہ کا لفظ بھی اس معنی کی وضاحت کے لئے ہے کہ میں نے اس کے سارے گوشے معلوم کئے ہیں کہ ادھوری خبر نہیں لایا۔

اِمْرَاةٍ۔ یعنی وہاں واحد حکمران ایک عورت ہے (اس کا نام بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان تھا اور مروی ہے کہ چالیس پشتوں سے ان میں حکومت چلی آ رہی تھی۔ چالیسواں بادشاہ بلقیس کا والد تھا جس کا نام شراحیل یا شریل منقول ہے۔)

اَوْتِيَتْ۔ یعنی تدبیر مملکت اور نظام حکومت کے لئے جن اسباب و آلات کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پاس سب کچھ موجود ہے۔

عَرَضَتْ عَلَيْنَا۔ یعنی اس کا سر پر مملکت بہت بڑا ہے کہ آپ کے پاس بھی ایسا نہیں ہے جس کا سامنے کا حصہ سونے کا ہے۔

جس پر باقوت سُرخ اور زمردین جڑے ہوئے ہیں اور پھلا حصہ چاندی کا ہے جو گونا گوں کے ہیرے جواہر اور رنگ برنگے موتیوں سے مرصع ہے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس کی لبائی چوڑائی اور بلندی تیس تیس ذراع تھی اور وہ دربار عام میں اس کے اوپر بیٹھ کر حکم کرتی تھی۔ رازی نے (علی ما نقل عنہ) ذکر کیا ہے کہ ملحد و بے دین لوگ اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اولاً تو ہد ہد کا کلام کرنا ناممکن ہے اور ثانیاً شام (اردن) سے یمن کی طرف جانا اور تھوڑی سی مدت میں جا کر واپس پہنچنا بھی محالات میں سے ہے اور اس کا جواب مفصل لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ امور خالق کل پروردگار کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہیں۔ اس قسم کے اشکالات وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہاتھ دامن توجید

سے کوتاہ ہو۔ ابو الحسن شعرانی مجمع البیان کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ پرندہ کی حکایت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو قابل اعتراض ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے لئے امور غائبہ کی خبریں دینا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نیر پرندوں کا تربیت پا کر خطوط لے جانا اور ان کا جواب لانا امور ناممکنہ میں سے نہیں ہے۔ لہذا مفسرین نے اس بارے میں جو معلومات درج کتب کی ہیں ان کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت وسیع ہے اور واقعہ میں ذکر کردہ امور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہیں البتہ اگر روایات غلط طور پر نقل کی گئی ہیں تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسی روایات درج کتب کی ہیں جو حقیقت سے بے تعلق ہیں (اقول) زمانہ گذشتہ میں جب کہ اسباب و ذرائع محدود تھے۔ اور رسل و رسائل کے امور پیدل کے لیے چوڑے اسفار پر منحصر تھے شایان وقت کے پاس پرندوں کی تربیت کا معقول انتظام ہوتا تھا جو بعض ضروری خطوط کو تربیت یافتہ پرندوں کے ذریعے سے دور دراز تک بھیجتے تھے اور جواب واپسی بھی حاصل کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چونکہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ پرندے بھی اس کے زیر فرمان تھے تو ان کا تربیت یافتہ ہونا اور اس قسم کے امور کو انجام دینا کیا بعید ہے نیز اللہ قادر ہے کہ بعض پرندوں کو اس قدر تیزی کی توفیق دے دے اور حضرت سلیمان ؑ کی جانب سے ممکن ہے کہ محکمہ سرانفرسانی اپنی پرندوں کے سپرد ہو جس طرح کہ سی آئی ڈی (خشیاہ پولیس) کی ڈیوٹی ہوا کے ذمہ تھی اور محکمہ تعمیرات قوم جن کے سپرد تھا اس کا بلا اطلاع چلا جانا حضرت سلیمان ؑ کے لئے قابل اعتراض تھا اور محکمہ سرانفرسانی کا اس کے ذمہ ہونا اس امر سے بھی منکشف ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے جب اس کی غیر حاضری پر اس کی سزا کا اعلان فرمایا تو یہ استثناء بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی معقول عذر اور واضح چیز اس نے پیش کی (یعنی کچھ اچھے معلومات اس نے فراہم کئے) تو اس کی سزا برطرف کر دی جائے گی اور ہڈ ہڈ کی مکمل رپورٹ اس امر کی غماز ہے کہ وہ تربیت یافتہ تھا اور اس میں عہدہ سفارت کی اہلیت موجود تھی۔

وَجَدْتُمْهَا وَقَوْمَهَا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ تفصیل بیان کی کہ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو سورج کی عبادت کرتا ہوا پایا ہے کہ وہ اللہ کے سجائے سورج کے سجدی ہیں اس پر بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ہڈ ہڈ جیسے پرندے کو اللہ کی معرفت سے کیا سروکار اور اسے کیا خبر کہ سورج کی عبادت اور اللہ کی عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں نہ وہ ذوی العقول میں سے تھا اور نہ اس قسم کی باتیں سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا کیونکہ عبادت کی تکلیف صرف جنوں اور انسانوں کے لئے ہے اور یہی معرفت حاصل کرنے کے اہل ہیں اور اس اشکال کا حل انہوں نے یہ پیش کیا ہے کہ پرندے کی خبر اس طرح تھی جس طرح انسانوں میں چھوٹے لڑکے جو بلوغ کے قریب ہوں وہ اگرچہ خود معرفت نہیں رکھتے لیکن ہمیں اللہ کی عبادت کرتا دیکھ کر کہیں اس کا الٹ دیکھیں تو اس کو باطل کہنے کو تیار ہوتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ حق و باطل میں تمیز کرنے کے اہل نہیں ہوتے اسی طرح ہڈ ہڈ نے ادھر حضرت سلیمان ؑ کو اللہ کا سجدہ کرتے دیکھا تھا جب ملکہ سبار کو اس نوعیت کی مخالف عبادت میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ باطل ہے۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ یہ حل بالکل قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ حق اور باطل یعنی توحید پرستی اور سورج پرستی میں فرق کرنا اور ایک کو اچھا سمجھنا اور دوسرے کو بُرا جاننا بغیر معرفت خداوندی کے قطعاً ناممکن ہے اسی طرح جائز اور ناجائز کا فرق بیان



تَعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ

سب کاموں کو اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے فرمایا

سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۷﴾ اِذْ هَبْ بَكَّتِي

عقرب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا ہے تو جھوٹا برتنے والوں میں سے لے جا میرا یہ خط

هٰذَا فَالِقَهُ الْيَمُّ ثُمَّ قَوْلَ لَنْ نَجِدَ لَكَ مٰذًا يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

پس ڈال طرف ان کے پھر پوشیدہ ہر جان سے پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں ؟

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوۡا۟ إِنَّيۡ أَخْبَأْتُ كَرِيۡمًا ﴿۲۹﴾ إِنَّهُ مِن

کہنے لگی اے سردارانِ قوم میری طرف بھیجا گیا ہے ایک خط کریم تحقیق وہ سیماں

ترک سجدہ پر مذمت کا ہونا سجدہ کی محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ بنا بریں آیت کے اختتام پر سجدہ مستحب ہے اور اس کا طریقہ پارہ ۱۹ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

حَبَّ السَّمٰوٰتِ۔ اس جگہ حَبُّ بمعنی محبوب ہے یعنی جن اشیاء کو خدا نے کرمِ عدم سے نکال کر منصفہ شہود پر خلعت وجود میں ظاہر فرمایا وہ سب محبوب یعنی پوشیدہ تھیں جن کو عالمِ خفا سے نکال کر عالمِ ظہور میں اس نے جگہ دی۔ بعضوں نے حَبُّ کا معنی غیب کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمانوں کی پوشیدہ چیز جس کو اللہ ظاہر کرتا ہے اس سے مراد بارش ہے اور زمین کی پوشیدہ اشیاء جملہ نباتات ہیں۔ قَالَ سَنَنْظُرُ۔ جب ہڈہ نے اپنے سفر کی رپورٹ پیش کر لی تو حضرت سیماں نے فرمایا تیری خبر کی صحت کا ہم ابھی امتحان لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک خط تحریر فرمایا اور سر پہ کر کے ہڈہ کے حوالے کیا اور فرمایا میرا خط ملکہ سبار بلقیس کے پاس لے جا اور اس کا جواب واپس لے آ۔

فَالْقَلْعَةُ۔ اس کو قاریوں نے تین طریقوں سے پڑھا ہے۔ الْقَلْعَةُ۔ الْقَدْرُ الْقَدِيمُ۔ موجودہ قرآنوں میں پہلی قرأت درج ہے۔ قَوْلَ عُنُقُهُمْ۔ یہ عبارت صاف بتلاقی ہے کہ وہ پرندہ تربیت یافتہ تھا کیونکہ حضرت سیماں اس کو فرما رہے ہیں کہ خط دے کر ان کی نظر سے چھپ کر رہنا اور حالات کا خوب جائزہ لیتے رہنا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کیا تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ہڈہ خط کھلے کر وہاں پہنچا تو اس وقت ملکہ بلقیس اپنے محل میں سیدھی سوئی ہوئی تھی اور محو خواب تھی پس اس نے اس کے سینے پر خط پھینک دیا اور اس کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہڈہ کہیں رات کے پچھلے حصہ میں پہنچا کہ اس کے پہنچنے کے بعد سورج کا طلوع ہوا اپنی چونچ میں خط کو لیکر ادھر ادھر موقع کی تلاش میں رہا ملکہ اپنے محل کے اندر تھی اس کے کمرہ میں مشرقی طرف ایک روشن دان تھا کہ چڑھتے سورج کی روشنی اس

سَلِيمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَ

کی طرف سے ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر ہے اور یہ کہ میرے اور پر سرکشی

وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي

نہ کرد اور آجاؤ مسلمان ہو کر کہنے لگے سر دارو! مشورہ دو مجھے میرے معاملہ میں کہ میں نہیں

سے گذر کر کر کے اندر پہنچ جاتی تھی اور ملکہ اٹھ کر سورج کا سجدہ کر لیتی تھی۔ یہ بدہنہ جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے پر بار کر دشنان کی کھڑکی کو بند کر دیا پس کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھے کہ سورج کے طلوع ہونے کا بھی ملکہ کو علم نہ ہو سکا پس وہ دن معلوم کرنے کے لئے اٹھی تو اس نے اس کے سامنے حضرت سلیمان کا مکتوب ڈال دیا ملکہ نے خط کا مطالعہ کیا اور مضمون خط کو سمجھا پھر باہر آئی اور اراکین دولت و مشیران حکومت اور جملہ آفسیران مملکت کو بلایا اس وقت ان کی تعداد تین سو بارہ تھی پس ان کے سامنے حضرت سلیمان کے خط اور اس کے مضمون کا اظہار کیا۔

کتاب حکیمہ خط کو کریم کہنے کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں (۱) خط بند تھا اور اوپر مہر تھی اس لئے اس کو کریم کہا اور حضور کا بھی فرمان ہے کہ خط کا اکرام یہ ہے کہ اس کو بند کر کے مہر کیا جائے (۲) بسم اللہ کی ابتدا کی وجہ سے اسے کریم کہا (۳) حسن تحریر اور عمدگی بیان کی وجہ سے اس کو کریم کہا (۴) چونکہ وہ حضرت سلیمان کے متعلق سن چکی تھی کہ وہ جنوں، انسانوں اور پرندوں سب پر وسیع حکمت و سلطنت کا مالک ہے اس لئے ان کے خط کو کریم کا لقب دیا۔

قَالَتْ مَلِكَةُ بَلْقِيسَ نَبِيَّ اللَّهِ سَلِيمَانَ وَرَجُلًا مِّنْ دُونِهِمَا لِيَسْلُبَ الْأَرْضَ مِنَّا وَأَلَّا نَعْلَمَ

کہاں سے پہلے اعلان تھا۔ چنانچہ خط کا سنا نامہ ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم تھا۔ اس کے بعد اَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ میں بصورت انکار جنگ کا اعلان اور تہدید کا پہلو بھی ظاہر تھا اور آخر میں وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ کے فقرہ میں صلح کی پیش کش تھی۔ سب نے مل کر حضرت سلیمان کے خط کے تینوں پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور جب کسی صبح اور حتمی فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو فوجی افسروں نے اپنی وفا شعاری اور جان سازی کا یقین دلایا کہ ہمارے ذمہ جو فریضہ ہے ہم اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ہر ٹرے سے بڑے دشمن کے سامنے کوہ گراں بن کر کھڑے ہونے کو تیار ہیں اور کٹ جائیں گے سٹ جائیں گے۔ لیکن ناموس ملک اور شرافت قوم کے دامن پر تاحیات داغ نہ آنے دیں گے اور سلطنت کی بقا کی خاطر خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ باقی رہا حکومتی فیصلہ تو اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اقتدار اور تخت تیرے ہاتھ میں ہے۔ پس تیرے حکم کے سامنے ہمارے سر حاضر ہیں جو حکم تمہیں جہلا معلوم ہو ارشاد کیجئے اگر اعلان جنگ کرنا ہے تو فوج با وفا سردھڑکی بازی لگائے کھڑی ہے اور اگر صلح کرنی ہے تو ہماری وفا شعاری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

إِنَّا الْمُسْلِمُونَ۔ ملکہ نے جب فوجی اوجوانوں کو آمادہ حرب و ضرب دیکھا تو کہنے لگی۔ اے میری وفادار فوج کے جاننا زو جیالے



مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝۳۲ قَالَوَانَحْنُ أَوْلُوهُ

قطعی فیصلہ کرتی کسی معاملہ میں یہاں تک کہ تم حاضر ہو کہنے لگے ہم طاقت ور

قُوَّةٌ وَأَوْلُو أَبَاسٍ شَدِيدٌ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝۳۳

ہیں اور کافی شجاعت کے مالک ہیں اور حکم تیرے پاس ہے پس دیکھ لو جو حکم کرنا ہے

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَافَهُ

کہنے لگی تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو

أَهْلِمَا أَذْلَةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝۳۴ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمُ

دلیل کرتے ہیں اور یہی دستور رہا ہے اور میں بھیجی والی ہوں ان کی طرف ایک

بِهَدْيَةٍ فَنُظِرُّهُ بِمَا يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝۳۵ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ

ہدیہ پس دیکھوں گی کہ تمہارا کیا جواب لاتے ہیں پس جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا

نوجوان! اور میرے ملک کے شیردل بہادر! میں تمہارے جذبات سے کھیلنا پسند نہیں کرتی۔ ذرا جذبات سے بالاتر ہو کر سوچو اور ٹھنڈے دل سے اس کا صحیح حل تلاش کرو۔ دیکھو آگ لگانا آسان ہے لیکن اس کے پھیل جانے کے بعد اس کا بھاننا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح لڑائی کا چھیڑنا اور اعلان جنگ کر دینا آسان ہے لیکن اس کا انجام نہایت بھیسا تک اور دہشت ناک ہے۔ آج تک کی تاریخ کا جائزہ تو لو۔ جب بادشاہ لڑتے ہیں تو تباہی جابنیں میں ہوتی ہے۔ اکثر کام کے آدمی اور فرج کے مایہ ناز نوجوان میدان میں مارے جاتے ہیں۔ بہت سے آباد و شاد گھرانوں کی خوشیاں غیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور پھر فاتح بادشاہ جب مفتوح و مغلوب حکمران کے پایہ تخت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتا ہے تو پہلے شہر تباہ ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی باعزت شہری کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اور یہی دستور آج تک چلا آیا ہے ان سب باتوں کو خوب سوچو اور جذبات کی رو میں جانے اور بننے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ فِيهِمْ مِّنْ قَبْلِكَ ۝۳۶ مِّنْ قَبْلِكَ ۝۳۷

میں اس بات کی مزید تحقیق کرتی ہوں کہ آیا وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے یا دنیا کا بادشاہ ہے۔ پس اگر نبی برحق

ہوگا۔ تو ہم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ پس میں ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں، اگر

دنیاوی بادشاہ ہوگا تو مال دنیا سے لے کر خوش ہو جائے گا۔ پھر اس کا مقابلہ ہم آسانی سے کر سکیں گے۔ لیکن اگر نبی ہوگا تو دنیاوی

مال پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔ پس ہم مقابلہ نہ کریں گے۔ بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے خوشی خوشی دامن اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے

ملکہ بلقیس کی رائے سب نے پسند کی۔ اور اسی کو مجلس مشاورت کا آخری فیصلہ قرار دیا گیا۔  
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے پانچ چیزیں تیار کیں۔

۱. نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں اور سب کو ایک رنگ کا لباس پہنایا تاکہ زرد مادہ کی شناخت نہ ہو سکے۔ اور اس میں دو قفل اور بھی ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ہر صنف کی تعداد دو سو تھی اور لباس عورتوں کا لڑکوں کے لئے اور مردوں کا لڑکیوں کے لئے تجویز ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ پانچ سو کی تعداد تھی کہ لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور لڑکوں کو زنانہ لباس۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن گلے میں سونے کے ہار اور کانوں میں موتیوں سے جڑے ہوئے سنہری ہنڈے پہنائے گئے۔ اور سب کو عمدہ گھوڑوں پر سوار کیا گیا جن کی لنگا میں موتیوں سے جڑا ڈوار سنہری تھیں اور یہ سب کچھ بطور ہدیہ کے پیش کرنا تھا۔  
۲. اس میں دو قفل ہیں۔

ایک یہ کہ اٹلس و دیماج کے قیمتی کپڑوں میں سونے کی اینٹیں لپیٹ کر بھیجیں۔  
اور دوسرا قفل یہ ہے کہ سونے کی پانچ سو اینٹ۔ چاندی کی پانچ سو اینٹ اور ایک یا قوت و جواہر سے جڑا ہوا تاج شاہی بطور ہدیہ کے روانہ کرنا تجویز ہوا۔

۳. ایک ڈبیہ میں ایک درنا سفتہ بند کیا اور اس میں ایک مہرہ بھی رکھا جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا  
ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے ہدیوں میں ایک عصا بھی بھیجا جو بعد میں حمیر کے شہنشاہوں میں بطور وراثت کے یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔

۵. نیز ایک پانی کا خالی پیالہ بھی ساتھ دیا۔ پہلی روایت کے مطابق اپنی قوم کے ایک شریف آدمی منذر بن عمرو کو بلایا اور عمدہ سفارت خانہ اس کے سپرد کر کے چند آدمی چیدہ و فہمیدہ اور بھی اس کے ساتھ کئے۔ نیز ایک خط تحریر کیا۔ جس میں حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی گئی کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق نبی ہیں تو عورتوں اور مردوں میں امتیاز کر دیں اور یہ بتائیں کہ ڈبیہ کے اندر کیا چیز بند ہے اور درنا سفتہ میں سوراخ کیا کریں۔

اور تفسیر صافی میں قمری سے منقول ہے کہ سوراخ نہ لو ہے سے ڈالا جائے اور نہ آگ اس کے قریب کی جائے اور ترچھے و ٹیڑھے سوراخ والے مہرے میں تاگا ڈال دیں کہ تاگا ڈالنے والا نہ انسان ہو اور نہ جن ہو۔

اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کے سر کا کنارہ اور نیچے کا کنارہ معین کر دیں اور پیالہ کو پانی سے پر کر لیں جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا ہو۔ پس یہ سب چیزیں اپنے نامزد سفیر منذر بن عمرو کے حوالہ کیں اور خط بھی ساتھ دیا۔ اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ خیال رکھنا جب پہلی بار ان سے ملاقات ہو تو دیکھنا اگر غصہ سے بھر پور ہو کر تجھے رعب و جلال سے دیکھتا ہو تو سمجھ لینا کہ دنیاوی بادشاہ ہے۔ پس بالکل نہ گھبرانا کیوں کہ ہماری طاقت اس سے کم نہیں ہے۔ لیکن

اگر تجھے پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھے اور لطف و کرم کے انداز سے پیش آئے تو یقین کرنا کہ وہ خدا کا فرستادہ نبی ہے۔ پس ادھر سے ہدایا و تحائف لے کر ملک سبا (یمن) سے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اور ادھر پہنچے ان تمام بائیں کو لوٹ کر کے تیز پروازی سے بارگاہِ سلیمانی میں پہنچا اور جاتے ہی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی کارگزاری اور پوری حقیقتِ حال سنا دی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہڈی کی رپورٹ مکمل سن لی تو جنوں کو حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کریں چنانچہ انہوں نے تعمیلِ حکم میں بہت جلدی کی پھر حکم دیا کہ قیام گاہ سے لے کر چند فرسخ تک پورا میدان صاف کر کے اس پر سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش تیار کر لو۔ اور اس پورے میدان کی چار دیواری مکمل کرو۔ جس کے کنگرے سونے اور چاندی کے ہوں۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گیا تو جنوں کو حکم دیا کہ اپنی تمام اولاد کو یہاں بلا لاؤ۔ چنانچہ سب قوم جنات اکٹھی ہو گئی تو فرمایا میدان کے دائیں بائیں ان کو کھڑا کر دیا جائے۔ پس درمیان میں اپنے شاہی تخت پر حضرت سلیمان علیہ السلام خود جلوہ افروز ہوئے۔ اور چار ہزار کرسی، تخت کے دائیں طرف اور چار ہزار کرسی تخت کی بائیں طرف نہایت اچھی ترتیب اور سلیقے سے رکھی گئی۔ شیطاں کو حکم دیا کہ صاف بستہ چند فرسخ تک راستے پر کھڑے ہو جاؤ اور دوسری طرف انسانوں کو صاف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ وحشی جانوروں درندوں حشرات الارض اور پرندوں کو نہایت خوشنما انداز میں صاف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ راستے کے دائیں بائیں بہت دور تک حضرت سلیمان کی مختلف الاجناس فوج صاف بستہ حکم شاہی میں پابند اور چاک و چوبند انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ ادھر سے جب ملکہ بلقیس کے قاصد سامان و ہدیہ لے کر اس میدان کے قریب پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہی ضبط اور فوجی نظم و نسق اور مختلف الاجناس رعایا کا سلیقہ و ڈسپلن ملاحظہ کیا تو ان کے سانس پھول گئے۔ اور حیرت و اضطراب کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے۔ پس شرم کے مارے ہدیے اور تحفے جو ساتھ لائے تھے وہ میدان کی چار دیواری کے باہر پھینک کر اندر آگئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی دربار میں پہنچ کر آپ کا آداب شاہانہ سے سلام کیا آپ نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھی سے پیش آئے اور رسمی خوش آمدید کے بعد فرمایا۔ سناؤ کس مطلب کے لئے آئے ہو تو انہوں نے اپنا سارا پروگرام پیش کر دیا۔ مندر بن عمر و سارے وفد کا سربراہ تھا اس نے ملکہ کا خط پیش کیا آپ نے فرمایا وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے پیش کی تو آپ نے اس کو حرکت دی اور فرمایا اس میں درنا سفتہ ہے اور ایک مہرہ ہے جس کا سوراخ ٹیڑھا ہے۔ بلقیس کے سفیر نے عرض کی کہ حضور درنا سفتہ میں سوراخ کرنا ہے اور مہرے میں تاگا ڈالنا ہے۔ آپ نے دیکھ کر بلوایا اور حکم دیا۔ پس اس نے باریک تاگامند میں لیا اور درنا سفتہ کی ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی۔ پھر فرمایا۔ اس مہرے میں تاگا کون ڈالے گا تو ایک سفید رنگ کے باریک کپڑے نے عرض کی حضور یہ کام میں انجام دوسری گا۔ پس اس نے باریک تاگامند میں لیا اور مہرے کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پار ہو گیا

# قَالَ اتُّمِدُّونَ بِمَالٍ فَمَا آتَيْنَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ

تر آپ نے فرمایا کیا تم میری مدد کرتے ہو مال سے حالانکہ جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم

پھر لڑکیوں اور لڑکوں کے درمیان امتیاز کا مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا تو دیکھا کہ لڑکیاں اپنی فطرت کے مطابق منہ دھونے کے لئے ایک ہاتھ میں پانی ڈال کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملاتی تھیں اور منہ پر پانی ڈالتی تھیں اور لڑکے ہاتھ میں چٹو لے کر منہ پر ڈال دیتے تھے ہاتھ دھونے کے لئے لڑکیاں کہنیوں کے اندر پانی ڈالتی تھیں اور لڑکے کہنیوں پر ڈالتے تھے اسی طرح پانی ڈالنے میں بھی فرق تھا کہ لڑکیاں کہنیوں کے باطن پر ایک بار پانی ڈال لیتیں پھر ملتی تھیں اور لڑکے پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اوپر ہاتھ پھرتے جاتے تھے۔ ان علامتوں سے آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ کر دیا۔ اور دوسری روایت کے ماتحت عصارہ کو اوپر کی طرف پھینکا اور فرمایا جو کنارہ پہلے زمین پر واپس آئے اس کو سر سمجھا۔ پھر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا جب پسینہ پسینہ ہو سکے تو فرمایا پیالے ان کے پسینے سے بھر لو یہ پانی نہ آسمان کا ہے اور نہ زمین کا ہے۔

فَمَا آتَاكُمْ۔ یعنی جب ملک بابلقیس کا قاصد منذر بن عمرو دیہے لے کر پہنچا تو حضرت سلیمان نے ہدیوں کو دیکھ کر فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو حالانکہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا مال کافی ہے۔ تم اپنا مال واپس لے جاؤ۔

بَلْ أَنْتُمْ۔ یعنی تم لوگ ایک دوسرے کے ہدیوں کے محتاج ہوتے ہو اور ہدیے ملنے سے خوش ہونے ہو لیکن میں اس مال دنیا کو حقیر سمجھتا ہوں۔

أَرْجِعْ إِلَيْهِمْ۔ پھر قاصد سے فرمایا کہ ملک سے جا کر کھلے اور واضح الفاظ میں میرا پیغام دے دینا کہ اسلام کے علاوہ میں تمہاری اور کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پس اسلام کو قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو جنگ تمہیں ہنگامہ پڑے گا۔ کیونکہ تمہارے بس میں نہیں کہ میری ان دیوپیکر فوجوں کا مقابلہ کر سکو۔ لہذا بہتر ہے کہ ذلت و خواری سے بچو اور اسلام کے دامن میں با امن و امان داخل ہو جاؤ۔

پس جب ملک بابلقیس کا سفیر واپس پہنچا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت نظام ملک عظمت و شوکت اور فوج و لشکر کے متعلق اپنے آنکھوں دیکھے حالات سنائے اور ہدیے بھی واپس لوٹا دیئے اور سب سوالات کے جوابات صحیحہ بھی پیش کئے تو ملک اور اس کی رعایا کو یقین ہو گیا کہ وہ نبی مرسل ہیں دنیاوی حکمران نہیں ہیں لہذا ان سے جنگ کرنا غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو قبول کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر بارگاہ سلیمانی میں نیاز مندی کے اظہار کے لئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اور آخر کار رخت سفر باندھ کر اپنی شان شانانہ کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف سفر اختیار کیا۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوا۔ ادھر حضرت جبریل نے حضرت سلیمان ؑ کو اطلاع دے دی کہ ملک بابلقیس میں سے روانہ ہو کر آ رہی ہے۔ پس آپ نے اراکین دولت مشیران حکومت اور سرداران لشکر کو خصوصی پیغام بھجو کر ایک مخصوص مجلس مشاورت قائم

بِهَدْيَتِكَ تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِمُ اِلَيْهِمْ فَلَنَاتِيَنَّهٗمْ مَجْبُودًا ۙ

رنگ اپنے ہدیوں سے خوش ہوتے ہر ان کا طرہ واپس جا پس ہم لائیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ وہ ان کا

قَبْلَ لَهْمٍ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذَلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۷﴾

مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے نکال دیں گے ذلیل کر کے کہ وہ خوار ہوں گے

کی۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اجتماع کی غرض سے سب کو آگاہ کیا کہ ملکہ سباجیے اللہ کا رسول تسلیم کر کے ہر ملاقات میں سے روانہ ہو چکی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت بہاؤ پہنچ جائے لہذا تم میں سے کوئی ہے۔ جو میری اس خواہش کو پورا کر سکے۔ اور ملکہ کے تخت کو منگوانے کی کئی وجوہ مفسرین نے ذکر کی ہیں، تخت بلقیس کی تبریف سن کر آپ اس کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے اور چونکہ آپ کے لئے اس کے اسلام کو قبول کرنے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اس کی آمد سے قبل اس کے تخت کو منگوانا چاہتے تھے ۲۴ ملکہ کی عقل و دانش کے امتحان کے لئے ایسا کرنا چاہتا تھا کہ اس کا حلیہ تبدیل ہونے کے بعد وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہ (۳) اپنی نبوت کی صداقت پر ملکہ کو اعجاز دکھانا چاہتے تھے تاکہ اس کا ایمان زیادہ مضبوط ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے دار الحکومت میں پولیس و فرج کے پہرے کے نیچے محلات شاہی میں مقفل کر کے آئی تھی، پس اس کا اس سے پہلے پہنچ جانا خالی از اعجاز نہ تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بہت باعرب اور صاحب جلال انسان تھے خود پہلے کلام نہ کرتے تھے جب تک کوئی دوسرا سوال نہ کرتا تھا۔

پس ایک دن اپنے تخت حکومت پر اپنی شان شانہ سے جلوہ گر تھے کہ نزدیک غبار دکھائی دیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو جواب ملا کہ حضور ملکہ سباجیے آ رہی ہے اور اب فلاں مقام پر قیام پذیر ہے اس وقت آپ کو ذرا حیرت کے درمیان موجود تھے اور اس کا قیام وہاں سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا پس آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا تخت اس کے مسلمان ہو کر پہنچ جانے سے پہلے پیش کرے ایک دیوبول میں مجلس درخواست ہونے سے پہلے پیش کروں گا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام دربار شاہی میں مقدمات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے صبح سے دوپہر تک بیٹھا کرتے تھے جب دیوانے کہا کہ مجلس درخواست ہونے سے پہلے لاؤں گا تو آپ نے فرمایا اس سے بھی جلدی چاہیے۔

لَقَوِيَ اٰمِيْنٌ۔ قوی اس لئے کہا کہ اپنی طاقت پر اس کو بھروسہ تھا کہ میں اس قدر دیر میں لا دوں گا اور امین کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ تخت پر جڑے ہوئے موتیوں اور جواہر کا نقصان نہیں ہوگا اور پوری امانت دہری سے یہ فریضہ انجام دوں گا۔

الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنْ الْكِتٰبِ۔ اس سے مراد حضرت آصف بن برخیا ہیں جو حضرت سلیمان کے جانچنے بھی تھے اور ان کے پاس وہ اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے ہر دعا مستجاب ہوتی تھی اور بعضوں نے اس کا نام بلجیا۔ اسطوم۔ خضر بھی لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جبریل امین تھے کہ خدا نے اس کو حضرت سلیمان ؑ کا تابع کر دیا تھا اور کتاب سے باختلاف

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي

فرمایا درسیان نے اے سرداران قوم کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ پہنچیں میرے پاس

مَسْلُومِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ اِنَّا آتِيكَ بِهَا قَبْلَ أَنْ تَدْعُوهُمْ

سلطان ہو کر کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں اس کو لاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے

مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ

اٹھیں اور میں اس بات پر قدرت رکھنے والا امین ہوں کہا اس نے جس کے پاس کچھ علم تھا

نظریات لوح محفوظ جنس کتب سماویہ یا کتاب سلیمان مراد لی گئی ہے۔

قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ - یعنی میں پلک جھپکنے سے پہلے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمان نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی جب نیچے کی طرف دیکھا تو تخت بلقیس حاضر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آصف نے سجدہ کیا اور اسم اعظم کے ذریعہ سے دعا کی پس تخت بلقیس یمن کے دار الحکومت سبا سے غائب ہو کر حضرت سلیمان کے پاس آئی وقت اس موجود ہوا۔ جب سلیمان نے کہا لاؤ تو آصف نے کہا یہ جیسے حاضر ہے اور تخت بلقیس کے فوراً آجانے کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کی مسافت کو لپیٹ لیا گیا پس علی الارض کے ذریعے سے تخت بلقیس پہنچ گیا۔

**اسم اعظم** تفسیر صافی میں بصائر الدرجات اور کافی سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم تہتر حرفوں پر تقسیم ہے اور آصف کے پاس ان میں سے صرف ایک حرف تھا پس انے زبان پر جاری کیا تو تخت بلقیس کے نیچے سے زمین کچ گئی اور آصف نے اس کو پکڑ لیا پھر زمین اپنی حالت پر چشم زدن میں پلٹ گئی اور ہمارے پاس اسم اعظم کے تہتر حرف ہیں اور ایک حرف باقی اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

بروایت عیاشی حضرت علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اَلَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ الْكِتَابِ كَامِصِدَاقِ اَصْفِ بْنِ برخیا ہے لیکن حضرت سلیمان خود بھی اس اسم اعظم سے عاجز نہ تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ جن دانش پر یہ بات واضح کر دیں کہ میرے بعد تم پر حجت خدایہ ہیں اور یہ بھی حضرت سلیمان کا ہی علم تھا جو انہوں نے آصف کو تعلیم کیا تھا باذن پروردگار اور اس کو اللہ نے ہم عطا فرمائی تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ رہے جس طرح حضرت داؤد کی زندگی میں خدائے فیصلے کی ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی تاکہ داؤد کے بعد ان کی امامت و نبوت میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ تفسیر کی جلد نمبر ۹ ص ۲۴ پر ہم نے اس کی وضاحت کی ہے اور حضرت سلیمان کی حکومت پر بھی وہاں ایک مختصر نوٹ آیات متعلقہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس اسم اعظم

کے دو حرف تھے۔ حضرت موسیٰ ؑ کے پاس چار حرف تھے۔ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آٹھ حرف تھے۔ حضرت نوح ؑ کے پاس پندرہ حرف تھے اور حضرت آدم ؑ کے پاس پچیس حرف تھے لیکن خداوند کریم نے وہ سب حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کو عطا فرمائے اسم اعظم کے بہتر حرف ہیں۔ جن میں سے جتنے بہتر صیغہ خدا کو عطا فرمائے اور ایک مخصوص طور پر اللہ نے اپنے پاس رکھا اور فرمایا خدا کی قسم ہمارے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا۔ حضرت سلیمان ؑ کے پاس ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ سوال کرتے تھے اور ان کا سوال پورا کیا جاتا تھا اور جب کوئی دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔ اگر آج موجود ہوتے تو ہمارے محتاج ہوتے۔ سید رضی کی کتاب خصائص سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام مسجد میں رونق افروز تھے کہ دو شخص مقدمہ لے کر داخل ہوئے ان میں سے ایک خارجی تھا اور فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو کہنے لگا آپ نے فیصلہ درست نہیں کیا اور عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ پس خدا کے نزدیک آپ کا یہ فیصلہ قطعاً پسندیدہ نہیں ہے۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **لَا تَسْأَلْ عَدُوَّ اللَّهِ** اے دشمن خدا دفع ہو جاؤ۔ **وَإِخْتِئَازَ كَتَمَ كُوبِغَا نَعَمَ** کے لیے استعمال ہوتا ہے فوراً وہ شخص سیاہ کٹا بن گیا اور حاضرین نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اس کے بدن سے الگ ہو کر ہوا میں چلے گئے۔ راوی کہتا ہے۔ پس وہ آپ کے سامنے عاجزی کرنے لگا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے آپ کو اس پر رحم آ گیا پس آسمان کی جانب دیکھا اور لب ہائے مبارک کو کچھ حرکت دی کہ ہم نہ سن سکے۔ بخدا ہم نے دیکھا کہ وہ دوبارہ انسان بن گیا اور اس کے کپڑے ہوا سے پلٹ کر واپس اس کے جسم پر آ گئے۔ پس وہ پاؤں گھسیٹتا اور کانپتا ہوا مسجد سے باہر چلا گیا اور ہم ازراہ حیرت و استعجاب آپ کی جانب دیکھنے لگے۔ فرمایا کیوں فرط تعجب سے میری طرف دیکھتے ہو؟ ہم نے عرض کی حضور! کیسے تعجب نہ کریں حالانکہ ہم کچھ اعجاز دیکھ چکے ہیں۔ پس فرمایا حضرت سلیمان بن داؤد کے وصی جناب آصف بن برخیا نے بھی ایک ایسا کام کیا تھا جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کے بعد آیات قرآن کی تلاوت کی جن میں **مَلِكِ بَلْقِيسَ** کے تحت کلام نے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہارا نبی افضل ہے یا سلیمان بن داؤد؟ سب نے جواب دیا کہ ہمارا نبی افضل ہے آپ نے فرمایا پھر تمہارے نبی کے وصی کو سلیمان کے وصی سے یقیناً افضل ہونا چاہیے۔ حضرت سلیمان کے وصی کے پاس صرف ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے اس نے اللہ سے سوال کیا۔ پس خدا نے اس کے اور تخت بلقیس کے درمیان سے زمین کو لپیٹ لیا۔ پس اس نے تخت کو کپڑا کر چشم زدن میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حرف ہیں اور باقی ایک حرف ذات پروردگار کے لئے مخصوص ہے یہ سن کر حاضرین مجلس نے عرض کی کہ حضور! اگر یہ بات ہے تو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے آپ فوجی بھرتی کے لئے لوگوں کو کیوں حکم دینے ہیں تو فرمایا۔ **بَلِّغُوا مَوْنًا لَا يَسْتَوُونَ بِالْمَقْتُولِ وَهَضْبًا بِأَمْرِهِ يُعْتَمُونَ**۔ مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گزار بندے ہیں اس کی مشیت سے سبقت نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امر کے ماتحت اقدام کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اس لئے دعوت دیتا ہوں تاکہ خدا کی جانب سے حجت تام ہو جائے اور امتحان پورا ہو لے اگر یہ بات درمیان میں نہ ہوتی تو کوئی دیر نہ لگتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جس رنگ میں چاہے آزما رہا ہے۔ پس آپ ہم سے اٹھے حالانکہ آپ کے اعجاز کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزیں تھی۔

اختصاص مفید سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آصف نے صرف اس قدر دیر لگائی کہ ایک مرتبہ پیچھے دیکھا اور پھر سامنے تاحذرت نگاه نظر کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان ؑ کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر تخت بلقیس سامنے رکھ دیا اور دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس نے انگلی کا اشارہ کیا اور تخت بلقیس کو سامنے پایا۔

امام علی نقی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ حضرت سلیمان ؑ آصف کے محتاج نہ تھے کیونکہ آصف کا علم بھی بحکم پروردگار حضرت سلیمان ؑ کے علم سے ماخوذ تھا صرف اپنی اُمت کو اس کی اہمیت دکھلانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ ہو۔ اب اس اعتراض کی اہمیت ہی کوئی نہیں رہی کہ اتنی جلدی میں تخت بلقیس کیسے لایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ دور حاضر کی سائنس، ایجادات نے اہل دُنیا سے منوالیا ہے کہ خزان ارضیہ میں سے انسان اپنے خداداد دماغ کی بدولت ایسے عجائب و غرائب امور حاصل کر سکتا ہے کہ کو تاہ بین لوگ اس کے تصور سے بھی قاصر ہوتے ہیں کسی زمانہ میں اس قسم کی تیزی لوگوں کیلئے باعث تعجب تھی۔ لیکن دور حاضر میں یہ استعجاب حماقت کا دوسرا نام بن گیا ہے۔ ہوائی جہازوں کی فضا میں پرواز لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی جب قدم اس سے بھی آگے بڑھا تو پھللا استعجاب معمول بن گیا اور نئی ایجاد نے مقام حیرت لے لیا۔ اب راکٹوں کا سلسلہ اور آسمانی بلندیوں کے طے کرنے کا پروگرام اور چاند کی فتح کا مسئلہ وغیرہ سابقہ انبیاء کے معجزوں کی تصدیق کا پہلو وامن میں لئے ہوئے ہیں اور یہ یاد ہے کہ سائنس کی ترقیاں نت نئے روپ بدل کر اپنے سابق نظریات کو جھٹلا سکتی ہیں لیکن اسلامی نظریات کو تاقیامت غلط نہیں کہا جاسکتا اور ہر آنے والا دن ان کی تصدیق کے مواد لے کر طلوع ہوتا ہے اور سائنس دن بدن اسلامی نظریات کے قدموں میں جھکتی چلی جا رہی ہے جن لوگوں نے حضورؐ کے معراج جسمانی کو ناممکن کہا تھا کیونکہ علم ہیئت جو پرانے زمانے کی سائنس تھی آسمانوں کے خرق و الیام کو محال کہتی تھی اور کرہ نار اور کرہ زمہریر جو بلندی میں ہول سے اور فرض کر لئے گئے تھے ان سے گزرنے کو ناممکن قرار دیتی تھی اب نئی ترقیات اور تازہ ترین ایجادات جو سائنسی ترقی کے اہم کوششے ہیں انہوں نے سابق سائنس کے نظریات کو خیالات فرسودہ قرار دے دیا اور خرق و الیام کی محالیت کو غلط ثابت کر دیا۔ نیز کرہ زمہریر و کرہ نار کے مفروضوں کو عمل سے غلط ثابت کر کے رکھ دیا اور آسمانی فضاؤں کو تسخیر کائنات کے امکان کے تحت چیرتے ہوئے چاند پر اپنا علم جا لہرایا اور ابھی تک اس کی لہجائی ہوئی نظریں بہت دور تک پڑ رہی ہیں۔ کہ آنے والا زمانہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ بہر کیف انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ مادی طاقتوں کے بل بوتے پر انسان فضا و خلا سے پار ہو سکتا ہے اور ملکوت سماویہ تک رسائی پاسکتا ہے تو قدرت خداوندی کے ماتحت پیغمبر کا قاب قوسین تک پہنچنا کیا مشکل ہے اور اس لحاظ سے پھر ملکہ بلقیس کے تخت کو یمن سے شام تک چشم زدن میں حاضر کرنا کیا بعید ہے۔ جب مادی طاقتیں سابق کے ناشدنی امور کو واقع کا لباس پہنائی چلی جا رہی ہیں تو روحانی طاقتیں اور خدائی قدرتیں یقیناً اس سے بہت زیادہ کر سکتی ہیں اور جس طرح مادی طاقتوں کی چشم دید بلند پروازی کو غلط کہنا حماقت ہے۔ اسی طرح روحانی کوششوں اور نبوتی معجزوں کو محال استعجاب قرار دینا بھی کور باطنی اور حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔

قال نیکرؤا۔ ص ۲۵۔ جب تخت بلقیس حضرت سلیمان ؑ کے سامنے آیا اور ادھر ملکہ کی آمد آمد ہوئی تو آپ نے حکم جاری کیا کہ



عَلَّمَ مِنَ الْكِتَابِ أَنْ آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفَكَ

کتاب سے میں لاؤں گا اس کو قبل اس کے کہ چلے تیری طرف تیری پلک پس آپ نے اس کو اپنے

فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي

پس ٹھہرا ہوا پایا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ کیا میں اس کا

لِيَبْلُوَنِي أَشْكُرَ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ

شکر کرتا ہوں یا کفر کرتا ہوں اور جو شکر کرے تو وہ شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لئے اور جو کفر کرے

ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تاکہ ہم اس کی عقل کا امتحان لیں آیا وہ تبدیلی کے بعد بھی اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہ ہے یا یہ امور اس کی ہدایت ایمانی کے باعث ہو سکتے ہیں یا نہیں ہے کیونکہ اعجاز سے تخت کا چشم زدن میں اس کی آمد سے پہلے پہنچا قدرت خدا کا منظر تھا اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت کی تصدیق کا پیش خمیر تھا۔ پس اس کی عقل و دانش کا جائزہ لینے کی خاطر اس میں سے جڑے ہوئے موتی اکھیر لئے گئے۔ اور ان کی ترتیب میں رد و بدل کر کے سرخ کی جگہ سبز اور زر کی جگہ سرخ اور سبز کی جگہ سفید وغیرہ دوبارہ جڑ دیتے گئے اور ملکہ کی آمد پر اس تخت کے اوپر دعوت استقبالیہ کا انتظام کیا گیا۔

فَلَمَّا جَاءَتْ جِبَلًا مَلِكًا سَبِيحًا وَرِشَانًا شَابَانًا كَمَا يُرْتَدُّ اس کا پر تپاک استقبال کیا گیا تو چونکہ شاہی تخت پر اس کو جگہ دی گئی تھی لہذا آپ نے اس سے دریافت فرمایا اَلْهَكَذَا عَرْشُكَ۔ کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہے۔ پس ملکہ نے فوراً حکمت و تدبیر کے دریا میں غوطہ لگا کر جواب میں ایسے جواب دینے سے پیش گئے کہ علم و دانش کی بارگاہ سے صدائے آفرین و تمسین گونج اٹھی کہا کَاذِبٌ هُوَ نَاثِبَاتٌ نَاثِبَاتٌ اس لئے نہ کیا کہ اس میں تغیر رونما تھا اور انکار اس لئے نہ کیا کہ جو کچھ اس کے تخت میں تھا وہ اس میں موجود تھا صرف تبدیلی و تغیر تھا نیز یہ بھی خیال تھا کہ اس کو اپنے پایہ تخت میں فوج و پولیس کے پہرہ میں چھوڑ آئی ہوں اور اس قدر مختصر مدت میں اتنی دوری سے اس کا لایا جانا بھی قدرت بشر سے باہر ہے۔ البتہ مافوق البشر طاقت اس کو لاسکتی ہے اور اس کی انتہائی دانائی ہے کہ ہُوَ عَسَاوِدٌ لَعْنَةُ رَبِّهِ لَمَّا هَمَّ بِمَا لَبَّسُوا وَرِشَانًا شَابَانًا كَمَا يُرْتَدُّ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہیں کہا کہ مبادا وہ نہ ہو اور جھوٹ بن جائے اور رئیس عسود یعنی یہ وہ نہیں بھی نہیں کہا کہ ممکن ہے وہی ہو اور جھوٹ بن جائے پس میں بین جملہ کہہ کر مطلب کو ادا کیا۔ کَاذِبٌ هُوَ یعنی گویا یہی وہی ہے یا ایسا لگتا ہے کہ یہی وہی ہے۔ پس اس کو تسلی دلائی گئی کہ یہ تیرا ہی تخت ہے جس کو تو اپنے محل کے سات دروازے مقفل کر کے اندر چھوڑ آئی ہے اور یہ قدرت پروردگار کا کرشمہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

وَأُوْتِينَا الْعِلْمَ۔ اس میں تین قول ہیں اور ملکہ بلقیس نے جب سنا کہ یہ وہی میرا تخت ہے جو قدرت خدا سے باعجاز یہاں پہنچا ہے تو کہنے لگی ہمیں پہلے سے تیری نبوت کا علم ہو گیا تھا جب کہ ہمیں اپنے سفیر نے پلٹ کر مفصل رپورٹ پیش کی تھی۔ پس

فَإِنَّ رَبِّيُ غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٣٠﴾ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي

ہیں تھیں میرا رب غنی کریم ہے فرمایا متغیر کر دو اس کے تحت کو ہم دیکھیں گے کیا پہچانتی ہے یا

أَمْ تَكُونِ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ

ان لوگوں میں سے ہے جو پہچان کی ترفیق نہیں پاتے پس جب آئی تو کہا گیا کہ

أَهَكَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَآ وَ

تیرا تخت اس طرح ہے؟ کہنے لگی گویا یہی وہی ہے اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو گیا تھا اور

كُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ

ہم تسلیم کر چکے تھے اور روکا اس کو اس نے جس کی عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا

ہم اللہ کی قدرت اور اس کی توحید کا اسی وقت سے اقرار کر چکے تھے اور ہم مسلمان ہو چکے تھے بلکہ انداز گفتگو سے جہانپ گئی کہ میری عقل و دانش کا امتحان لیا جا رہا ہے اور اظہار معجزہ سے ایسا توحید و ایمان نبوت کے لئے اختیار مقصود ہے تو جواب دیا کہ میں آپ کی نبوت اور توحید پروردگار کی معرفت پہلے سے حاصل کر چکی ہوں لیکن عبادتِ خدا سے مجھے یہ چیز مانع رہی ہے کہ میرا گزارا قوم کفار کے ساتھ ہے وہی یہ حضرت سلیمان کا کلام ہے جب ملکہ بلقیس سے سوال و جواب ہو چکا تو فرمایا میں توحید پروردگار اور اس کی بے پایاں قدرت و صفت و حکمت کا پہلے علم دیا جا چکا ہے اور ہم اس کے حکم کے سامنے تسلیم کرنے والے بندے ہیں (۳۱) سلیمان و بلقیس کی باہمی گفتگو میں کہ یہ جملہ قوم سلیمان نے کہا۔

تفسیر جمع البیان میں مروی ہے کہ جب ملکہ سبا پہنچ چکی تو حضرت سلیمان نے قوم جن کو حکم دیا ایک عالی شان محل تیار کریں جس کا فرش شیشے کا بچھایا جائے اور اس کے نیچے پانی کا بہت بڑا حوض ہو جس میں مچھلیاں سینڈک اور دوسرے بحری جانور چھوڑ دیئے جائیں اور اس کی دیواروں پر بھی آئینہ کاری ہو اور مروی ہے کہ جنوں اور شیطانوں نے جب ملکہ بلقیس کی ملک سبا سے آمد کی خبر سنی تھی تو ان کو یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا حضرت سلیمان اس سے شادی کر لے ورنہ ہم کو ہمیشہ اس کا اور اس کی اولاد کا تابع فرمان رہنا پڑے گا کیوں کہ ملکہ بلقیس کی ماں قوم جن کی عورت تھی لہذا انہوں نے ملکہ کا غلط تعارف کرایا ہوا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ اگر ناشی طریقے اختیار فرمائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں پر بال کثرت سے تھے۔ حسب الحکم قوم جن نے عالی شان محل تعمیر کیا اور فرش شیشے کا بنایا اور نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کر کے اس میں مچھلیاں اور دیگر دریائی جانور چھوڑ دیئے۔ پس حضرت سلیمان نے نو تعمیر شدہ محل میں اپنا عالی شان تخت نصب کرایا اور

# إِنَّمَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۴۳﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا

کفرنگہ وہ کافر قوم میں سے تھی      کہا گیا داخل ہو صحن میں پس      جب

اور ملکہ کو اندر آنے کی پیش کش کی جب ملکہ قریب پہنچی تو پانی کو موجزن دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیا ابن داؤد کو میری سزائے موت کے لئے پانی میں غرق کرنے کے علاوہ اور طریقہ کار کوئی نہیں سوچا۔ اب بزدلی کر کے پیچھے ہٹنا شان شاہی کے خلاف تھا لہذا پاؤں سے کپڑے کا دامن بلند کر کے آگے قدم رکھا اور حضرت سلیمان ؑ محل کے اندر سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے فرمایا یہ محل ہے یا محل کافر شن ہے جو شیشے سے تیار کیا گیا ہے پانی نہیں ہے (صُرْح کا معنی صحن اور محل دونوں کئے گئے ہیں) پس اندر داخل ہوئی اور حضرت سلیمان ؑ کو قوم جنات کی غلط بیانی کا علم ہو گیا البتہ ملکہ کے پاؤں پر بال بکثرت تھے جس کے لئے قوم جنات نے لورہ و پڑتال سے ایک بال صفا نسخہ تیار کیا اور یہ انہی کی ایجاد ہے جو استعمال کے لئے ملکہ کو دیا گیا۔

قَالَتْ رَبِّ انِّي ظَلَمْتُ اِنْفِىْٓ ذَنۡبًا كَبِيۡرًا ۙ اِس کی دو تالیس ہیں لا جب صحن کو پانی سمجھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئی تو اس کے لئے معافی مانگی کہ میں بدگمانی کر کے اپنے نفس پر ظلم کر چکی ہوں اے اللہ مجھے معاف کر اور میں سلیمان کے ساتھ اسلام لا چکی ہوں (۲) جب محل میں اندر داخل ہوئی اور سلیمان کی شانہ شان و شوکت اور تخت کی عظمت کا ملاحظہ کیا اور ان کے معجزات کا تصور کیا تو معرفت توحید و نبوت کا فانیوں اس کے دل میں فروزاں ہوا پس اپنے کفر سے توبہ کرتے ہوئے یہ کلمات زبان پر جاری کئے اور مروی ہے کہ اندر پہنچتے ہی حضرت سلیمان ؑ نے اس کو دعوت اسلام دے دی۔ اور معجزات تو پہلے دیکھ کر تسلی کر چکی تھی پس یہ کلمات کہہ کر اسلام کا اظہار کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور حکومت ملک سبأ اس کے حوالے کر دی اور مروی ہے کہ زولجہ نامی ایک جن کو حکم دیا جو وزیر امور جنات تھا کہ یمن میں پہنچ کر ملکہ بلقیس کے لئے ضروری امور کی انجام دہی کرے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت سلیمان ؑ کے زمانہ میں مصر اور فلسطین کے علاقوں میں صنعتی ترقی بہت زیادہ ہوئی چنانچہ بیت المقدس کی تعمیر اور اہرام مصر میں بہت بڑے پتھروں کا استعمال جو دور حاضر میں بغیر مشینوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے یہ قوم جن کی تعمیر کا نتیجہ تھا۔ نیز فراعنہ مصر کے جسموں کا آج تک باقی رہنا انہی کی ایجاد کردہ ادویہ کے نتیجہ میں ہے جن کی حقیقت سے دور حاضر کے منکر بھی نا آشنا ہیں۔ حضرت سلیمان ؑ کا ایک چھلی کو دعوت دینا سورہ نور کی تفسیر میں عظمت پروردگار کے عنوان میں مذکور ہے ص ۱۴۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ۙ حضرت صالح ؑ اور اس کی قوم کا ذکر جلد ۶ صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۶ اور اسی جلد میں رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالح کا ذکر سورہ شعراء صفحہ ۲۰۴ میں بیان ہو چکا ہے۔ نیز جلد ۲۲ و جلد ۲۳ پر بھی مذکور ہے

فَرِيقًا - یعنی کچھ ایساں لائے اور زیادہ کفر پر رہے۔ اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا رہتا تھا۔

يَقْتُلُوۡمَ - وہ کہتے تھے کہ جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ جلدی لے آ۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کو عذاب طلب کرنے سے روکتے تھے کہ ایسا نہ کرو بلکہ رحمت مانگو۔

رَأَتْهُ حَبِيبَتُهُ لِحَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرَخَ مَمْرُودٌ

اس کو دیکھا تو خیال کیا پانی کی لہر اور پٹلیوں سے کپڑا اٹھایا فرمایا (سیمان نے) یہ صحن ہے جس پر فرش کیا گیا

مِنْ قَوَارِيرٍ قَالَتْ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاَسْلَمْتُ مَعَ

ہے شیشے کا کہنے لگی اے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب اسلام لائی ہوں ساتھ سیمان

سُلَيْمَانَ بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلَى ثَمُودَ اِخَاهُمْ

کے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح

صَالِحًا اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمُ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٢٤٥﴾ قَالَ

کو کہ عبادت کرو اللہ کی پس وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے (صالح نے) کہا

يَقُومُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ

اے قوم کیوں جلدی کرتے ہو عذاب کی بجائے رحمت کے کیوں نہیں تم معافی مانگتے اللہ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿٢٤٦﴾ قَالُوا طَئِرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ

سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ کہنے لگے بدشگونئی حاصل کی ہم نے تیری وجہ سے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے

طَئِرْكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَفْتَنُونَ ﴿٢٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ

فرمایا تمہاری شگون بد اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جن کا امتحان لیا گیا اور تھے سہڑ میں نو آدمی جو

تَسْعَةٌ رَهَطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصَالِحُونَ ﴿٢٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا

فساد کرتے تھے زمین میں اور نہ اصلاح کرتے تھے (انہوں نے آپس میں کہا کہ تمہیں کھاؤ اللہ کی

اَظْهَرْنَا. خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا تو کہنے لگے ہماری یہ بدبختی تیری اور تیری جماعت کی وجہ سے ہے. آپ نے فرمایا یہ بدبختی تمہارے اعمال بد کے نتیجے میں تم پر اللہ نے بطور امتحان کے بھیجی ہے.

تَسْعَةٌ رَهَطٌ. ابن عباس سے ان کے نام یہ منقول ہیں، ا، قدر بن سالف (۲) مصدر (۳) دحی (۴) دحیم (۵) دحی (۶) دحیم (۷) اسلم (۸) اقبال

بِاللَّهِ لَنُبَيِّنَنَّهٗ وَآهَلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ آهَلِهِ وَإِنَّا

اس کو رات میں قتل کرو اور اس کے گھر والوں کو پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے ہمیں نہیں معلوم اس کو اور اس کی اہل کو کس نے قتل کیا ہے

لصِّدِّقُونَ ۵۹ وَمَكْرًا وَمَكْرًا وَمَكْرًا وَمَكْرًا لَّيَشْعُرُونَ ۶۰ وَالظَّرِيفَ

اور ہم سچے ہیں اور انہوں نے مکر کی تجویز کی اور ہم نے جواب مکر کی تجویز کی اور ان کو کوئی پتہ نہ تھا پس دیکھ کس طرح ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۶۱ قِتْلِكَ بِيَوْمِهِمْ

انہوں ان کے مکر کا تحقیق ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر خراب ہے

خَآوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۶۲ وَأَخْبِنَا الَّذِينَ

ہیں بوجہ ظلم کے تحقیق اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو جانے اور ہم نے نجات دی ایمان

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۶۳ وَلَوْ طَآرَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَآحِشَةَ وَأَنتُمْ

والمون کو اور وہ جو تھے ڈرتے اور بھیا ہم نے لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرنے ہر تم بے حیائے دانستہ طور

تَبْصِرُونَ ۶۴ أَتَّكُمُ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۶۵ أَنْتُمْ

پر کیا تم پوری کرتے ہو مردوں سے سہرت بغیر اپنی عورتوں کے بھگہ تم جاہل

قَوْمٌ جَاهِلُونَ ۶۵ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ لُوطِ

لوگ ہو پس نہ تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو آل لوط کو

۶۵ صراف۔ انہوں نے علیحدہ مشورہ کیا اور قسم کھائی کہ رات کے اندھیرے میں حضرت صالح ۶۴ اور اس کے سب گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔

یہ جس شہر میں تھے اس کا نام حجر تھا اس لئے ان کو سورہ حجر میں اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھا اور جس وادی

میں یہ شہر تھا اس کو وادی قری کہتے ہیں اور آپس میں طے یہ ہوا کہ اس کو قتل کر کے اس کے وارثوں سے کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں کہ

کس نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم خود موجود تھے اور نہ ہمیں پتہ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے

یہ مکر کی تجویز بنائی اور اللہ نے اپنے مقام پر ان کو سزا دینے کی تجویز کی۔ چنانچہ حضرت صالح کو رات کے وقت قتل کرنے کے لئے گئے تو خدا نے فرشتوں

کو بھیجا اور انہوں نے پتھر برساکر ان کو قتل کر دیا اور یہ واقعہ نادر کے قتل کرنے کے بعد کا ہے کیونکہ نادر کے قاتل بھی نہیں لوگ نہ تھے۔ بعض محکم اور

مَنْ قَرَّبَكُمْ إِلَهُمْ أَنْاسٌ يَتَّبِعُونَ فَإِخْنَةٌ وَأَهْلَةٌ ۗ وَالْأَمْرَآتُ

اپنی ہستی سے تحقیق یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں پس ہم نے ان کو نجات دی اور اس کی اہل کو مگر اس کی عورت کہ

قَدَرْنَا هَا مِنْ الْغَابِرِينَ ۗ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءً مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۗ قُلْ

مقدر کیا ہم نے اس کو پیچھے رہنے والوں میں اور برسایا ہم نے ان پر مینہ پس برا تھا مینہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا کہہ دے

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ اللَّهُ خَيْرٌ مَّا يَشْرِكُونَ ۗ

حمد ہے اللہ کی اور سلام اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک بنا رہے ہیں؟

بعض فاعل اور دوسری روایت میں ہے خدا نے حضرت صالح کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے پس ان کو گرفتار عذاب

کر کے مار دیا۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ حضرت صالح کو قتل کرنے جا رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے۔ پس اللہ نے ان کے اوپر اس پہاڑ کو گرا دیا اور وہ دب کر ہلاک ہو گئے اور ان کے گھر خراب و خالی ہو گئے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حجر میں حضرت صالح علیہ السلام نے دامن کوہ میں ایک مسجد بنائی تھی جس میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ

نے ان کو گرفتاری عذاب کے لئے تین دن کا چیلنج کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ تین دن تک یہ سب مرجائیں گے

اور میں ان سے فارغ ہو جاؤں گا۔ آدھین دن کے اندر اندر ہم ہی اُس سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ اسی مسجد کی طرف روانہ ہوئے جس

میں آپ نماز میں مشغول تھے تو پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر گرا۔ اور وہ سب کے سب اسی کے نیچے دب گئے جو باقی بچھے موجود

تھے ان پر صیغہ کا عذاب آیا جو پہلی جلدوں میں مذکور ہو چکا ہے اور لَقَدْ اسْمَعُوا بِاللَّهِ کے لفظ میں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ وجود خدا کے

منکر نہ تھے بلکہ اس کے قائل تھے لیکن شرک کے مرض میں مبتلا تھے کہ غیر اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کے سامنے جھکتے تھے چنانچہ وہ حضرت

صالح سے صاف کہتے تھے کہ تیرے کہنے سے کیونکر ہم ان کی عبادت کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔

وَتِلْكَ بَيِّنَاتٌ لِّهِمْ خَاوِيَةٌ لِّمَنَّا ظُلْمًا ۗ لَآ آسَ آيَةٌ مِّجِيدَةٌ فِي اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ جو ظالم ہو، بالآخر اس کے نتیجے

میں اس کا گھرتا ہوا ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت موجود ہے جو پتہ دیتی ہے کہ ظالم کا گھرتا ہوا کرتا ہے۔

اور تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ان کی تعداد چار نہر تھی اور حضرت صالح علیہ السلام ان کو لے کر حضرموت کی طرف گئے اور وہاں آپ

کی رحلت ہو گئی اس بنا پر اس جگہ کا نام حضرموت ہو گیا۔

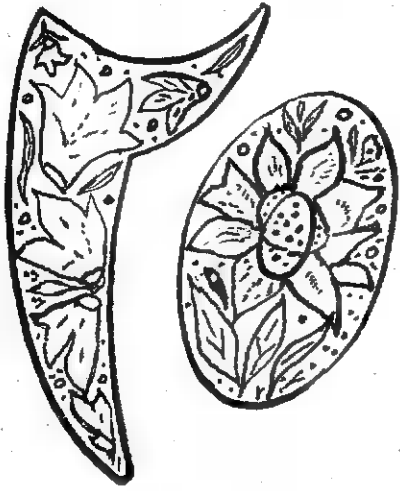
حضرت لوط کا ذکر

وَلُوطًا ۗ تَفْسِيرُ كِي جلد ۶ ص ۵۶ جلد ۷ ص ۲۲۸ جلد ۸ ص ۱۸۶ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۱۸ پر حضرت

لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ۗ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد اصحاب محمد ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ پوری امت محمدیہ

مراد ہے۔ لیکن تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مراد آل محمد علیہم السلام ہیں اور وہی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔



أَمْنَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ

کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی پس اگائے اس

جَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا وَاللَّهُ مَعَ الَّذِينَ

کے ذریعے باغات رونق دار تمہارے بس میں نہیں تھا کہ اگاتے اس کا پودا کیا کئی الا ہے اللہ کے ساتھ

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعِدُونَ ﴿٦٥﴾ أَمْنَ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ

بلکہ وہ لوگ (راہ حق سے) عدول کرتے ہیں کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے قابل اور بنائیں اس کے

خِلْمًا أَنْهَرًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيًّا وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

اندر نہریں اور بنائے اس کے لئے پیار اور مقرر کیا دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا وَاللَّهُ مَعَ الَّذِينَ كَثُرُوا يُعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ أَمْنَ

پر وہ کیا کئی الا ہے اس کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے کون

**رکوع نمبر بیان توحید** اَمَّنْ خَلَقَ۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال لطف سے اتمام حجت کے طور پر اپنی توحید پر اس رکوع میں کافی روشنی ڈالی ہے اور ان آیات مجیدہ میں کائناتی امور میں سے پندرہ اہم افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ ان سب کو میں نے انجام دیا ہے اور اس میں میری کوئی شریک نہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا (۲) آسمان سے پانی برسانا، (۳) سبزئوں اور باغات وغیرہ کو اگانا۔ ان میں تین اوصاف کو استفہام انکاری کے رنگ میں اپنی طرف منسوب کر کے اپنے تخلیقی کارنامے میں اپنی وحدت کا اعلان فرمایا۔ اَللَّهُ مَعَ الَّذِينَ كَثُرُوا۔ یعنی ان سابقہ تین صفات کو کسی کی طرف منسوب کرنا اسے الا سمجھنے کے مترادف ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ میں ہی ان کا فاعل ہوں اور میں ہی واحد الا ہوں (۴) زمین کو ٹھہرنے کے قابل بنانا (۵) دریاؤں نہروں کا پیدا کرنا (۶) پہاڑوں کی تخلیق (۷) دو پانیوں کے درمیان تلخ اور شیریں کی دھاروں میں پردہ کو قائم رکھنا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور اس کی قریبی اور حسی مثال انڈے کے اندر سفید اور زرد دو پانیوں کے درمیان جب کہ ظاہری کوئی پردہ نہیں۔ پس اللہ کی جانب سے قدرتی حد موجود ہے جس کی وجہ سے سفید وزرد دونوں پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ ان چار افعال کو شمار کر کے فرمایا کوئی ہے دوسرا اللہ جو یہ کام انجام دے سکے اور اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی کو ان کاموں کا فاعل سمجھے گویا اس نے اللہ کے علاوہ الٰہ تجویز کیا (۸) مصیبت زدوں کی فریادوں کو سننا اور قبول کرنا (۹) صاحبان مصیبت کی مصیبت



مَجِيبٌ الْمَضْطَّرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْتِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ

سناتا ہے مصیبت زدہ کی فریاد جب اس کو پچارے اور دُور کرتا ہے مصیبت اور کرتا ہے تم کو خلیفہ زمین

الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الْقَلِيْلِ مَّا تَدْكُرُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمِنْ يَّهْدِيْكُمْ

کا کیا کوئی الہ ہے ساتھ اللہ کے بہت کم سوچتے ہو کرن ہدایت کرتا ہے

فِي ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا يُّبْدِي

خشک اور تری کی تاریکیوں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے اپنی رحمت سے

رَحْمَتَهُ ط وَاللّٰهُ مَعَ اللّٰهِ عَلٰى مَا يَشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَمِنْ يُّبْدِيْ

پہلے کیا کوئی الہ ہے اللہ کے ساتھ بلند ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں کون ابتداء پیدا کرتا

الْمَخْلُقِ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ مَعَ اللّٰهِ

ہے پھر دوبارہ اٹھائے گا اور کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی الہ ہے اللہ کے ساتھ

کو دُور کرنا اور مشکلیں آسان کرنا (۱۰) زمین پر نسل بعد نسل تھرتھرتا اور گزشتگان کا خلیفہ (جانشین بنانا) ان تین صفتوں کو ذکر کر کے پھر چلیج کیا کہ کوئی ہے دوسرا الہ جو مصیبت کے ماروں کی فریادیں سنے اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے اور زمین پر تھاری نسل کو قائم رکھے۔ گویا جس نے اللہ کے سوا کسی کو فریاد رس حاجت روائی اور مشکل کشا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الہ قرار دیا (۱۱) بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت کرنا (۱۲) باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا لانا جن میں بارش کی خوشخبری موجود ہو۔ پھر ان دو صفتوں کے بعد چلیج کو دہرایا کہ کوئی ہے اور الہ جو یہ کام کر سکے یعنی جس نے غیر اللہ کو یہ کام کرنے والا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الہ قرار دیا اور یہاں اس کا حکم بھی ذکر کر دیا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور اللہ بلند و بالا ہے۔ ان مشرکانہ عقائد و خیالات سے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے (۱۳) مخلوق کا ابتداء پیدا کرنا (۱۴) دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا (۱۵) آسمان و زمین کے وسائل سے رزق دینا۔ ان اوصاف کا ذکر کر کے پھر چلیج کیا کہ کوئی دوسرا الہ ہے جو یہ کام کر سکے یعنی جو بھی ان کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دے گویا اُس نے اس کو اللہ کا شریک قرار دیا حالانکہ ان امور میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر ان پندرہ اوصاف و افعال کے بیان کرنے اور ان میں شریک کرنے کی نفی کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو لوگ ان باتوں میں میرا کسی کو شریک بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہم نے عقائد شیعہ کے موضوع پر ایک مفصل و مدلل کتاب لے لائے انوار فی عقائد الابار لکھی ہے اس میں مسئلہ توحید کی کافی وضاحت

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷۰﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي

کہدو لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو کہہ دو نہیں جانتا جو بھی آسمانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۱۷۱﴾

اور زمین میں ہے غیب کو مگر اللہ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے

بَلْ أَدْرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ

بلکہ یقینی ہو جائے گا ان کا علم آخرت میں بلکہ وہ شک میں ہیں بلکہ وہ

موجود ہے۔ جس کو توفیق ہو اس کا مطالعہ کرے۔ بیشک ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جنہوں نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک قرار دے دیا۔ یہودی حضرت عزیر کو غلو کر کے اللہ کا بیٹا اور کاروبار میں اس کا شریک مان کر مشرک ہو گئے۔ اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے مشرک بن گئے۔ اسی طرح بعض آل محمد کے محب کہلانے والے فرط محبت میں غلو کر کے آل محمد کو اللہ کا شریک قرار دے بیٹھے اور ان کی پشت پناہی میں بعض جیب تراش منبر کے ٹھیکیدار مولوی خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور انہوں نے اعلانیہ آل محمد کے دین کو منسوخ کرنے اور ان کی تعلیم کو معطل کرنے کا پروگرام بنالیا اور ادھر ادھر کے چند رطب و یابس روایات کا سہارا لے کر حکمات سے کنارہ کش ہوتے ہوئے فتشائبات سے مطلب براری کو غنیمت سمجھا۔ پس آل محمد کو کائنات کے تکوینی نظام کا مخدّیر کل ثابت کر کے اللہ کو معطل سمجھ لیا۔ علمائے حقہ کا فرض ہے کہ ایسے بد حکام مولویوں کی ہاڈ ہو سے مرعوب نہ ہوں اور عوام کی تعریبازی سے ہرگز نہ گھبراؤں بلکہ منہاج نبوت پر پرچم توحید کو بلند رکھنے کے لئے جرات سے قدم بڑھاتے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ اکثریت ہر زمانہ میں باطل پرستوں کی ہوتی ہے اور اللہ کے بندے عھوڑے ہی ہوتے ہیں نیز اکثریت ہمیشہ حق کے خلاف شور مچایا کرتی ہے کیونکہ دلیل و برہان میں ان کی زبان گنگ اور پاؤں لنگ ہوتے ہیں اور حق والوں کے پاس اپنی صداقت کے لئے دلیل و برہان کا مضبوط سہارا ہوتا ہے کاش لوگ قرآن کی آیات سے درس لیتے اور آل محمد کی تفسیر کے ماتحت ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

الْغَيْبِ۔ مسئلہ غیب کی وضاحت ہم نے تفسیر کی گذشتہ جلدوں میں کر دی ہے۔ مثلاً جلد ۴ صفحہ ۷۸، جلد ۵ صفحہ ۲۲۱، جلد ۶ صفحہ ۱۳۸، جلد ۷ صفحہ ۱۹۷

علم غیب

وَمَا يَشْعُرُونَ۔ یعنی انہیں یہ شعور نہیں کہ ہم نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔

بَلْ أَدْرَكَ۔ لفظ ماضی کے ہیں اور معنی مستقبل کا ہے گو یا قیامت کے یقینی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے یعنی کفار اب دنیا میں تو عقیدہ قیامت کا انکار کرتے ہیں لیکن بروز محشر ان کا علم متدارک یعنی کامل ہو جائے گا اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کے علم سے اندھے ہیں۔ ان کے انکار میں قوت کو ظاہر کرنے

## مِنْمَاعَمُونَ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا

اس سے اندھے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے کیا جب ہم اور

کے لئے بل کو لایا گیا یعنی جس چیز کو اب نہیں مانتے قیامت کو تو علم یقینی اور عینی کے ساتھ ان کو ماننا پڑے گا بلکہ دنیا میں تو وہ سمجھے اور سننے کے بعد شک کی دلدل سے نہیں نکلتے پھر ترقی کر کے کہا گیا کہ نہیں بلکہ وہ سوچنے کی جرات سے محروم ہیں اور اس معاملے میں بالکل اندھے ہیں۔ صافی میں نبی البلاغہ سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بعض آنے والی چیزوں کی خبریں بیان فرمائیں تو کسی نے کہہ دیا کہ حضور آپ تو علم غیب کو جانتے ہیں آپ ہنس پڑے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک ذمی علم سے سیکھی ہوئی چیز ہے۔ علم غیب قیامت کا علم ہے اور وہ امور جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ پس اللہ ہی جانتا ہے کہ مادہ کے رحم میں مذکر ہے یا مؤنث بد صورت ہے یا خوبصورت، سخی ہوگا یا بخیل اور شقی ہوگا یا سعید نیز جہنم میں کون جائے گا اور جنت میں کون جائے گا پس یہ وہ علم غیب ہے جس کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کے علاوہ اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے اور انہوں نے مجھے سکھایا ہے اور انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ اس کو حفظ رکھ سکوں اور میرے اعضاء اس پر حاوی رہیں۔

تفسیر برہان میں تفسیر قہمی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اَمَّنْ يَجِيْبُ الْمَضْطَرِ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْفِيهِ السُّؤْرَةَ۔ حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کے حق میں ہے بخدا وہی مضطر ہے جب آئے گا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرے گا۔ اور دعا مانگے گا تو اللہ اس کی دعا کو مستجاب کرے گا اس سے مصیبت کو دور کرے گا اور اسے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور یہ اس آیت کی تاویل ہے نیز ایک طویل روایت کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ بخدا وہی حضرت قائم آل محمد صم مضطر ہیں اور وہ پڑھا کرتے ہیں یا پڑھیں گے۔ اَمَّنْ يَجِيْبُ الْمَضْطَرِ الخ۔ ہمارے قبلہ و کعبہ استاد العلماء مولانا سید محمد یار شاہ صاحب غلظہ اہالی کا یہ دستور ہے جب بھی دفع مصیبت کے لئے کسی کے حق میں دعائے خیر کریں تو کم از کم دس مرتبہ اَمَّنْ يَجِيْبُ الْمَضْطَرِ الخ پڑھ کر دعا کرنے ہیں اور خدا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی مصیبتیں دور فرمادیتا ہے اور جو بھی ان سے مصیبت کے دفع کے لئے دعا کا طریقہ دریافت کرے تو ان کو بھی یہی طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور حدیث سابقہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام اپنے دور غیبت میں اَمَّنْ يَجِيْبُ کا ورد کرتے ہیں یا یہ کہ بوقت ظہور اس کو پڑھیں گے۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ بار بار اپنے اسی سوال کو کافر دہراتے رہے کہ مٹی ہونے کے بعد ہمیں کیونکر دوبارہ اٹھایا جائے گا یہی باتیں رکوع نمبر ۳ ہمارے باپ دادا بھی سنتے آئے ہیں اور یہ پڑانی کہانیاں ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہے اور ان کو بار بار یہی جواب دیا گیا کہ جو ذات ایجا پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کر کے تم کو اٹھائے گا وَيَقُولُونَ۔ یہ جھوٹے بندوں کا دستور ہے کہ ایک سوال کو چھوڑا پھر دوسرا شروع کر دیا پھر تیسرا و علیٰ ہذا القیاس کہنے لگے اچھا تم جس عذاب کی خبر ہم کو سناتے ہو وہ کب آئے گا؟

وَابَاءُ نَاءٍ اِنَّا الْمُخْرَجُونَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَاَبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ

ہمارے باپ دادا مٹی ہر جائیں گے تو ہم نکالے جائیں گے قبروں سے تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے کا نہیں یہ مگر

هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرَ الْاُولٰٓئِنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا

کہانیاں پہلے لوگوں کی کہہ دو سیر کرو زمین میں پس دیکھو کس طرح

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي

انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کھا ان پر اور نہ ہوتنگ دل اس سے جو وہ

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

مکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ عذاب کا اگر تم

صٰدِقِينَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِيْفٌ لِّكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

سچے ؟ کہہ دو شاید ہوگا قریب تمہارے لئے بعض وہ جس کی تم جلدی کرتے ہو

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تحقیق تیرا رب صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر نہیں کرتے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تَكُنْ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يَعْلَنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ

اور تحقیق تیرا رب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی غائب

غَآئِبَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

آسمان و زمین میں مگر وہ کتاب سب میں ہے تحقیق یہ قرآن بیان کرتا

قُلْ عَسٰى لَكُمْ لِحَافٍ مِّنْ عَسٰى اَمِيْدٍ كَيْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

مراد ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس عذاب کی جلدی چاہتے ہو اس میں سے بعض کو تو عنقریب چکھ لو گے اور باقی دائمی عذاب بعد میں ہوگا

قریبی عذاب سے مراد جنگ بدر میں قتل و قید کا عذاب ہے اور ردف کا معنی قریب اور ردف یعنی قریب ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ صَفْحَةٌ مِّنْ ذِكْرِ الْاٰتِ اَمَّا الَّذِي تَدْعُوْنَ فَاِذَا نَزَلَ بِالسَّمٰوٰتِ فَانفَلَتَ مَوَّجًا مُّجْتَمِعًا ﴿۷۷﴾

مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعہ میں اختلاف تھا اور قرآن نے اس کو مفصل بیان کر دیا اسی طرح جس نبی کی تواریخ میں خوشخبری دی گئی تھی بعض اس

يَقْضُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكُثْرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُ

ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ چیزیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور تحقیق یہ

لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے ہے تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٤٨﴾ قَوَّكُلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٤٩﴾

اور وہ غالب و دانایا ہے پس توکل کر اللہ پر تحقیق تو واضح حق پر ہے

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصَّمَدَ إِذْ أَوْكُوا مَدْبِرِينَ ﴿٥٠﴾

تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بھروسوں کو آواز جب وہ پیچھے پلٹ جائیں

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعَمَىٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

اور نہیں تو ہدایت کر سکتا اندھوں کو ان کی گمراہی سے تو صرف سنا سکتا ہے ان کو جو ایمان لائیں ہماری

بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥١﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا

آیات پر ہیں وہ تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں اور واقعہ جوگا ان پر قول (عذاب) تو نکالیں گے

لَهُمْ دَابَّةٌ مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا

ہم ان کے لئے دابۃ الارض کو جو ان سے بولے گا تحقیق لوگ ہماری

سے یوشع مراد لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ابھی آنے والا ہے اور قرآن نے اس کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد حضور کی ذات اور قوم یہود

کی کتابوں کا مطالعہ نہ ہونے کے باوجود ان امور کا ذکر حضور کا ناقابل انکار معجزہ ہے۔

لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ - جس طرح مردے کوئی بات نہیں سنتے اسی طرح کفار بھی تیری باتوں کے لئے مردوں کی حیثیت رکھتے ہیں

اور اگر زندہ ہیں تو بہروں کی طرح ہیں جس طرح وہ نہیں سُن سکتے۔ خصوصاً جب پشت کر کے جارہے ہوں اور چونکہ یہ لوگ بھی قرآن کی

آواز کانوں میں پڑتے ہی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں اور جس طرح اندھے انسان کو راستہ دکھانا ناممکن ہے۔ البتہ اندھوں کو ہاتھ پکڑ کر

منزل مقصود پر لے جایا جاسکتا ہے لیکن اس مقام پر یہ تیری ڈیوٹی نہیں ہے۔

دَابَّةُ الْأَرْضِ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ - یعنی جب لوگوں پر عذاب واجب ہو جائے گا کہ ان سے خیر کی توقع نہ رہے گی۔ امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کا وجود ختم ہو جائے گا تو اس وقت اللہ کی جانب سے فیصلہ یہ ہوگا۔

اٰخِرُ جَنَّاتٍ مِّنْ دَاۤبَتِ الْاَرْضِ - یعنی ہم زمین سے دابۃ الارض نکالیں گے۔ اور یہ صفا و مرودہ کے درمیان سے ظاہر ہوگا اور وہ خبر دے گا کہ یہ مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ پس تکلیف کا زمانہ ختم اور توبہ کا دروازہ بند ہوگا اور یہ چیز علامت قیامت سے ہے وہ ہر مومن کو چھوٹے گا اور ہر کافر کو مارے گا وہ وقوف مزدلفہ کی شب کو نکلے گا جب کہ لوگ منیٰ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد دم دار حیوان نہیں ہے بلکہ وہ صاحب ریش (مرد) ہوگا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا میں صاحب عصا ہوں اور صاحب علامت ہوں یعنی مومن کی پیشانی پر ایمان کی نشانی اور کافر و منافق کی پیشانی پر کفر و نفاق کی نشانی لگانے والا میں ہوں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا۔ حضرت علی علیہ السلام ریت کی ڈھیری اکٹھی کر کے اوپر سر رکھ کر سوئے ہوئے ہیں۔ پس حضورؐ نے پیر لگا کر فرمایا قُمْ يَا دَابَّةَ الْاَرْضِ یعنی اے دابۃ الارض اٹھو۔ صحابہ میں سے ایک شخص بولا حضورؐ کیا ہم بھی ایک دوسرے کو اس نام سے بلا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم یہ صرف اسی کا ہی لقب ہے اور یہی وہ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس فرمایا اے علی۔ جب آخری زمانہ آئے گا تو خدا تجھے بہترین شکل و صورت عطا کرے نیچے گا۔ اور تیرے پاس میس ہوگا (یعنی نشان لگانے کا آلہ) کہ اس کے ذریعے سے اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگائے گا۔ الحدیث۔ نیز منقول ہے ایک شخص نے عمار بن یاسر سے کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت نے میرا دل خواب کر دیا ہے اور مجھے شک میں ڈال دیا ہے عمار نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہی آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی دریافت کیا۔ عمار نے جواب دیا۔ بخدا میں کھانے پینے اور بیٹھنے سے پہلے تجھے دابۃ الارض دکھلاؤں گا پس عمار اس شخص کو حضرت امیر المومنینؑ کے پاس لایا جب کہ آپ خرما اور مکھن کھا رہے تھے۔ آپ نے عمار کو دعوت دی پس وہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ وہ شخص حیرت سے دیکھتا رہا جب وہاں سے اٹھ کر واپس ہوئے تو اس شخص نے کہا۔ سبحان اللہ تو نے تو قسم کھائی تھی کہ کھانے پینے بلکہ بیٹھنے سے بھی پہلے تجھے دابۃ الارض دکھاؤں گا وہ وعدہ کیا ہوا، جواب دیا۔ اگر تیرے پاس عقل ہے تو میں تجھے دکھا چکا ہوں۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دابۃ الارض میں ہوں۔

ایک دفعہ اصنع بن نباتہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ گھٹی اور سر کے سے کھانا تناول فرما رہے تھے اصنع کہتا ہے میں نے یہ آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی پوچھا آپ نے فرمایا وہ دابۃ ہے جو گھٹی اور سر کے کے ساتھ روٹی کھاتا ہے۔ ایک دفعہ معاویہ نے اصنع پر اعتراض کیا کہ تم شیعہ لوگ حضرت علیؑ کو دابۃ الارض کہتے ہو۔ اصنع نے جواب دیا کہ اس کے یہودی لوگ بھی قائل ہیں۔ معاویہ نے اس انجالیوت کی طرف آدمی بھیج کر اس کو منگوا لیا اور پوچھا۔ کیا تمہارے نزدیک دابۃ الارض بھی کہیں لکھا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا تجھے پتہ ہے اس کا نام کیا ہے اس نے جواب دیا اس کا نام ایلیا ہے پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا اے اصنع واقعی ایلیا اور علی دو نون لفظ ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

بَايْتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ

آیات پر یقین نہیں رکھتے اور جب ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ ان میں سے جو جھٹلاتے

يُكْذِبُ بَايْتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمُ

تھے چھاتی آیات کو پس وہ روکے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ جب آئیں گے تو فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا

بَايْتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا مَا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾

تھا چھاری آیات کو حالانکہ تم کو ان کا علمی احاطہ نہ تھا مجھلا تم کیا کرتے رہے ہو ؟

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾

اور واجب ہو گا قول (عذاب) انہیں پر بوجہ ظلم کے پس وہ نہ بولیں گے

جناب رسالت ﷺ سے بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ جب داتہ الارض کا خروج ہو گا تو اس کے ہمراہ حضرت موسیٰ کا عصا حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی وہ مومن کے چہرہ کو عصا موسیٰ سے روشن کریں گے اور کافر کے چہرے پر خاتم سلیمان سے مہر کریں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكْذِبُ بَايْتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمُ بَايْتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا مَا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾

مضمون کی احادیث آئمہ ہدے سے بکثرت وارد ہیں کہ قیام مہدی کے قریب اللہ تعالیٰ نے ان کے شیعوں اور مولیوں میں سے ایک جماعت کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا تاکہ ان کی نصرت و امداد کا ثواب حاصل کریں اور ان کی پُرکِیف و پُر امن حکومت کی بہاریں دیکھیں۔ نیز ان کے دشمنوں میں سے بھی ایک قوم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے اور ان کو آپ کے شیعوں کے ہاتھوں دنیا کا وہ عذاب بھی چکھا جائے جس کے وہ مستحق تھے اور آپ کی حکومت کی عظمت و شوکت ان کو دکھا کر رسوا و ذلیل کیا جائے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے اسی آیت مجیدہ کے ذیل میں فرمایا۔ دُنیا میں جس قدر مومن قتل کی موت مرے ہیں وہ اٹھائے جائیں گے اور پھر اپنی طبعی موت مرے میں گئے اور جس قدر مومن اپنی طبعی موت سے مرے ہیں ان کو اٹھایا جائیگا۔ پس وہ قتل کی موت سے مرے میں گئے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں عقیدہ رجعت کو بعض شیعوں کا عقیدہ قرار دے کر بعد میں فرمایا۔ کہ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ یہ چیز اللہ کی قدرت شاملہ میں داخل ہے اور ایسا کرنا محالات ذاتیہ میں سے نہیں ہے اور گذشتہ اُمتوں میں اس قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں چنانچہ مختلف مقامات پر ان کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ موجود ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ اور اس کے علاوہ دیگر واقعات جو اپنے مقامات پر گذر چکے ہیں اور حضرت رسالت ﷺ سے خبر صحیح میں وارد ہے کہ میری اُمت میں وہ

الْمَيْرِ وَأَنَا جَعَلْتُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بتائی رات تاکہ سکون کریں اس میں اور دن دکھانے والا

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائے اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں

سب واقعات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل میں گذرے ہیں جس طرح ایک جو تادوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے ختا کہ اگر ان میں سے کوئی سو سمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہو گا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ اور جو لوگ امامیہ میں سے رجعت کے قائل نہیں ہیں وہ اس قسم کی تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو رجعت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اس سے مراد لیتے ہیں حکومت اور شاہی آل محمد کی ہوگی اور مجاہد آل محمد کے زمانہ میں خوشحال ہونگے۔ نہ کہ گذشتہ لوگ پلٹ کر دوبارہ آجائیں گے۔ ان کے استدلال کو نقل کرنے کے بعد علامہ طبرسی خود فرماتے ہیں اِنَّمَا الْعَوْلُ فِي ذَٰلِكَ عَلَىٰ الْجَمَاعَةِ الشَّيْعَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ وَإِنْ كَانَتْ الْأَخْبَارُ تَعْتَدُ لَا وَتُؤَيِّدُهَا۔ یعنی اس عقیدہ میں بڑی دلیل جس پر اعتماد ہے وہ ہے شیعہ امامیہ کا اجماع اور جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ اس اجماع کی مؤید ہیں۔ (لہذا احادیث کی تاویل کرنے سے عقیدہ کا بطلان ثابت نہیں ہو سکتا اس سے ان کا رجحان اسی طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ رجعت کے قائل ہیں اور یہی حق ہے کیونکہ معصوم نے رجعت کا بیان فرماتے ہوئے آیت مجیدہ کو بھی استدلال کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ آیت رجعت پر دلالت کرتی ہے اور بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان آیات سے مراد حضرت امیر المومنین اور باقی ائمہ ظاہرین ہیں۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عامر لوگ یَوْمَ نَخْسِرُ مِنْ كُلِّ آيَةٍ فَوْجًا۔ سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا قیامت کے دن ہر امت سے ایک ایک گروہ کو اٹھایا جائیگا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائیگا بلکہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے اور قیامت کے متعلق آیت یہ ہے۔ وَخَشَرْنَا لَهُمْ فَلَمَّ نَعَاهُمْ مِنْ أَهْدَىٰ۔ یعنی ہم ان کو محسور کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے وَكَمْ حِيْلُوا بِهَا عُلَمَاءُ۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم نے میری آیات یعنی آئمہ و انبیاء کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے فکر و تدبر کر کے اور انصاف و عدل کے تقاضوں پر عمل کر کے ان کو صحیح پہچانا ہی نہیں تھا اور نہ تم نے ان کی صحیح معرفت حاصل کی تھی۔

أَمَّا ذَٰلِكُمْ فَتَمَلُّوْنَ۔ یہ تہنید اور سرزنش ہے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تم نے ان کو جھٹلایا۔ یہ تم کیا کرتے رہے ہو؟

مُبْصِرًا یعنی روشن کہ اس میں تم چیزوں کو دیکھتے ہو اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہو۔

**نفخ صور** وَايَوْمَ يَنْفَخُ۔ نفخ کا معنی ہے چوکنا اور صور کے متعلق اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ صورت کی جھنجھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صورتوں میں روح پھونکے جائیں گے۔ پس وہ زندہ ہو کر محسور ہوں گے۔ اور تفسیر صافی میں جناب رسالت سے مروی ہے کہ وہ نور کا ایک سینک ہے جس کا ایک کنارہ چوڑا اور دوسرا تنگ ہے۔ پس اس کا ایک کنارہ اسرائیل فرشتے کے منہ میں ہے کہ وہ نفخ کرے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس میں اس قدر سوراخ ہیں جس قدر انسانی ارواح۔ پس ہر روح کا الگ



فَفَرِّعْ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ

پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر وہ جو

شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ آتَوْهُ ذَخِيرِينَ ﴿٥٥﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ

چاہے اللہ اور سب آئیں گے اس کے پاس ذریعہ ہو کر اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو

تَحْسِبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرٌّ مَرَّ السَّحَابِ ط

تر خیال کرے گا ان کو بھگے ہوئے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی طرح

صَنَعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط إِنَّهُ خَيْرٌ بِمَا

یہ اللہ کی صفت ہے جس نے مضبوط بنایا ہر شے کو تحقیق وہ باخبر ہے جو تم

تَفْعَلُونَ ﴿٥٦﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِمَّا

کرتے ہو جو بجا لائے نیکی تو اس کے لئے بہتری ہوگی

الگ سودا ہے اور اس کے نفع سے ہر روح اپنے متعلقہ جسم میں چلا جائے گا اور مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ جب پہلی دفعہ نفع ہوگا تو تمام زمین و آسمان کے ساکنین کے دل جاہیں گے اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی جب دوسری دفعہ ہوگا تو تمام ذی روح مر جائیں گے اور تیسری دفعہ نفع ہوگا تو سب زندہ ہو کر دوبارہ محسوس ہوں گے۔ اسی تفصیل جلد ۱۱ ص ۱۱۱ پر آئے گی۔

اللَّامِنِ شَاءَ اللَّهُ۔ یہ ان کا استنار ہے جن پر نفع صور سے گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور وہ چار فرشتے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عذرائیل اور مروی ہے کہ شہداء پر بھی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ اور اس میں انبیاء و ائمہ سب داخل ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ۔ یعنی اس دن دیکھو گے کہ پہاڑ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے یعنی جس طرح گنے بادل جب چھائے ہوئے ہوں تو دیکھنے سے وہ چلتے معلوم نہیں ہوتے حالانکہ چل رہے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ بھی کثرت اور پھیلاؤ کی وجہ سے ساکن معلوم ہوں گے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ یعنی پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضا میں پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔

الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ۔ یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں عیب نکالنے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں پس اس کی وضع و ہیئت کو اس طرح مکمل بنایا جس کے وہ لائق تھی۔

بِالْحَسَنَةِ۔ اس سے مراد کلمہ توحید و اخلاص ہے اور بعضوں نے اس سے مراد ایمان لیا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت قوی حسنہ سے مراد ولایت علی ہے اور سنیہ سے مراد اس کے دشمنوں کی تابعداری ہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنہ اہل بیت کی محبت و ولایت کی معرفت ہے۔ اور سنیہ اہل بیت کا بغض اور ولایت کے انکار کا نام ہے۔

وَهُمْ مِّنْ فِرْعَ يَوْمَئِذٍ مُّنُونٌ ﴿١٩﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسِّيئَةِ

اس کی وجہ سے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور جو کرے برائی پس ایسے مند

فَكَيْتٌ وَجُوهُكُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ

بنائیں گے دوزخ میں (کہا جائے گا) تم کو نہیں جزا دی جاتی مگر اس کی جو تم کرتے رہے

تَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ عَبَّدَ رَبُّ هَذِهِ الْبَلَدَةَ

تھے سوائے اس کے نہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کروں اس شتر کے رب کی جن نے

الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأَمْرُهُ أَنْ أَكُونَ مِنَ

اس کو حرمت والا بنایا اور اس کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

فَلَذِ خَيْرٍ مِّنْهَا. یہاں خیر سے مراد ہے اچھی جزا اور من تعلیلہ ہے یعنی اس کو اچھی جزا ملے گی جو ایمان و ولایت آل محمد کے لہذا یہاں خیر کو افضل التفضیل کا صیغہ قرار دینا غلط ہے کیونکہ معنی ہو جائے گا کہ اس کو جو جزا ملے گی وہ اس ایمان و ولایت سے بہتر ہوگی۔ حالانکہ ایمان یا کلمہ توحید و اخلاص یا ولایت آل محمد سے کوئی چیز اچھی نہیں ہو سکتی۔

الْمُنُونِ۔ آیت بتلائی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اہل توحید اہل ایمان و ولایت محفوظ ہوں گے۔

فَكَيْتٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حدیث سے مراد ہم اہل بیت کی محبت ہے۔ اور سنیہ سے مراد ہمال بغض ہے اور دوسری روایت میں جاہل سے مراد ہے کہ حضرت رسالتاً نے فرمایا اے علی! اگر میری امت روزے رکھے کہ کمزوری کو چھوڑے تاکہ کی طرح ان کے جسم کمزور نہ پڑ جائیں اور نمازیں اس قدر پڑھیں کہ میری امت کی جھک جائیں اور پھر تیرے ساتھ بغض رکھتے ہوں تو منہ زناک کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

حُرْمَتُ مَلَكٍ بِنِيَادِوْنَ مِّنْ اِيْكَ تَحْرِيْكَ يَحْيَا جَسْمٍ پَر كَچھ لکھا ہوا تھا پس انہوں نے ایک پڑھے لکھے آدمی سے پڑھوایا اس کی تحریر کا مقصد یہ تھا میں اللہ مَلَک کا مالک ہوں میں نے اس کو حرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین و آسمان کو خلق کیا اور میں نے اس کو ان دو پہاڑوں کے درمیان رکھا۔ اور اپنے سات فرشتے اس پر موکل کئے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور جس دن فتح کر کے مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کا دروازہ کھولا اور کعبہ کے اندر بنی ہوئی صورتوں کو مٹایا پس دیکھ کر فرمایا: خبردار! اللہ نے مکہ کو حرمت والا بنایا۔ جس دن سے آسمانوں اور زمین کو اس نے پیدا کیا۔ پس وہ اللہ کی

الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۱﴾ وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ فَمِنْ أُمَّتِي فَمَا

ہوں مسلمانوں میں اور یہ کہ تلاوت کروں قرآن کی پس جو ہدایت پائے گا تو وہ ہدایت

يَهْتَدِي لِنَفْسِي وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۹۲﴾

پائے گا اپنی ذات کے لئے اور جو گمراہ ہو (توہو) پس کہدو میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَابِقُكُمْ وَإِيَّاهُ فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا

اور کہدو حمد ہے اللہ کے لئے غنقریب دکھارے گا تم کو اپنی نشایاں پس جان لو گے ان کو اور نہیں

رَبِّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ ع

تیزاب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

حرمت سے حرمت والا رہے گا۔ قیامت تک نہ اس کے اندر شکاری جانور کو خوفزدہ کیا جائے گا۔ نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا۔ نہ اس کا لفظ اٹھا نا کسی کے لئے جائز ہے سوائے اس کے جو اس کو اس غرض سے اٹھائے کہ مالک کو تلاش کر کے واپس دے گا۔ آپ کے چچا عباس نے عرض کی حضور! اذخر تو عام کام آنے والی چیز ہے تو آپ نے اس کو مستشار قرار دیدیا۔

أَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ۔ یعنی میں نے قرآن مجید کے ذریعے تبلیغ کرنی ہے پس جو مان لے گا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے گا تو نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کسی کو زور سے راہ راست پر چلانا میرے عہد سے میں نہیں ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ پس اس مقام پر دسویں جلد ختم ہوئی اور سورہ قصص سے گیارہویں جلد انشاء اللہ شروع ہوگی اس وقت صبح دس بجنے سے پانچ منٹ کم ہیں۔

آج بروز چہار شنبہ ۱۵ ماہ مبارک رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء ۱۱ مئی ۲۰۲۶ء کو اس جلد کے مسودہ سے فارغ ہوا ہوں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھے اپنی کتاب کریم کی تفسیر کی توفیق مرحمت فرمائے اور آل محمد کے نقش پر صیغ چلنے کی سعادت عنایت

کرے اور میرے والدین کے اور جملہ اعداء واقارب کے اور سب مومنین کرام خصوصاً میرے اساتذہ کے جملہ گناہان کبیرہ و صغیرہ کو دامن عفو میں جگہ دے اور اس تفسیر کے مطالعہ کی مومنین کرام کو ہمت عطا فرمائے نیز جملہ ایسی رد و کاوٹوں سے محفوظ رکھے جو اس کی اشاعت

کی راہ میں حائل ہو سکیں۔ وَهُوَ السُّوفِقُ وَالْمُعِينُ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلْ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ مومنین کرام سے دعا کی القاس ہے کہ خدا ہمیں اپنے کلام مقدس کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(دوسرا ایڈیشن ماہ مئی ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا)